قرآنی اصطلاحات
اور
علمائے سلف و خلف

سید حامد علی

قرآنی اصطلاحات
اور
علمائے سلف و خلف

مولانا سید حامد علیؒ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۶۵۳

نام کتاب : قرآنی اصطلاحات اور علمائے سلف وخلف
مصنف : مولانا سید حامد علیؒ
صفحات : ۳۴۸
اشاعت : مارچ ۲۰۱۱ء
تعداد : ۵۰۰
قیمت : -/۱۶۵ روپے
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۴۳۴۱ فیکس: ۲۶۹۴۷۸۵۸
E-mail: mmipublishers@gmail.com
Website: www.mmipublishers.net
مطبوعہ : ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی-۲

QUR'ANI ISTILAHAAT AUR
ULMA-E-SALF-O-KHALF (Urdu)
By: Maulana Sayyid Hamid Ali
Pages: 348
Price: Rs. 165.00

فہرستِ عنوانات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدّمہ

تقریباً چھپن۵۶، ستاون۵۷ سال پہلے کی بات ہے، حیدرآباد دکن سے ایک دینی و علمی ماہنامہ "ترجمان القرآن" نکلتا تھا، اس کے مدیر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ تھے۔ یہ رسالہ مغربی تہذیب و افکار کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا، ایک ایک کرکے ازالہ کر رہا تھا اور اسلامی تعلیمات کو علمی و تحقیقی انداز میں پیش کر رہا تھا۔ اِس ماہنامے میں "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کے نام سے ایک سلسلۂ مضامین شروع ہوا۔ اس میں مولانا مودودیؒ نے اِلٰہ، رب، عبادت اور دین کے مفہومات کو عربی لغت اور قرآنی آیات کی روشنی میں تفصیل سے بیان فرمایا تھا۔ میں اِن دنوں درسِ نظامی کا ایک طالب علم تھا، یہ مضامین میری نظر سے بھی گزرے، اندازِ بحث اور طرزِ استدلال میں کچھ نیا پن ضرور تھا مگر جہاں تک اِن اصطلاحات کے مفہوم کا تعلق تھا، میرے لیے اس میں کوئی نئی بات نہ تھی، میں نے اکابر علمائے دیوبند و ندوہ سے جو دینی فکر پایا تھا مولانا کا فکر اُس سے ہم آہنگ تھا۔

"ترجمان القرآن" میں ایک اور سلسلۂ مضامین "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے عنوان سے شروع ہوا۔ اِس کے پہلے دو۲ حصوں میں مولانا مودودیؒ نے "انڈین نیشنل کانگریس" کی لادینی سیاست پر مدلل اور مفصل تنقید کی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں اُس کے مُہلک اثرات واضح کیے تھے ــــ اور چالیس۴۰ سال کے طویل عرصے میں مسلمانوں نے اِس سیاست کے ہولناک نتائج کو مسلسل بھگتا ہے ــــ "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے تیسرے حصے میں مولانا نے مسلم لیگ اور خاکسار تحریک کے مسلم قوم پرستانہ

نظریات و اعمال پر مدلّل تنقید کی تھی اور ان دونوں راہوں سے ہٹ کر ملک و ملّت کو اسلامی نظام کی راہ دکھائی تھی۔

"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم کے — جو اب "اسلامی سیاست" کے نام سے مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوئی ہے — مضامین کے بنیادی نکات یہ تھے:-

۱- اسلام ایک عالم گیر اور بین الاقوامی دین ہے، صرف مسلمانوں کا مذہب نہیں۔

۲- "امتِ مسلمہ" کوئی نسلی یا وطنی قوم نہیں ہے، وہ ایک جماعت اور ایک اصولی و بین الاقوامی پارٹی ہے، جو اسلام کی بنیاد پر نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے تشکیل پائی ہے۔

۳- مسلمانوں کے لیے لادینی وطنی سیاست اور مسلم قوم پرستانہ سیاست، دونوں ہی غلط ہیں، مسلمان حقوق و مفادات کی جنگ کے لیے نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے پیدا ہوا ہے۔

۴- انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ اللہ کی حاکمیت ہے اور امتِ مسلمہ کا نصب العین دنیا میں اللہ کی حاکمیت کا قیام ہے۔

۵- مغربی تہذیب اس وقت زوال پذیر ہے اور اسلامی نظام کے قیام کے، روشن امکانات ہیں، بشرطیکہ اُس کے لیے جدوجہد کرنے والی کوئی صالح جماعت موجود ہو۔

اِس سلسلہ مضامین سے جہاں کانگریس، جمعیۃ العلماء ہند اور مسلم لیگ سے وابستہ کچھ علمائے کرام مولانا مودودیؒ کے مخالف ہو گئے، وہیں مولانا مودودیؒ کے ہم فکر اصحاب کا — جن میں علمائے دین بھی تھے — ایک حلقہ پیدا ہوا۔ مولانا مودودیؒ کی دعوت پر اُن میں سے اکثر اصحاب اگست ۱۹۴۱ء کو "دفتر ترجمان القرآن" لاہور میں جمع ہو گئے اور غور و فکر اور بحث و گفتگو کے بعد انہوں نے "جماعت اِسلامی" کی شکل اختیار کر لی، مولانا مودودیؒ اِس جماعت کے امیر منتخب ہوئے۔ جماعت اسلامی کی تشکیل کے بعد کانگریس، جمعیۃ العلماء ہند اور مسلم لیگ سے وابستہ کچھ افراد کی جانب سے جماعت اسلامی کی مخالفت کا آغاز ہو گیا۔ یہ مخالفت جماعت کی دعوت کے پھلنے پھولنے کے ساتھ بڑھتی گئی، اِس کے

محرکات دینی سے زیادہ سیاسی تھے اور اُن میں ذاتی وگروہی محرکات کی آمیزش بھی ہوجاتی تھی۔
میں ایک نوعمر طالب علم کی حیثیت سے مختلف گروہوں کے افکار ونظریات اور مولانا مودودیؒ کی اسلامی تحریک کا بہ غور مطالعہ کررہا تھا، کہ ایک کتاب نظر سے گزری۔ یہ مولانا سید ابوالحسن ندوی کی تصنیف "سیرت سید احمد شہیدؒ" تھی۔ میں اِس کتاب اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے ۔۔۔ جس میں برِّ صغیر کے علماء ومشائخ اور دیندار رؤسا اور عوام نے اقامتِ دین، کے لیے بے مثال مالی وجانی قربانیاں دی تھیں ۔۔۔ بے حد متاثر ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ مولانا مودودیؒ بھی اِسی تحریک کو لے کر اٹھے ہیں، میں اِس تحریک کا کارکن بن گیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی اِس کارواں میں شامل ہوگئے مگر وہ تبلیغی جماعت سے بھی وابستہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد مولانا مودودیؒ کے مشورے پر کہ وہ کسی ایک جماعت کے لیے یکسو ہوجائیں، تبلیغی جماعت کے لیے یکسو ہوگئے۔
۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد اور تقسیم ہوا اور بھارت اور پاکستان کی دو مستقل مملکتیں وجود میں آگئیں۔ چند مہینوں ہی میں اندازہ ہوگیا کہ دو مستقل اور آزاد مملکتوں کے وجود میں آجانے کے بعد جماعت اسلامی کی ایک متحدہ تنظیم قابلِ عمل نہیں ہے، چنانچہ ملک کی طرح جماعت اسلامی بھی تقسیم ہوگئی۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ قرار پائے۔ ہندوستان میں رہ جانے والے افراد نے اپریل ۱۹۴۸ء میں "جماعت اسلامی ہند" کے نام سے ایک الگ جماعت کی تشکیل کی اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی اُس کے امیر تسلیم کیے گئے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ دو آزاد تنظیمیں تھیں، اور عقیدے اور نصب العین کے اشتراک کے علاوہ ان میں باہم کوئی ربط وتعلق نہ تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جماعتِ اسلامی ہند کے نہیں، جماعت اسلامی پاکستان کے امیر تھے اور اُن کے کسی قول وفعل کی ذمہ داری جماعت اسلامی ہند پر نہ آتی تھی۔ مگر جماعتِ اسلامی ہند کے مخالف علماء اِسے ماننے کو تیار نہ تھے۔ ہندوستان کے اربابِ اقتدار کا بھی یہی خیال تھا کہ جماعت اسلامی ہند کا، پاکستان اور امیرِ جماعتِ اسلامی پاکستان سے تعلق ہے مگر اُن کے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ دراصل جماعت کے

کچھ مخالفین نے، جن کی اربابِ حکومت تک رسائی تھی، حکومت کو اِس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

جماعتِ اسلامی ہند اور جماعتِ اسلامی پاکستان کی تشکیل کے، کچھ مدت بعد ہی دونوں طرف کے اربابِ اقتدار اور دونوں طرف کے کچھ علمار جماعت اسلامی کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے اور چالیس سال کی طویل مدت میں مخالفت کی یہ مہم جاری رہی۔ علمائے کرام کی جانب سے اعتراضات، فتووں، بہتان تراشیوں اور وابستگانِ جماعت کے خلاف بائیکاٹ کی روش قائم رہی اور حکومت کے ذمہ دار اور اس کا ہم نوا پریس، دونوں جماعتِ اسلامی کے خلاف مہم میں مصروف رہے۔ جماعت کے افراد ملازمتوں سے نکالے گئے، جیل کے مصائب و آلام کا شکار ہوئے، جماعت سے وابستہ کچھ افراد کو شہید کیا گیا، مولانا مودودیؒ پر قاتلانہ حملہ ہوا، حکومتِ پاکستان نے مولانا مودودیؒ کو پھانسی کی سزا سنائی — جس سے وہ اللہ کے فضل و کرم اور پھر عالمِ اسلام کے شدید احتجاج کے نتیجہ میں محفوظ رہے — جماعت اسلامی ہند پر پابندی لگی، اُس کے دفاتر، مکتبے اور اخبارات و رسائل بند کر دیے گئے۔ اُس کی املاک اور بیت المالوں کو سیل کر دیا گیا اور کم و بیش ڈیڑھ سال تک جماعت کے ذمہ دار اور اکثر و بیشتر وابستگان جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند رہے، طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنے اور اِن اذیتوں کے نتیجہ میں کتنے ہی افراد جیل کے اندر اور باہر جاں بحق ہوئے۔

دین و ملت اور اسلامی تحریک کے لیے اِس تحقیق کی بنیادی اہمیت ہے کہ چالیس سال کی طویل مدت میں علمار اور اربابِ اقتدار کی جانب سے جماعتِ اسلامی کی مخالفت کی، جو مہم چلی، اُس میں دونوں کا اشتراک اتفاقیہ تھا یا اُن کے مابین کوئی تعلق تھا۔ اِس کے لیے سرسری نہیں، علمی و تحقیقی جائزے کی ضرورت ہے۔ یہ جائزہ کوئی غیر جانبدار اور انصاف پسند مبصر ہی لے سکتا ہے وہ جماعتِ اسلامی ہند کے سلسلے میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۸ء تک کے ہندوستان کے اربابِ اقتدار کے بیانات و اقدامات، نیز حکومت کے ہمنوا پریس اور رہنماؤں کے، جماعت کے خلاف الزامات اور پروپیگنڈوں کو

اور مخالف علمائے کرام کے اعتراضات، بیانات، اقدامات اور فتووں کو جمع کرے، ان کا گہرا مطالعہ کرے، یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ اِن دونوں مہموں کے پیچھے کچھ خفیہ ہاتھ تو نہیں ہیں، یہ دیکھے کہ دونوں طرف کی یہ مہم کیا ایک ساتھ یا کچھ آگے پیچھے شروع ہوئی ہے اور ان میں کب کب تیزی آئی ہے۔ یہ معلوم کرے کہ کن کن جماعتوں اور علماء کا وقت کی حکومت یا برسرِ اقتدار پارٹی سے تعلق رہا ہے اور وہ دانستہ یا نادانستہ اُس کے آلہ کار یا شریک کار تو نہیں بنے ہیں، ایسا تو نہیں ہے کہ اربابِ اقتدار سے خوف کھا کر اپنے آپ کو، اپنی جماعت کو یا اپنے دارالعلوم کو حکومت کے عتاب سے بچانے کے لیے انھوں نے جماعتِ اسلامی کے خلاف کچھ اقدامات کیے ہوں ـــــ یہ انتہائی اہم اور بنیادی کام ہے، جسے اَب تک انجام نہیں دیا گیا ہے اور دین و ملّت کے لیے کسی بھی تعمیری کام کے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ تحقیقی جائزہ لیا جائے۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے، آزادی کی صبح طلوع ہوتے ہی دہلی، مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب (پاکستان) میں ہولناک اور وسیع و ہمہ گیر فسادات بھڑک اٹھے تھے، خیال تھا کہ یہ ایک ہیجانی دور ہے، جو جلد ختم ہو جائے گا مگر ایسا نہ ہوا۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں خونریز فسادات کا سلسلہ چلتا رہا۔ پاکستانی حکومت نے کچھ مدّت کے بعد اپنے آہنی ہاتھوں سے فسادات کے اِس سلسلے کو کچل دیا لیکن ہندوستانی حکومت اس میں ناکام رہی۔ چالیس سال سے زیادہ مدت ہو رہی ہے، فسادات کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اور حال ہی میں میرٹھ اور ملیانہ کے فسادات نے پوری دنیا میں ہندوستان کی ذلّت و رسوائی کا سامان کیا ہے۔ یہ فسادات چالیس سال کی مدّت میں ہزار ہا ہوئے حکومت کے پیش کردہ اعداد و شمار کے مطابق ـــــ جو اصل سے ہمیشہ کم ہوتے ہیں ـــــ اِن فسادات کا اوسط بعض سالوں میں دن میں ایک یا ایک سے زائد فساد کا تھا۔ اِن فسادات سے عظیم ترین مالی و جانی نقصانات ہوئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانیت، اخلاق، مذہب اور باہمی اعتماد، ہر چیز کا خون ہوا اور ملک دنیا میں ذلیل و رسوا ہوا۔

تحقیقاتی کمیشنوں کی رپورٹوں، مختلف سیاسی پارٹیوں کے بیانات اور خود

برسرِ اقتدار پارٹی کے لیڈروں کی تصریحات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں رہی کہ اِن "مسلم کُش" فسادات میں انتظامیہ، پولیس اور پی، اے، سی کا رول عموماً جانب دارانہ رہا، انھوں نے بسا اوقات فسادیوں کی سرپرستی کی بلکہ قتل و غارت گری میں خود بھی حصہ لیا، جیسا کہ میرٹھ اور ملیانہ کے تازہ ترین فساد کی رپورٹوں سے واضح ہے ــ لیکن مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے فسادیوں کو کیفرِ کردار تک نہیں پہنچایا۔ نہ مجرم حکام اور پولیس اور پی اے سی افسران کو سزائیں دیں۔ حکومت کے ذمہ داران فسادات کے لیے مسلسل آر، ایس، ایس کو ذمہ دار ٹھہراتے رہے مگر انھوں نے اُس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا ــ بلکہ مختلف اوقات میں آر، ایس، ایس سے خود اُس کی ساز باز رہی ــ یہی نہیں، بسا اوقات خود مسلمانوں کو اِن فسادات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ فساد کے مارے ہوئے مظلوم مسلمانوں کو پاکستانی ایجنٹ کہا گیا اور بار بار حکومت کے ایوانوں اور اس کے ہم نوا پریس سے اعلان ہوا کہ اِن فسادات کے پیچھے غیر ملکی یعنی پاکستانی ہاتھ ہے۔

جماعتِ اسلامی اوّل روز سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی داعی رہی ہے، اس کا پیغام سب انسانوں کے لیے ہے، وہ حقوق و مفادات کی جنگ اور ہندو مسلم کشمکش کو غلط سمجھتی اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تمام اہلِ ملک کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہے۔ جماعت نے ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت کی لہر کو روکنے کی، اپنی سی کوشش کی مگر افراد اور وسائل کی قلّت کے باعث ناکام رہی۔ البتہ وہ ایک کام پوری تندہی اور کامیابی سے کرتی رہی اور وہ ہے فسادات میں تباہ ہونے والے افراد کی، بلا امتیازِ مذہب و ملّت امداد اور اُسے اس معاملے میں ملک و ملّت کا اعتماد حاصل رہا۔ لیکن جماعت اسلامی کا ریلیف ورک اور مظلومین کے لیے اس کی صدائے احتجاج ارباب اقتدار کو پسند نہ آئی۔ حکومت کے ذمہ داروں اور اُس کے ہم نوا پریس نے فرقہ واریت اور فرقہ وارانہ فسادات کے لیے آر، ایس، ایس کے ساتھ جماعت اسلامی کو بھی متہم کیا۔ یہ سلسلہ مزید آگے بڑھا اور کانگریسی پریس اور کانگریس کے ہم نوا کچھ ہندو اور مسلمان رہنماؤں اور کمیونسٹوں کی جانب سے آر، ایس، ایس اور جماعتِ اسلامی دونوں پر پابندی کا مطالبہ کیا جانے لگا۔

انہی دنوں دائیں بازو کی پارٹیوں کے اشتراک و تعاون سے جے پرکاش نارائن کا آندولن چلا، بگڑتے ہوئے حالات سے خائف ہو کر وزیراعظم اندرا گاندھی نے ۲۵ جون ۱۹۷۵ء کی شب میں ایمرجنسی نافذ کر دی۔ چند روز کے بعد دوسری جماعتوں کے ساتھ، جو آندولن میں شریک تھیں، جماعتِ اسلامی ہند پر بھی، جس کا اس آندولن سے کوئی تعلق نہ تھا، پابندی لگا دی گئی، پورے ملک سے جماعت کے ذمہ داران و وابستگان کو بڑے پیمانے پر گرفتار کر لیا گیا اور جماعت کے دفاتر، بیت المال اور املاک کو سیل اور مکتبوں کو اخبارات و رسائل کو بند کر دیا گیا۔

ایمرجنسی کے نفاذ اور جماعتوں پر پابندی کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے مسز اندرا گاندھی نے کئی سو صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کی۔ اس میں آر، ایس، ایس کے ذمہ داروں کی کتابوں اور بیانات کے بہت سے اقتباسات اُس کے خلاف الزامات کے ثبوت میں پیش کیے گئے تھے مگر جماعتِ اسلامی کے خلاف اس میں کوئی مواد نہ تھا۔ ایمرجنسی ہی کے دوران وزیراعظم کے خصوصی نمائندے محمد یونس خاں نے عرب ممالک کا دورہ کیا، اُن سے ہر جگہ جماعت کے بارے میں سوالات ہوئے۔ اُن کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے اعتراف کیا کہ حکومت کو جماعت سے کوئی شکایت نہیں ہے، توازن قائم کرنے کے لیے ہندو جماعتوں کے ساتھ جماعت اسلامی پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔

جماعتِ اسلامی ہند پر اس بے وجہ پابندی، اس کے املاک کی ضبطی اور اس سے وابستہ افراد کی مظلومانہ اسارت کے باعث نہ صرف ہندوستان، نہ صرف عالمِ اسلام بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی ہمدردیاں جماعت کو حاصل ہوئیں۔ جماعت پر پابندی لگنے کے، چند ہفتوں کے اندر وزیر اعظم کے آفس میں پوری دنیا سے مسلمان ذمہ داروں کے تاروں کا انبار لگ گیا، جن میں جماعت پر سے پابندی ہٹانے اور اس کے وابستگان کو رہا کرنے کا مطالبہ تھا۔ عربی اخبارات و رسائل میں خصوصیت سے جماعت کے سلسلے میں مقالات و بیانات شائع ہوئے۔ خود ملک کے بہت سے انصاف پسند غیر مسلموں کی ہمدردیاں جماعت کے ساتھ تھیں، البتہ کانگریس اور حکومت کے ہمنوا اس عالمی لہرے

الگ تھے۔

جماعت اسلامی کی اِس بے بسی اور زباں بندی کو ہندوستان کے بعض علماء نے جماعت کی بیخ کنی کا زرّیں موقع جانا۔ چنانچہ جیل ہی میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی تصنیف "فتنۂ مودودیت" پڑھنے کو ملی۔ اِس کتاب کو پڑھ کر دکھ ہوا۔ اِس لیے نہیں کہ اِس سے جماعت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، بلکہ اِس لیے کہ اِس سے شیخ الحدیث کی شخصیت بُری طرح مجروح ہوئی تھی۔ یہ کتاب مولانا مودودیؒ کی عبارتوں میں کتر بیونت، ان پر بے بنیاد الزامات اور کج فہمی کا عجیب و غریب مرقع تھی[1]۔ پھر جس موقع کو انہوں نے جماعت پر حملہ کے لیے چنا تھا، اس سے اُن کی شرافت و اخلاق کا خون ہو گیا تھا۔ کوئی شریف آدمی کسی مجبور و مظلوم شخص پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانے میں جبکہ زبانیں جماعت اسلامی کی حمایت میں گنگ تھیں، مولانا سعید احمد اکبر آبادی سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، رکن مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند و مدیر ماہنامہ "برہان" دہلی نے اپنے ماہنامے میں اِس پر شدید تنقید کی اور اِسے شرافت و اخلاق سے گری ہوئی حرکت قرار دیا۔

ایمرجنسی اور جماعت پر پابندی کا دَور چل رہا تھا کہ جیل ہی میں یہ اطلاعات ملنے لگیں کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جماعت کے لٹریچر کے وسیع و عمیق مطالعہ میں مصروف

---

[1] فی الواقع یہ کوئی نئی تصنیف نہ تھی، ناشر کے بیان کے مطابق یہ وہ خط ہے جو مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور نے مولانا محمد زکریا قدوسی شیخ التفسیر مظاہر العلوم سہارنپور کو ۱۹۵۱ء میں لکھا تھا — مولانا قدوسیؒ کو "مودودیت" کے جرم میں بالآخر مظاہر العلوم سے نکال دیا گیا تھا — شیخ الحدیث اِس خط کی اشاعت نہ چاہتے تھے مگر وہ جماعت کی اِس بے بسی کے دور میں اُس کی اشاعت پر کیسے راضی ہوئے؟ ماہر القادری مرحوم کے سوال پر شیخ الحدیث نے ایک صاحب کا نام لیا، جن کا شدید اصرار خط کی اشاعت کا باعث بنا تھا۔ یہ وہی مسلمان سیاسی و دینی رہنما تھے جنھوں نے حکومت سے جماعتِ اسلامی پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا تھا۔

ہیں اور جماعت کے سلسلے میں کوئی کتاب لکھنا چاہتے ہیں۔ اِس سوال سے قطع نظر کہ مولانا علی میاں کو اس وقت اس کی کیا ضرورت پیش آئی، توقع ہوئی کہ مولانا لٹریچر کے وسیع وعمیق مطالعہ کے بعد کوئی علمی و تحقیقی کتاب لکھیں گے، جس میں جماعت کے مالہ اور ماعلیہ پر کتاب وسنّت کی روشنی میں مدلل ومفصل بحث ہوگی، لیکن ایمرجنسی کے بعد مولانا کی کتاب "عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح" نظر سے گزری تو حیرت ومایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مولانا نے اِس کتاب کے آغاز ہی میں باور کرایا ہے کہ کتاب خیر خواہی کے جذبے کے تحت لکھی گئی ہے مگر اِس سوال سے قطع نظر کہ کیا اِس دور میں جماعت کی خیر خواہی یہی تھی، ہمیں کتاب میں خیر خواہی کا سراغ نہیں ملا، البتہ ذہن میں ایک سوال ابھر آیا اور وہ یہ کہ مولانا مودودیؒ سے، اُن کے پاکستان میں ہونے کے باعث، مولانا کے ربط کے زیادہ مواقع نہ تھے، مگر جماعت اسلامی ہند کے چوٹی کے ذمہ داروں سے تو مولانا کے قریبی تعلقات تھے مسلم مجلسِ مشاورت اور مسلم پرسنل لابورڈ کی طویل نشستوں، نیز دوسرے مواقع پر اُن سے مولانا کی ملاقاتیں رہتی تھیں اور مولانا ازراہِ کرم خود بھی مرکزِ جماعت میں تشریف لاتے رہتے تھے، مولانا نے اپنی زبان سے کبھی اُن کی "خیر خواہی" کا حق ادا نہیں فرمایا۔ ہوسکتا تھا کہ مولانا کی تفہیم وتلقین کے نتیجہ میں وہ اپنی "غلط فکری" سے باز آجاتے، ورنہ اُن پر اتمامِ حجت تو ہو ہی جاتا اور ممکن تھا کہ خود مولانا کی غلط فہمی دور ہوجاتی!

کتاب سے جماعت کے لٹریچر کے وسیع وعمیق مطالعہ کا اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ کتاب میں دستورِ جماعت، خطبات، تفہیمات اور قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں کے حوالے ہیں مگر افسوس، مولانا نے اِن کتابوں کا بھی نہ عمیق مطالعہ کیا، نہ بالاستیعاب، اگر مولانا دستورِ جماعت میں "لاالٰہ الا اللہ" کی تشریح کا مطالعہ فرمالیتے تو "اللہ کی حاکمیت" پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کا، اُن کا اعتراض ختم ہوجاتا اور "نصب العین" کی تشریح میں "اقامتِ دین" کا جامع ووسیع مفہوم ملاحظہ فرمالیتے تو جماعت کی طرف اقامتِ دین، کا محدود سیاسی مفہوم منسوب نہ فرماتے اور خطبات کو بالاستیعاب پڑھ لیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ مولانا مودودیؒ عبادات کو دین میں اُس سے بہت زیادہ بلند مقام کا حامل سمجھتے ہیں جتنا عام

علمائے کرام انہیں دیتے ہیں اور "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" از اوّل تا آخر اُن کے مطالعہ میں آجاتی تو اِس کتاب کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

کتاب میں مولانا علی میاں کی تنقید کا اصل ہدف "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اِس کتاب میں الٰہ، رب، عبادت اور دین پر لغوی بحث کر کے پہلے اُن کا لغوی مفہوم واضح کیا ہے، پھر سینکڑوں قرآنی آیات ترجمے کے ساتھ پیش کر کے ان کا اصطلاحی مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا علی میاں نے مولانا مودودیؒ پر یہ کر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے اِن اصطلاحات کے مفہوم میں تحریف کر کے باطل فرقوں کی طرح دین کو بدل ڈالنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش کی ہے۔ مولانا کا دعویٰ ہے کہ ان کی یہ کتاب ایک "علمی و اصولی تبصرہ و جائزہ" ہے۔ مولانا مودودیؒ کی اِس علمی و تحقیقی کتاب کے "علمی و اصولی جائزے" کی واحد شکل یہ تھی کہ مولانا واضح فرماتے کہ مولانا مودودیؒ نے اِن الفاظ کے سلسلے میں جو لغوی بحثیں کی ہیں، اُن میں یہ اور یہ غلطیاں ہیں، قرآنی آیات کا انہوں نے جو ترجمہ کیا اور اِن سے جو استدلال کیا، وہ اِس، اس طرح غلط ہے اور مولانا تفاسیر اور اقوالِ علمائے سلف سے اپنی بات کو مدلل فرماتے ہوئے بتاتے کہ ان اصطلاحات کا اصل مفہوم یہ ہے اور مولانا مودودیؒ نے کس طرح علمائے سلف کی مسلّمہ تعریفات سے انحراف کیا ہے، مگر کتاب اِس علمی و تحقیقی بحث سے بالکل خالی ہے۔

"قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کا مطالعہ کر کے میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ تو وہی فکر ہے جو ہمیں اسلاف، خصوصاً اکابر علمائے دیوبند و ندوہ سے ملا ہے۔ یہ میرا طالب علمی کا دور تھا، اِس کے بعد پینتالیس سال کی مدت ہوتی ہے، قرآنِ مجید پر غور و فکر، تفاسیر اور احادیث نبوی کے مختلف مجموعوں کے مطالعہ، علمائے سلف کی تصانیف کو پڑھنے پڑھانے اور قرآنِ مجید کی تفسیر، احادیث کی تشریح اور مختلف اسلامی موضوعات پر تصنیف و تالیف کے مسلسل مواقع ملتے رہے مگر کبھی احساس نہ ہوا کہ مولانا مودودیؒ نے اِس کتاب میں قرآنی اصطلاحات کا مفہوم بدل کر دین میں تحریف کی ہے، نہ کسی اور عالم دین نے اِس طرح کی بات فرمائی۔ میں نے الحمد للہ کتاب و سنّت کی دلیل کے بغیر کبھی کسی کی بات تسلیم نہیں کی ہے، اللہ نے مجھے شخصیتوں

کی غالی عقیدت سے بھی محفوظ رکھا ہے، اگر مولانا علی میاں کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت کر دیتے کہ مولانا مودودیؒ کا بنیادی فکر غلط ہے تو میں اِس "گمراہی" سے بچ نکلتا مگر مولانا کی کتاب تو دلائل سے خالی نکلی۔

بات ختم ہو چکی تھی۔ مگر کچھ عرصے کے بعد دل میں کھٹک پیدا ہوئی، کہیں میرا مطالعہ تو غلط نہیں ہے! کہیں میں نے اسلاف اور خود اپنے اکابر کے علم و فکر کو سمجھنے میں غلطی تو نہیں کی ہے! کہیں میرے حافظے نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا ہے! وقفہ وقفہ سے یہ کھٹک پیدا ہوتی رہی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتا تھا۔ آخر کار میں نے اِس کھٹک کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور عربی لغات، اہم تفاسیر اور اکابر اہل علم کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔

پیشِ نظر کسی کتاب کا لکھنا نہ تھا، بلکہ تازہ اور وسیع مطالعہ کر کے قلب و دماغ کو مطمئن و یکسو کرنا تھا، مجھے کوئی جلدی نہ تھی — جیسا کہ کسی کتاب کے مصنف کو بعض اوقات ہوتی ہے — پھر دعوتی و تحریکی مشغولیات سے بہت کم فرصت مل پاتی تھی۔ میری اپنی لائبریری بہت مختصر تھی۔ مرکزِ جماعت کی لائبریری میں بھی اُس وقت علمی کتابیں کچھ زیادہ نہ تھیں۔ اِن وجوہ سے میرا مطالعہ انتہائی سست رفتاری سے آگے بڑھتا رہا۔ اپنی لائبریری، برادر محترم جناب محمد فاروق خاں صاحب کی لائبریری اور مرکزِ جماعت کی لائبریری سے مسلسل استفادہ کرتا رہا، پھر مواد کی مزید فراہمی کے لیے اسلامیہ کالج شانتا پُرم کیرلا اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی عظیم لائبریریوں کی طرف رجوع کیا۔ مختلف کتابوں کی طویل طویل عبارتوں کے نقل کرنے میں اِن دونوں اِداروں کے بعض طلبہ و اساتذہ سے بڑی مدد ملی۔ اللہ انہیں اس کی جزا عطا فرمائے!

میں کتابوں کے پہلو سے تہی دامن ہوں لیکن میری طویل تصنیفی زندگی کا تجربہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اپنے فضل و کرم سے معیاری و مستند کتابیں فراہم کر دیتا ہے۔ اِس مطالعہ کے دوران بھی ایسا ہی تجربہ ہوا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ مطالعہ کا شوق بڑھتا گیا، غور و فکر کا زیادہ موقع ملتا گیا، اور بہت سی اہم کتابیں یکے بعد دیگرے ملتی گئیں۔ میں کتابوں کے اقتباسات کو لکھتا یا لکھواتا رہا۔ مطالعہ اِلٰہ، رب اور عبادت

تک محدود تھا، پھر میں نے محسوس کیا کہ توحید اور شرک کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے مطالعہ کا دائرہ وسیع ہونا چاہیے، میں نے انداد، شرک، مشرک، شرکاء، طاغوت اور اسلام کے سلسلے میں بھی قرآن و سنّت اور سلف کی تصریحات کا مطالعہ کیا، اقتباسات کو مختلف عنوانات کے تحت منضبط کرتا رہا، مطالعہ کے دوران میں نے اپنے مطلب کی سطور کو چھانٹ لینے کے بجائے ـــ جیسا کہ بہت سے اربابِ قلم کا دستور ہے ـــ طول طویل عبارتیں یکجا کی ہیں اور اگر ان عبارتوں میں کوئی رائے اپنی تحقیق کے خلاف ہے تو اُسے بھی نقل کر دیا ہے۔

مطالعہ کے دوران دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ان اقتباسات کو مرتب کر کے افادۂ عام کی خاطر شائع کر دیا جائے تاکہ قرآنِ مجید اور دین کی بنیادی اصطلاحات کا مفہوم کتاب و سنت اور سلفِ صالحین کی تصریحات کی روشنی میں سامنے آسکے کہ یہ مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے۔

"دین" پر بحث کرنے کے بجائے میں نے مناسب سمجھا کہ "اسلام" پر بحث کی جائے کہ یہی اِس "دین" کا اصطلاحی نام ہے ـــ "قرآنی اصطلاحات اور راستاذ حسن مصنفیؒ" کے مقالے میں ضمناً "دین" پر بھی بحث آگئی ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو بعد میں "دین" پر بھی بحث کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

مصنّف نے کوشش کی ہے کہ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے دَور سے لے کر آج تک کے اکابر اہلِ علم ـــ مفسّرین، محدثین، اربابِ لغت، مجددین متکلمین، اصولیین، سیرت نگاروں اور صوفیہ ـــ کی تصریحات سامنے آجائیں۔ کتاب کے آخر میں کتابیات اور شخصیات کی فہرست سے اندازہ ہو سکے گا کہ مصنف نے کتنے وسیع مطالعہ کے بعد اکابر اہلِ علم کی تصریحات جمع کی ہیں۔

مولانا علی میاں نے اپنی کتاب میں اِس بات پر زور دیا ہے کہ توحید اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ "اللہ کی پرستش" ہے، "اطاعت" کی حیثیت ثانوی ہے میں نے اس پہلو سے بھی کتاب اللہ اور اس میں مذکور انبیاء علیہم السلام کی دعوتوں کا مطالعہ کیا

اور حاصلِ مطالعہ کو "اطاعتِ خدا و رسول" کے عنوان کے تحت جمع کر دیا۔

استاذ حسن ہضیبیؒ کی کتاب "دعاۃ لا قضاۃ" کو مولانا علی میاں اور مولانا محمد منظور نعمانی نے مولانا مودودیؒ پر تنقید کے لیے آلۂ کار بنایا تھا۔ اِس کتاب کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ استاذ حسن ہضیبیؒ کو بالکل غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خیال آیا کہ استاذ حسن ہضیبیؒ کے افکار پر ایک مقالہ کا اِس کتاب میں اضافہ ہو۔ مگر اب میں شدید مصروف تھا۔ میں سید قطب شہیدؒ کی معرکۃ الآرا تفسیر "فی ظلال القرآن" کے ترجمہ و تحشیہ اور قرآن مجید کے گہرے مطالعہ میں غرق تھا۔ اِسی اثنا میں اچانک "مُجمّع ملک فہد" کی ۔۔ جو قرآن مجید کی طباعت و اشاعت کا دنیا میں سب سے بڑا ادارہ ہے اور جہاں سے ادارہ کی رپورٹ کے مطابق ہر ماہ ساٹھ لاکھ قرآن مجید طبع ہو کر عالمِ اسلام میں مفت تقسیم ہوتے ہیں ۔۔ دعوت و اِصرار پر مجھے قرآنِ مجید کے اردو ترجمہ و مختصر تفسیر کے لیے مدینۂ منورہ جانا ہوا اور وہاں جوارِ رسولؐ میں رہ کر قرآنِ مجید پر غور و فکر کی سعادت نصیب ہوئی۔

اِس طرح کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ مدینۂ منورہ سے واپسی پر میں پھر "فی ظلال القرآن" کے ترجمہ و تحشیہ کے کام میں مصروف ہو گیا۔ مگر احباب کا اصرار ہوا کہ میں کتاب کو جلد مکمل کروں، بالآخر میں نے "قرآنی اصطلاحات اور استاذ حسن ہضیبیؒ" کے عنوان کے تحت ایک مقالہ لکھنا شروع کیا۔ خیال تھا کہ یہ ایک مختصر مقالہ ہوگا مگر اندازہ ہوا کہ استاذ حسن ہضیبیؒ کے ساتھ انصاف کا تقاضا ہے کہ اُن کی تصریحات کو تفصیل کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔ مقالے میں مولانا مودودیؒ سے اُن کے اختلاف پر بھی گفتگو ہے، ایک مقام پر راقم الحروف نے بھی استاذ حسن ہضیبیؒ سے اختلاف کیا ہے ۔۔ "دعاۃ لا قضاۃ" میں "اللہ کی حاکمیت" پر نفیس بحثیں تھیں، اُن کا عطر اس مقالہ میں آگیا ہے۔

"اسلامی حکومت" اور اس کی فرضیت، اہمیت اور افادیت پر بھی "دعاۃ لا قضاۃ" میں قیمتی مباحث میں، "اسلامی حکومت اور استاذ حسن ہضیبیؒ" میں اِن بحثوں کو سمو لیا گیا ہے۔

عصرِ حاضر کے عظیم قرآنی محقق مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نزدیک "اللہ کی حاکمیت" کو صفاتِ الٰہی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اِس سلسلے میں ان کی ایک مختصر اصولی کتاب "فِیْ مَلَکُوْتِ اللّٰہِ" ہے۔ "اللہ کی حاکمیت اور مولانا حمید الدین فراہیؒ" کا مقالہ اِسی کتاب سے مرتب کیا گیا ہے۔

کتاب و سنت اور سلفِ صالحین کی تصریحات کا مفہوم سمجھنے سمجھانے کے سلسلے میں پوری احتیاط برتی ہے، تاہم بہ تقاضائے بشریت غلطی ہو سکتی ہے۔ غلطی پر متنبہ کرنے پر مصنف شکر گزار ہوگا۔

کتاب کے مسودے کی کتابت کے بعد متعدد اکابر اہلِ علم کی مزید تصریحات نظر سے گزریں جن کے کتاب میں مندرج نہ ہونے پر افسوس ہے۔ موقع ملا تو آئندہ کسی ایڈیشن میں ضمیمہ کے طور پر اِن تصریحات کو جمع کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ!

میں جذبۂ شکر و سپاس اور عجز و نیاز مندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوں کہ اُس نے مجھ ناکارہ سے اپنی کتاب اور اپنے دین کی کچھ خدمت لے لی۔ جس خدا نے یہ توفیق بخشی اُسی سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اِسے قبول فرمائے، اپنے بندوں کے لیے اسے ہدایت و قرآن فہمی کا ذریعہ بنائے، اس کے ذریعہ گمراہیوں اور فتنوں کو دور فرمائے، مصنف کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اسے مصنف کی مغفرت و نجات کا بہانہ بنائے! آمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

حامد علی

میران پور کٹرہ، ضلع شاہجہانپور یوپی

جمعہ ۱۶ ؍ جمادی الآخرۃ ۱۴۰۸ھ

۵ ؍ فروری ۱۹۸۸ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”رب“ کا مفہوم

”رب“ قرآنِ مجید کی ایک اہم بنیادی اصطلاح ہے، قرآن مجید کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے اور سورۂ فاتحہ کا آغاز اِس آیت سے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (فاتحہ، ۱) شکر و ثنا اللہ رب العالمین کے لیے!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہ رہا ہے کہ ”اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا ”رب“ ہے“ چنانچہ سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ، آیت ۲۱)

اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے قبل کے لوگوں کو بھی، امید ہے کہ تم (خدا کے عذاب سے) بچ سکو گے۔

اہلِ کتاب کے سامنے قرآنِ مجید نے جو ”مشترک بنیادی امر“ ــ کلمۂ سواء ــ رکھا اور جسے پورے خلوص کے ساتھ اپنانے کی دعوت دی وہ یہ تھا :-

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاۗءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آلِ عمران، ۶۴)

کہو! اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں تو اگر وہ اعراض کریں تو کہو، گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں۔

اللہ کے سوا کسی کو ”رب“ بنانا قرآن کی نظر میں شرک ہے، چنانچہ اہلِ کتاب کے مشرکانہ جرائم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا :-

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ ، ۳۱)

بنایا تھا۔

"رب" کا کیا مفہوم ہے اور اللہ کو "رب" بنانے اور کسی اور کو "رب" نہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟ یہ چیز دین میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اِس میں ذرا سی غلط فہمی سے انسان توحید کے بجائے شرکِ جلی کے راستہ پر پڑ سکتا ہے، آئیے، اربابِ لغت اور مفسّرینِ عظام سے یہ معلوم کریں کہ "رب" کے لغوی معنیٰ کیا ہیں اور کتاب وسنت میں اس کا کیا مفہوم ہے۔

عربی زبان کی مستند ترین لغت "لسان العرب" میں "رب" کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:-

الرّبّ هو الله عزّ وجلّ، هو ربّ كلِّ شيئٍ اى مالكهُ وله الرّبوبيّة على جميع الخلق لا شريك له وهو ربّ الارباب ومالك الملك والاملاک...... وربّ کل شیئٍ مالکه ومستحقه وقیل صاحبه ویقال فلان رب هذا اى ملكه له وكل من ملك شيئًا فهو ربّهٗ يقال هو ربّ الدابّة وربّ الدار وفلان ربّ البيت...... وفى حديث اشراط الساعة وان تلد الامة ربّها او ربّتها. قال الرّبّ يطلق فى اللّغة على المالك والسيد والمدبر والمربى والقيم والمنعم...... وقوله عزّ وجلّ انّه ربّى احسن مثواىَ قال الزجاج ان العزيز صاحبى

"رب" اللہ عزّ وجل ہے، وہ ہر شے کا رب یعنی مالک ہے، تمام مخلوقات کی مالکیت اسی کے لیے ہے، (مالکیت میں) کوئی اُس کا شریک نہیں، وہ مالکوں کا مالک اور بادشاہوں اور اَملاک کا مالک ہے..... اور ہر شے کا "رب" وہ ہے جو اس کا مالک اور مستحق ہے اور کہا گیا کہ جو اُس کا صاحب ہو۔ کہا جاتا ہے، "فلاں اس شے کا رب ہے" یعنی اس کی ملکیت اس کے لیے ہے، اور جو کسی شے کا مالک ہو وہ اس کا رب ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ "رَبُّ الدَّابَّہ" (چوپایہ کا مالک) ہے، "رَبُّ الدَّار" (گھر کا مالک) ہے اور فلاں "رَبُّ الْبَیْتِ" (گھر کا مالک) ہے اور قیامت کی شرطوں کی حدیث میں ہے کہ باندی اپنے "رب" (مالک) یا رَبَّہ (مالکہ) کو جنے گی۔ "رب" عربی زبان میں مالک، سردار، منتظم، مُربّی، نگراں اور

احسن مثوای قال ویجوز ان یکون اللہ ربی
احسن مثوای والعباد مربوبون للہ
عزوجل ای مملوکون ابن الانباری
الرب ینقسم علی ثلاثۃ اقسام یکون الرب
المالک ویکون الرب السید المطاع قال
اللہ فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ای سیدہ ویکون
الرب المصلح وربّ الشیئ اذا اصلحہ
. . . وفی حدیث ابن عباس مع ابن
زبیر رضی اللہ عنہم لان یربنی بنو عمی
احب الی من ان یربنی غیرھم ای یکونون
علیّ امراء وسادۃ متقدمین. . . . .
(لسان العرب لفظ "رب")

محسن کو کہتے ہیں . . . . اللہ نے فرمایا "یوسفؑ
نے کہا" "وہ میرا "رب" ہے اس نے میرا ٹھکانا
اچھا کیا" زجاج نے کہا، یعنی "عزیز مصر میرا مالک
ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا" اور یہ بھی جائز
ہے کہ مطلب یہ ہو کہ "اللہ میرا "رب" (مالک)
ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا". . . . . اور
بندے اللہ عزّوجل کے "مربوب" یعنی "مملوک"
ہیں . . . . . ابن الانباری نے کہا، "رب"
کی تین قسمیں ہیں، "رب" مالک کو کہتے ہیں،
"رب" سردار کو کہتے ہیں جس کی اطاعت
کی جائے" اللہ نے فرمایا "تو وہ اپنے "رب"
کو شراب پلائے گا" یعنی اپنے سردار کو اور
"رب" "مصلح" کو کہتے ہیں، "ربَّ الشیئ"
کے معنی ہیں، "اس نے اس چیز کی اصلاح کی"
. . . . اور عبداللہ بن عباسؓ کی عبداللہ بن
زبیرؓ کی گفتگو میں ہے "میرے "رب" میرے
چچازاد بھائی ہوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت
اس کے کہ غیر لوگ میرے "رب" ہوں یعنی وہ
میرے امیر اور سردار ہوں جو آگے رہیں۔

صاحبِ "لسان" کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ "رب" کے معنیٰ ہیں مالک، حاکم
اور اصلاح، پرورش اور نگرانی کرنے والا اور مالک اور حاکم اِس کا غالب مفہوم ہے۔

عربی زبان کی ایک اور مستند لغت "القاموس" میں ہے:-

الرب باللام لا یطلق لغیر اللہ عزّوجل

"الرب" الف لام کے ساتھ اللہ عزّوجل کے

کے سوا کسی اور کے لیے نہیں بولا جاتا اور کبھی اسے

وقد یخفف والاسم الربابة بالکسر والربوبیة بالفتح ورب کل شیئ مالکه ومستحقه او صاحبه جمع ارباب وربوب (القاموس، ص۳۹، لفظ رب)

مخفف کر دیا جاتا ہے اور اسم ربابۃ اور ربوبیۃ ہے اور کسی شے کا "رب" وہ ہوتا ہے جو اس کا مالک، مستحق یا صاحب (آقا) ہو، جمع ارباب اور ربوب۔

القاموس کی شرح اور مشہور و معروف عربی لغت "تاج العروس" میں ہے:۔

الرب هو الله عزّوجلّ وهو ربّ کلّ شیئ ای مالکه وله الربوبیة علی جمیع الخلق لا شریک له وهو رب الارباب ومالک الملوک والاملاک، قال ابو منصور والرب یطلق فی اللغة علی المالک والسید والمدبر والمربی والمتمّم، باللام لا یطلق لغیر الله عزّوجل وفی نسخة علی غیر الله عزّوجل الا بالاضافة ای اذا اطلق علی غیره اضیف فقیل ربّ کذا قال ویقال الرب لغیر الله وقد قالوا فی الجاهلیة للملک .....

(تاج العروس ص۲۶۰)

"الرب" اللہ عزوجل ہی ہے اور وہ ہر شے کا رب یعنی مالک ہے اور اس کی ربوبیت ہر شے پر ہے کوئی اس کا شریک نہیں، تو وہ رب الارباب اور بادشاہوں اور املاک کا مالک ہے، ابو منصور نے کہا عربی زبان میں "رب" کا اطلاق مالک، سردار، منتظم، مربی اور تکمیل کرنے والے پر ہوتا ہے الف لام کے ساتھ اس کا اطلاق اللہ عزوجل کے سوا کسی پر نہیں ہوتا اور ایک نسخہ میں ہے، اللہ عزوجل کے سوا کسی پر نہیں ہوتا مگر اضافت کے ساتھ، یعنی اللہ کے سوا کسی اور کے لیے اس کا اطلاق ہو تو کہا جائے گا رب کذا (فلاں چیز کا رب) اور کہا جاتا ہے کہ "الرب" کا اطلاق غیر اللہ کے لیے بھی ہوتا ہے اور زمانہ جاہلیت میں بادشاہ کو "الرب" کہتے تھے۔

ورب کل شیئ مالکه ومستحقه وصاحبه یقال فلان رب هذا الشیئ ای ملکه له وکل من ملک شیئا فهو ربه یقال هو ربّ الدابة وربّ الدار وفلانة ربة البیت وهن ربات الحجال وفی

اور ہر شے کا "رب" وہ ہوتا ہے جو اس کا مالک اور مستحق اور صاحب ہو۔ کہا جاتا ہے فُلَانٌ رَبُّ هٰذَا الشَّيْءِ یعنی اس شے کی ملکیت اس کے لیے ہے اور جو شخص کسی چیز کا مالک ہو تو وہ اس کا رب ہے، کہا جاتا ہے رَبُّ الدَّابَّةِ (چوپایہ کا مالک)

حدیث اشراط الساعة ان تلد الامة ربتها او ربها، اراد به المولیٰ وفی حدیث اجابة الدعوة اللّٰهم رب هذه الدعوة ای صاحبها وفی حدیث ابی هریرة لا یقل المملوک لسیده ربی کره ان یجعل مالکه ربًّا له لمشارکة اللّٰه فی الربوبیة۔

(تاج العروس، ص۲۶۰)

رَبُّ الدَّارِ (گھر کا مالک)، فُلَانَةٌ رَبَّةُ الْبَيْتِ فلاں گھر کی مالکہ ہے، هُنَّ رَبَّاتُ الْحِجَالِ اور قیامت کی شرائط کی حدیث میں ہے اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا اَوْ رَبَّهَا۔ یہاں "رب" سے مراد مالک و آقا ہے (باندی اپنے آقا کو جنم دے گی) اور اجابت دعوت کی حدیث میں ہے اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدعوة (اے اللہ اس پکار ـ اذان ـ کے رب) یعنی پکار والے اور ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ غلام اپنے آقا کو "رب" نہ کہے، آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے مالک کو "رب" بنائے کیونکہ ربوبیت میں اللہ سے مشابہت ہو جائے گی۔

اِن اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ "رب" کا غالب مفہوم مالک اور حاکم کا ہے۔

اِمام ابن جریر طبریؒ کی تفسیر امّ التفاسیر خیال کی جاتی ہے، لغوی، نحوی اور ادبی تحقیقات کے اعتبار سے بھی اور آثار وصحابہؓ وتابعین اور اقوال علمائے سلف کو جمع کرنے کے پہلو سے بھی امام طبریؒ سورہ فاتحہ کی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر کے ذیل میں "رب" کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:۔

وَاَمَّا تَأْوِيْلُ قَوْلِهٖ "رَبِّ" فَاِنَّ الرب فی کلام العرب منصرف علی معانٍ فالسیدُ المطاع فیهم یدعیٰ ربًّا ومن ذلک قول لبید بن ربیعة.... یعنی برب کندة سید کندة ومنه قول نابغة..... والرجل المصلح للشیٔ یدعیٰ ربًّا ومنه قول الفرزدق بن غالب

اللہ کے قول "رب" کا مفہوم کیا ہے؟ "رب" کلامِ عرب میں مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہ سردار جس کی اطاعت کی جائے اُسے "رب" کہا جاتا ہے۔ اِس مفہوم میں لبید بن ربیعہ کا یہ شعر ہے.... (اس شعر میں) "ربِ کندہ" سے مراد کندہ کا سردار ہے اور اسی مفہوم میں نابغہ کا یہ شعر ہے...... اور جو شخص کسی شے کا مصلح ہو اُسے "رب"

... والمالك للشیئ يدعى ربه .....
فربنا جل ثناءه السيد الذي لا شبه
له ولا مثل في سودده والمصلح امر خلقه
بما اسبغ عليهم من نعمه والمالك الذي
له الخلق والامر والذي قلنا في تاويل
قوله جل ثناءه رب العالمين جاءت
الرواية عن ابن عباس حدثنا ابو كريب
قال حدثنا عثمان بن سعيد قال حدثنا
بشر بن عمارة قال حدثنا ابو روق عن
الضحاك عن ابن عباس قال قال جبريل
لمحمد يا محمد قل الحمد لله الذي
له الخلق كله السماوات كلهن
ومن فيهن والارض كلهن ومن
فيهن وما بينهما مما نعلم ومما
لا نعلم، يقول اعلم يا محمد ان
ربك هذا لا يشبهه شيئ
(تفسیر ابن جریر طبریؒ، جلد اول)

کہا جاتا ہے اور اسی مفہوم میں فرزدق بن غالب کا
شعر ہے .... اور کسی شے کا مالک کو اس کا "رب" کہا
جاتا ہے .... تو ہمارا رب — جس کی ثنا بہت بڑی
ہے — ایسا سردار (حاکم) ہے جس کا کوئی مُشابہ
نہیں ہے اور نہ سرداری (حاکمیت) میں کوئی اس
کے مثل ہے اور وہ اپنی مخلوق کے معاملات کی اصلاح
کرنے والا ہے اپنی نعمتوں کا ان پر اتمام کر کے اور
وہ ایسا مالک ہے جس کے لیے تخلیق بھی ہے اور
حاکمیت بھی۔ اور ہم نے اللہ جلّ ثنارہ کے ارشاد
"رب العالمین" کی تفسیر میں جو کچھ کہا ہے عبداللہ
بن عباسؓ کی روایت کے مطابق ہے، ابو کریب
نے ہم سے بیان کیا، کہا عثمان بن سعیدؓ نے ہم سے
کہا، کہا بشر بن عمارہ نے ہم سے کہا، کہا ابو روق
نے ضحاک سے اور انھوں نے ابن عباسؓ سے
روایت کیا کہ جبریلؑ نے محمدؐ سے کہا، اے محمدؐ کہو،
حمد ہے اللہ کے لیے، جس کے لیے ساری مخلوق
ہے سب آسمان اور جو کچھ آسمانوں میں ہے سب
اس کا ہے، سب زمینیں اور جو کچھ اُن میں ہے اور
جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے مابین ہے، جنھیں ہم
جانتے ہیں اور جنھیں ہم نہیں جانتے، سب اس کا
ہے، اے محمدؐ! جان لو کہ تمھارے اس "رب"
کے مشابہ کوئی شے نہیں۔

گویا حدیثِ نبوی، آثارِ صحابہؓ اور لغتِ عرب، سب کی روشنی میں "رب" کے معنی ہیں حاکم، فرماں روا

مالک اور مُصلح و پروردگار۔

امام زمخشریؒ کی تفسیر "الکشاف" کا تفاسیر میں ایک اہم مقام ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے محتاط عالمِ دین نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں بالالتزام اس کے حوالے دیے ہیں۔ علامہ زمخشریؒ "رب" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

الرّبّ المالک ومنہ قول صفوان لابی سفیان لان یربّنی رجل من قریش احب الیّ من ان یربنی رجل من ہوازن۔۔۔۔ ولم یطلقوا الرب الا فی اللہ تعالیٰ وحدہ وھو فی غیرہ علی التقیید بالاضافۃ کقولھم ربّ الدار ورب الناقۃ وقولہ تعالیٰ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ

(کشاف، جلد اوّل، صفحہ ۲۳)

"رب" کے معنیٰ ہیں، "مالک" اور اسی مفہوم میں صفوان نے ابوسفیان سے کہا تھا "قریش کا کوئی آدمی میرا رب ہو، یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ ہوازن کا کوئی آدمی میرا رب ہو۔۔۔۔ اور اہلِ عرب "الرب" کا استعمال صرف اللہ کے لیے کرتے ہیں، غیر اللہ کے لیے اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں "ربّ الدار" (گھر کا مالک)، رب الناقہ (اونٹنی کا مالک) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "یوسفؑ نے کہا) اپنے "رب" کے پاس جاؤ"۔ "وہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا"۔

گویا امام زمخشریؒ کے نزدیک "رب" کے معنیٰ ہیں مالک"۔

حافظ امام ابن کثیرؒ کا مقام ایک محدث، مفسر اور مورخ کی حیثیت سے بہت بلند ہے، وہ "رب" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

والربّ ھو المالک المتصرف ویطلق فی اللغۃ علی السید وعلی المتصرف للاصلاح وکل ذلک صحیح فی حق اللہ تعالیٰ ولا یستعمل الربّ لغیر اللہ بل بالاضافۃ تقول ربّ الدار

"رب" تصرف کرنے والے مالک کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں اُس کا اطلاق سردار پر اور اصلاح کے لیے تصرف کرنے والے پر ہوتا ہے اور یہ تمام مفہوم اللہ کے حق میں صحیح ہیں اور "الرب" کا استعمال غیر اللہ کے لیے نہیں ہوتا، ہاں اضافت کے ساتھ

ورب کذا واما الرّبّ فلا یقال الّا لله عزّوجلّ

ہوتا "رب کذا" (فلاں شے کا مالک) لیکن "الرّبّ" اللہ عزّوجل کے سوا کسی اور کے لیے بولا نہیں جاتا۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد اول، سورۂ فاتحہ)

یعنی امام ابن کثیرؒ کے نزدیک "رب" کے تین معنیٰ ہیں، مالک، حاکم اور مُصلح، اور اللہ ان تینوں معنیٰ میں ہمارا "رب" ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو ایک "کلمۂ سوار" کی طرف دعوت دی :۔

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ٥

(آلِ عمران، ٦٥)

کہو! اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں (مشترک) ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ایک دوسرے کو "رب" نہ بنائیں تو اگر وہ منہ موڑیں تو کہو، گواہ رہو، ہم تو مسلم ہیں۔

اِس آیت کی اہمیت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے قیصرِ روم وغیرہ کو جو دعوتی خطوط بھیجے، اُن میں اسلامی دعوت کی ترجمانی کے لیے اِس آیت کا انتخاب کیا اور اِسی پر اکتفا کیا۔ اِس پہلو سے اِس آیت کی بنیادی اہمیت ہے۔۔ علامہ زمخشریؒ اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :۔

یَعْنِیْ تعالوا الیھا حتّٰی لا نقول عزیر ابن اللہ ولا المسیح بن اللہ لانّ کلّ واحد منھما بشر مثلنا ولا نطیع احبارنا فی ما احدثوا من التحریم والتحلیل غیر رجوع الی ماشرع اللہ کقولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰھًا وَّاحِدًا وعن عدی

مراد یہ ہے کہ اِس کلمۂ سوار کی طرف آؤ یہاں تک کہ ہم عزیرؑ کو ابن اللہ نہ کہیں اور نہ مسیحؑ کو اللہ کا بیٹا کہیں کیونکہ اُن میں سے ہر ایک ہم ہی جیسے انسان ہیں اور اپنے علمار کی اطاعت اس تحلیل و تحریم میں نہ کریں جو انھوں نے اللہ کی شریعت کی طرف رجوع کیے بغیر کی ہے جس طرح کہ اللہ نے (سورۂ توبہ میں) فرمایا :۔ انھوں نے اپنے علمار و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور مسیحؑ بن مریم کو،

بن حاتم مَا کُنَّا نَعبُدُھُم یارسول اللہ قَالَ الیس کانوا یحلون لکم ویحرمون فتاُخذُون بقولھم قال نعم قال ھوذاک

(کشاف، جزثالث، تفسیر آل عمران)

حالانکہ انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک ''الٰہ'' کی عبادت کریں، اور عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے، انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے، فرمایا کیا وہ تمھارے لیے چیزوں کو) حلال وحرام نہیں کرتے تھے تو تم اُن کے قول کو اختیار کر لیتے تھے، انھوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، بس یہی اُن کی عبادت ہے۔

معلوم ہوا کہ خدا کی شریعت سے آزاد تحلیل وتحریم اور قانون سازی کو تسلیم کرنا ایسے لوگوں کو ''الٰہ'' اور ''رب'' بنانا ہے اور یہ فعل ان کی ''عبادت'' ہے جو صریح شرک ہے۔

امام نسفیؒ اپنی تفسیر ''مدارک التنزیل'' میں اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(قُل یَا اَھلَ الکِتَابِ) وھم اَھلُ الکِتَابَینِ او وفد نجران او یہود المدینۃ (تَعَالَوا اِلیٰ کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ) مستویۃٍ بَینَنَا وَبَینَکُم لَا یَختَلِفُ فِیھَا القُرآنُ والتوراۃ والانجیل وتفسیر الکلمۃ قولہ اَلَّا نَعبُدَ اِلَّا اللہَ وَلَا نُشرِکَ بِہٖ شَیئاً وَّلَا یَتَّخِذَ بَعضُنَا بَعضاً اَربَاباً مِّن دُونِ اللہِ یعنی تعالوا الیھا حتّٰی لانقول عزیر بن اللہ ولا المسیح بن اللہ لانّ کل واحد منھما بعضنا بشر مثلنا ولا نطیع احبارنا فی ما احدثوا من التحریم والتحلیل من غیر رجوع الی ما شرع اللہ ؕ عن عدی بن حاتم ما کنا نعبدھم یارسول

قُل یَا اَھلَ الکِتَابِ میں ''اہلِ کتاب'' سے مراد دونوں کتابوں ۔ تورات اور انجیل ۔ کے ماننے والے ہیں یا نجران کا وفد ہے یا مدینہ کے یہود ہیں۔ ''کلمۂ سواء'' سے مراد وہ مشترک اور یکساں بات ہے جس میں قرآن، تورات اور انجیل کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے اور ''کلمۂ سواء'' کی تشریح اللہ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے اَلَّا نَعبُدَ اِلَّا اللہَ ۔۔۔ اَربَاباً مِّن دُونِ اللہِ یعنی اِس مشترک بات کی طرف آؤ یہاں تک کہ ہم عزیرؑ کو ابن اللہ اور مسیحؑ کو خدا کا بیٹا نہ کہیں کیونکہ اُن میں سے ہر ایک ہم ہی جیسے انسان ہیں اور ہم اپنے علماء کی اطاعت اس تحریم وتحلیل میں نہ کریں جو انھوں نے اللہ کی شریعت کی طرف رجوع کیے بغیر

اللہ قال الیس کانوا یحلون لکم ویحرمون فتأخذون قال نعم قال ھو ذاک
(مدارک التنزیل، تفسیر سورۂ آل عمران)

اپنے طور پر کی ہے۔ اور عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے، انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ! ہم ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، فرمایا، کیا وہ تمہارے لیے (چیزوں کو) حلال اور حرام نہیں کرتے تھے اور تم اس کو اختیار کر لیتے تھے، انھوں نے کہا، ہاں، آپؐ نے فرمایا یہی ان کی عبادت ہے۔

امام نسفیؒ نے وہی بات کہی ہے جو علامہ زمخشریؒ نے کہی ہے اور انہی الفاظ میں کہی ہے۔

آخری دور کی تفاسیر میں "روح المعانی" ایک اہم اور جامع تفسیر ہے، اس میں تصوف کی چاشنی بھی موجود ہے، صاحبِ "روح المعانی" اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

(وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ) ای لا یطیع بعضنا بعضاً فی معصیۃ اللہ تعالیٰ قالہ ابن جریج ویؤیدہ ما اخرجہ الترمذی وحسنہ من حدیث عدی بن حاتم انہ لما نزلت ھذہ الآیۃ قال ما کنا نعبدھم یارسول اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم اما کانوا یحلون لکم ویحرمون فتاخذون بقولھم قال نعم فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ھو ذاک قیل والی ھذا اشار سبحانہ بقولہ عز من قائل (اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ) وعن عکرمۃ ان ھذا الاتخاذ ھو سجود بعضھم لبعض . . . .

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہم میں سے ایک آدمی دوسرے کی اطاعت نہ کرے، یہ ابن جریجؒ کا قول ہے اور اس کی تائید اُس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام ترمذیؒ نے عدیؓ بن حاتم سے روایت کیا اور حسن قرار دیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا وہ تمھارے لیے (چیزوں کو) حلال اور حرام نہیں کرتے تھے تو تم ان کے قول کو اختیار کر لیتے تھے، انھوں نے کہا، ہاں! آپؐ نے فرمایا بس یہی اُن کی عبادت ہے، کہا جاتا ہے، اسی بات کی طرف اللہ عزوجل نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے، اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ

..... (روح المعانی، جزء ثالث تفسیر سورۂ آل عمران) — اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور عکرمہؓ سے مروی ہے کہ "رب" بنانے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے تھے ....

اگرچہ صاحبِ "روح المعانی" نے عکرمہؓ کے حوالے سے "رب" بنانے کا مطلب یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے تھے مگر حدیثِ نبویؐ اور کلامِ الٰہی کے حوالے سے انھوں نے وہی تفسیر بیان کی ہے جو علامہ زمخشریؒ اور امام نسفیؒ نے کی ہے اور آگے آپ دیکھیں گے کہ صاحبِ "روح المعانی" نے بھی اِسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ کی "تفسیرِ کبیر" اہم تفاسیر میں شمار ہوتی ہے اپنی اِس تفسیر میں امام رازیؒ اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

واما انھم اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہ فیدل علیہ وجوہ احدھا انھم کانوا یطیعونھم فی التحلیل والتحریم والثانی انھم کانوا یسجدون لاحبارھم والثالث قال ابومسلم من مذھبھم ان من صار کاملاً فی الریاضۃ والمجاھدۃ یظھر فیہ اثر حلول اللاھوت فیقدر علی احیاء الموتیٰ وابراء الاکمہ والابرص وھم وان لم یطلقوا علیہ لفظ الرب الا انھم اثبتوا فی حقہ معنی الربوبیۃ والرابع انھم کانوا یطیعون احبارھم فی المعاصی ولا معنی للربوبیۃ الا ذٰلک ونظیرہ قولہ تعالیٰ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ۔

یہ بات کہ انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا "رب" بنالیا تھا تو یہ بات کئی طور پر ہے۔ ایک یہ کہ وہ تحلیل و تحریم میں ان کی اطاعت کرتے تھے، دوسرے یہ کہ وہ اپنے علماء کے حضور سجدہ ریز ہوتے تھے۔ تیسری بات، ابومسلم نے کہا، ان کا مسلک یہ تھا کہ جو شخص ریاضت و مجاہدہ میں کامل ہو جائے اُس کے اندر لاہوت کے حلول کے اثرات ظاہر ہو جاتے تھے تو وہ مردوں کو زندہ کرنے اور اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے پر قادر ہو جاتا تھا، اگرچہ وہ اس پر لفظِ "رب" کا اطلاق نہیں کرتے تھے لیکن اس کے لیے 'ربوبیت' کا مفہوم ثابت کرتے تھے اور چوتھی بات یہ کہ وہ معاصی میں اپنے علماء کی اطاعت کرتے تھے اور 'ربوبیت' کا اس

. . . . وایضاً اذا کان الخالق والمنعم لجمیع النعم، ھو اللہ وجب ان لا یرجع فی التحلیل والتحریم والانقیاد والطاعۃ الا الیہ دون الاحبار والرھبان
(تفسیر کبیر، تفسیر آل عمران)

کے سوا کوئی مفہوم نہیں ہے اور اس کی نظیر اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے "کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنا خدا اپنے ہوائے نفس کو بنا لیا ہے۔" . . . . . .
. . . . اور جب خالق اور تمام نعمتوں کا بخشنے والا صرف اللہ ہے تو ضروری ہے کہ تحلیل، تحریم، اتباع اور اطاعت کے لیے صرف اُس کی طرف رجوع کیا جائے نہ کہ علماء و مشائخ کی طرف۔

معلوم ہوا کہ امام رازیؒ کے نزدیک تحلیل و تحریم اور خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اُسے "رب" اور "الٰہ" بنانا ہے اور اللہ ہی خالق و مُنعم ہونے کی بنا پر اس کا مستحق ہے کہ تحریم و تحلیل اور اطاعت و اتباع کا واحد مرجع ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے مُشرکانہ جرائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ
(توبہ، ۳۱)

انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا "رب" بنا رکھا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں صرف اِس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ ایک "الٰہ" کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی "الٰہ" نہیں، وہ پاک ہے اُس "شرک" سے جو وہ کرتے ہیں۔

اِس آیت میں "الٰہ" "رب" "عبادت" اور "شرک" کا کیا مفہوم ہے آیئے مفسرین عظام سے معلوم کریں ـــــ تفسیر ابن جریر طبریؒ میں ہے:۔

اَلْقَوْلُ فِیْ تَاوِیْلِ قَوْلِہٖ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ . . . . . . عَمَّا یُشْرِکُوْنَ، یَقُوْلُ جَلَّ ثَنَاءُہٗ اتخذ الیھود احبارھم وھم العلماء . . . .

اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ . . . . . عَمَّا یُشْرِکُوْنَ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ جل ثناء ٗہ فرماتا ہے کہ یہود نے اپنے احبار کو اور وہ ان کے

والنصاریٰ رهبانهم وهم اصحاب الصوامع واهل الاجتهاد فی دینهم منهم کما حدثنا ابن وکیع... عن الضحاک اتخذوا احبارهم ورهبانهم قال قراءهم وعلماءهم اربابا من دون الله یعنی سادة لهم من دون الله یطیعونهم فی معاصی الله فیحلون ما احلوه لهم فی ما قد حرمه الله علیهم ویحرمون ما یحرمونه علیهم مما قد احله الله لهم........

علماء ہیں...... اور نصاریٰ نے اپنے رُہبان کو، اور وہ ان میں سے اصحابِ خانقاہ اور ان کے دین کے مجتہدین ہیں جیسا کہ ابن وکیع نے (سند کے ساتھ) ضحاک سے روایت کیا کہ انھوں نے اپنے احبار اور رُہبان یعنی قراء اور علماء کو ارباب من دون اللہ یعنی اللہ کے بجائے اپنا سردار بنا لیا جن کی وہ اللہ کی نافرمانیوں میں اطاعت کرتے تو وہ ان چیزوں کو جو اللہ نے ان کے لیے حرام ٹھہرائی ہیں ان کے لیے حلال کرتے اور جن چیزوں کو اللہ نے ان کے لیے حلال کر رکھا تھا انھیں ان پر حرام کرتے.....

اِس کے بعد اس مفہوم کی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:۔

حدثنا ابن وکیع... عن الربیع بن انس عن ابی العالیة..... قال قلت لابی العالیة کیف کانت الربوبیة التی فی بنی اسرائیل قال ما امرونا به ائتمرنا وما نهونا عنه انتهینا لقولهم وهم یجدون فی کتاب الله ما امروا به ونهوا عنه فاستنصحوا الرجال ونبذوا کتاب الله وراء ظهورهم حدثنی بشر بن سوید..... عن حذیفة اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابًا من دون الله قال لم یعبدوهم ولکنهم اطاعوهم فی المعاصی

ہم سے ابن وکیع نے بیان کیا (سند کے ساتھ) ربیع بن انس سے، انھوں نے ابو العالیہ سے اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا کے سلسلہ میں؛ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا، بنی اسرائیل میں جو (غیر اللہ کی) "ربوبیت" تھی، اس کی نوعیت کیا تھی، انھوں نے کہا، (علماء و مشائخ) جو کچھ ہمیں حکم دیتے اس پر ہم عمل کرتے اور جس چیز سے روکتے ان کے کہنے سے اس سے رک جاتے حالانکہ اللہ کی کتاب میں وہ ان کاموں کو پاتے تھے جن کے کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا اور جن سے انھیں روکا گیا تھا تو وہ انسانوں کے وفادار ہو گئے اور انھوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔ مجھ سے بشر بن سوید نے بیان کیا (سند کے ساتھ)

(تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر سورۂ توبہ)

حذیفہؓ سے اتخذوا احبارھم الآیہ کے سلسلے میں کہ انھوں نے ان کی پرستش نہیں کی بلکہ اللہ کی نافرمانیوں میں ان کی اطاعت کی۔

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے نزدیک علماء و مشائخ کو "الٰہ" اور "رب" بنانے اور ان کی "عبادت" کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ علماء و مشائخ کی تحلیل و تحریم کو، جو کتاب اللہ سے آزاد یا اس کے خلاف ہوتی، صحیح تسلیم کر لیتے اور اللہ کی نافرمانیوں میں ان کی اطاعت کرتے۔

علاّمہ زمخشریؒ "کشاف" میں فرماتے ہیں :-

اتخاذھم اربابا انھم اطاعوھم فی الامر بالمعاصی وتحلیل ماحرم اللہ وتحریم ماحللہ کما یطاع الارباب فی اوامرھم ونحوہ تسمیۃ اتباع الشیطان فی ما یوسوس بہ عبادۃ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ، یَا اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ) وَعَنْ عدی بن حاتم انتہیت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذھب فقال الیسوا یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ ویحلون ما حرمہ فتحلونہ قلتُ بلی قال فتلک عبادتھم

(تفسیر کشاف، تفسیر سورۂ توبہ)

ان کا اپنے علماء و مشائخ کو "رب" بنانا یہ تھا کہ انھوں نے معاصی کا حکم کیا اور انھوں نے اطاعت کی، اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو انھوں نے حلال کیا اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور انھوں نے اس میں ان کی اطاعت کی جیسا کہ حکام کے احکام کی اطاعت کی جاتی ہے اور اسی طرح کی بات یہ ہے کہ شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے ان کی پیروی کو (قرآن میں) "عبادت" کہا گیا ہے "(بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے"، "اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر" اور عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور اُس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپؐ نے فرمایا، کیا یہ لوگ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کرتے اور تم انھیں حرام تسلیم کر لیتے اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتے اور تم انھیں حلال مان لیتے، میں نے کہا ہاں! آپؐ

نے فرمایا: یہی ان کی "عبادت" ہے۔

علامہ زمخشریؒ نے قرآنِ مجید کی آیات پیش کر کے یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کو شیطان کی "عبادت" کہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو تحریم وتحلیل کا حق دینے کو "عبادت" فرمایا ہے، یہ بات عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح ہے۔

امام حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وقوله اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ روى الامام احمد والترمذي وابن جرير من طرق عن عدي بن حاتم رضي الله عنه انه لما بلغته دعوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فرّ الى الشام وكان قد تنصّر في الجاهلية فأسرت اخته وجماعة من قومه ثم منّ رسول الله صلى الله عليه وسلم على اخته واعطاها فرجعت الى اخيها فرغبته في الاسلام وفي القدوم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فتقدم عديؓ الى المدينة وكان رئيسا في قومه طيئ وابوه حاتم الطائي المشهور بالكرم فتحدث الناس بقدومه فدخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي عنق عدي

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ الآیہ اس کے سلسلے میں امام احمدؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابن جریرؒ نے متعدد سندوں سے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو وہ شام کی طرف بھاگ گئے ــــ عدی زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے ــــ ان کی بہن اور ان کے قبیلہ کا ایک گروہ گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپؐ نے ان کی بہن پر احسان کیا اور انھیں عطیات بخشے تو عدی کی بہن اپنے بھائی کی طرف گئیں اور انھیں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی ترغیب دی تو عدی جو اپنی قوم طے کے سردار تھے اور ان کے والد حاتم طائی مشہور سخی تھے، مدینہ آئے تو لوگوں میں ان کی آمد کا چرچا ہوا، عدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئے تو عدی کے گلے میں چاندی کی صلیب تھی۔ جب عدیؓ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت

صلبب من فضة وهو يقرء هذه الآية (اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ) قال فقلت انهم لم يعبدوهم فقال بلى انهم حرموا عليهم الحلال واحلوالهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم اياهم ...... وهكذا قال حذيفة بن اليمان وعبد الله بن عباس وغيرهما فى تفسير (اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ) انهم اتبعوهم فى ما حللوا وحرموا وقال السدى استنصحوا الرجال ونبذوا كتاب الله وراء ظهورهم ولهذا قال تعالى (وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا) اى الذى اذا حرم الشيئ فهو حرام وما حلله فهو الحلال وما شرعه اتبع وما حكم به نفذ ....

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر توبہ)

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے، عدیؓ نے کہا، میں نے عرض کیا، انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی، آپ نے فرمایا، کیوں نہیں کی، انھوں نے ان کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا تو انھوں نے (اس معاملہ میں) ان کی پیروی کی، یہی ان کی عبادت ہے ...... اور اسی طرح کی بات حذیفہ بن یمان اور عبداللہ بن عباس وغیرہ نے اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر کے سلسلے میں کہی ہے کہ انھوں نے ان کے حلال و حرام کرنے کے معاملہ میں ان کی پیروی کی۔ سدی نے کہا، انھوں نے انسانوں کی وفاداری اختیار کی اور اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ اسی واسطے اللہ نے فرمایا کہ "انھیں اِس کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ "الٰہ واحد" کی "عبادت" کریں" یعنی اُس کی، جو کسی شے کو حرام کر دے تو حرام ہو جائے اور حلال کر دے تو حلال ہو جائے اور حکم دے تو وہ نافذ ہو ......

اِس اقتباس سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے نزدیک خدا کے سوا کسی کے لیے تحلیل و تحریم کے اختیارات تسلیم کرنا اسے "رب" بنانا ہے اور یہ فعل اس کی "عبادت" کے مترادف ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ "الٰہ" وہ ہوتا ہے جسے تحلیل و تحریم کے اختیارات ہوں اور جس کا حکم واجب النفاذ ہوتا ہو۔

امام رازیؒ "تفسیر کبیر" میں اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ تعالیٰ وصف الیہود
والنصاریٰ بضرب آخر من الشرک
بقولہٖ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ بْنَ
مَرْيَمَ .... الاکثرون من
المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب
انہم اعتقدوا فیہم انہم آلہۃ العالم
بل المراد انہم اطاعوہم فی اوامرہم
ونواہیہم، نقل ان عدی بن حاتم
کان نصرانیا فانتہیٰ الی رسول اللّٰہ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو یقرء سورۃ
البراءۃ فوصل الی ھذہ الآیۃ
اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، قَالَ فَقُلْتُ لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ
فقال الیس یحرمون ما احل اللّٰہ فتحرمونہ
ویحلون ما حرم اللّٰہ فتستحلونہ فقلت
بلیٰ قال فتلک عبادتہم، قال الربیع
قلت لابی العالیۃ کیف کانت تلک الربوبیۃ
فی بنی اسرائیل فقال انہم ربما
وجدوا فی کتاب اللّٰہ ما یخالف اقوال
الاحبار والرہبان فکانوا یاخذون
باقوالہم وما کانوا یقبلون حکم
کتاب اللّٰہ تعالیٰ.... وحاصل

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ایک
اور قسم کے شرک کو بیان کیا اور فرمایا اِتَّخَذُوْٓا
اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ..... اکثر مفسرین
نے کہا، "رب" بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان
کے بارے میں ان کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ دنیا کے خدا
ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ انھوں نے ان کے اوامر و نواہی
میں ان کی اطاعت کی۔ نقل کیا جاتا ہے کہ عدی بن حاتم
عیسائی تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس پہنچے۔ اس وقت آپ سورۂ برارت (توبہ)
تلاوت کر رہے تھے، آپ جب آیت اِتَّخَذُوْٓا
اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ تک پہنچے تو عدی کا بیان ہے کہ انھوں نے کہا،
ہم تو ان (علما و مشائخ) کی "عبادت" نہیں کرتے
تھے۔ آپ نے فرمایا، کیا ایسا نہیں تھا کہ جن چیزوں کو اللہ
نے حلال قرار دیا ہے انھیں وہ حرام کر دیتے تو تم انھیں
حرام مان لیتے تھے اور جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا
ہے انھیں وہ حلال کر دیتے اور تم انھیں حلال
مان لیتے، تو میں نے کہا، ہاں، آپ نے فرمایا، یہی
ان کی عبادت ہے۔ ربیع نے کہا، میں نے ابوالعالیہؒ
سے کہا "رب" بنانے کی بات بنی اسرائیل میں
کس طرح کی تھی۔ انھوں نے کہا، وہ کتاب اللہ
میں بسا اوقات وہ باتیں پاتے جو اُن کے علما رو

الکلام یحتمل ان یکون المراد منہا انہم قبلوا انواع الکفر فکفروا باللہ فصار ذلک جاریاً مجری انہم اتخذوہم ارباباً من دون اللہ ویحتمل انہم اثبتوا فی حقہم الحلول والاتحاد وکل ھٰذہ الامور مشاھد وواقع فی ھٰذہ الاُمّۃ
(تفسیر کبیر، تفسیر سورۂ توبہ)

مشائخ کے اقوال کے خلاف ہوئیں تو وہ علماء و مشائخ کے اقوال کو اختیار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حکم کو قبول نہیں کرتے تھے .... اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انھوں نے مختلف نوع کی کفریات قبول کرلی ہوں تو انھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہو تو یہ اس بات کے ہم معنیٰ سمجھ لی گئی ہو کہ انھوں نے "ارباب من دون اللہ" بنا لیے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے حق میں انھوں نے خدا کے حلول اور اتحاد کو ثابت کیا ہو۔ اور یہ تمام امور اس امت میں واقع ہو رہے ہیں اور نظر آرہے ہیں۔

آخری دو باتوں کا تو امام رازیؒ نے بطور احتمال کے ذکر کیا ہے، ورنہ ان کی صراحت کے بموجب اکثر مفسرین نے آیت کا مفہوم یہی سمجھا ہے کہ یہود و نصاریٰ کتاب الٰہی کو نظر انداز کرکے اپنے علماء و مشائخ کے ان اقوال کو اختیار کیے ہوئے تھے جو شریعتِ الٰہی کے خلاف تھے؛ یہی ان کو "رب" بنانا تھا اور یہی اُن کی "عبادت" تھی اور یہی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور تابعین سے منقول ہے ـــ امام رازیؒ کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے زمانے میں بھی امتِ مسلمہ میں ہر طرح کا "شرک" موجود تھا۔

مشہور مفسر ابوالسعودؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

(اِتَّخَذُوْا) زیادۃ تقریر لما سلف من کفرہم باللہ تعالیٰ (احبارھم) وھم علماء الیہود..... (ورھبانہم) وھم علماء النصاریٰ من اصحاب الصوامع .... (اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ)

اِتَّخَذُوْا ـــ یہ اللہ کے ساتھ ان کے گزشتہ بیان کردہ کفر کا مزید بیان ہے۔ اَحْبَارَھُمْ ـــ اور وہ یہود کے علماء ہیں ..... وَرُھْبَانَھُمْ اور وہ علمائے نصاریٰ ہیں عبادت گاہوں والے .... اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ـــ اس طرح

بِاَنْ اَطَاعُوْهُمْ فی تحریم ما احلہ اللہ تعالیٰ وتحلیل ما حرمہ او بالسجود لہم ونحوہ تسمیۃ اتباع الشیطان عبادۃ لہ فی قولہ تعالیٰ یَا اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ وقولہ تعالیٰ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ قال عدیؓ بن حاتم اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِیْ عُنُقِیْ صَلِیْبٌ مِنْ ذَهَبٍ ...... وَهُوَ یَقْرَءُ سورۃ براءۃ فقال یاعدی اطرح ھذا الوثن فطرحتہ فلما انتہیٰ الی قولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ قلت یارسول اللہ لم یکونوا یعبدونہم فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ ویحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ فقلت بلیٰ قال ذٰلک عبادتہم قال الربیع قلت لابی العالیۃ کیف کانت تلک الربوبیۃ فی بنی اسرائیل قال انہم ربما وجدوا فی کتاب اللہ ما یخالف اقوال الاحبار فکانوا یاخذون باقوالہم ویترکون کتاب اللہ

کہ ان کے علماء و مشائخ کے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنے اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے کے معاملہ میں انھوں نے ان کی اطاعت کی یا انھیں سجدہ کیا۔ اور اسی طرح کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کو اس کی "عبادت" کہا ہے "یَا اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ (اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر) اور بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (اور وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے)۔ عدیؓ بن حاتم نے کہا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اُس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب پڑی تھی ....
.... آپ سورہ براءت پڑھ رہے تھے، آپؐ نے فرمایا، اس بُت کو اُتار پھینکو، میں نے اُسے اُتار پھینکا، آپ سورت پڑھتے پڑھتے جب آیت اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ الآیۃ تک پہنچے تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول، وہ اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرتے تو تم بھی انھیں حرام سمجھ لیتے اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیتے تو تم بھی انھیں حلال قرار دے لیتے میں نے کہا، ہاں، ایسا تو تھا، آپؐ نے فرمایا، یہی اُن کی عبادت ہے، ربیعؒ نے کہا میں نے ابو العالیہؒ سے پوچھا، بنی اسرائیل میں "رب"

....	بنانے کی صورت کیا تھی، انھوں نے کہا: وہ بسا اوقات
(تفسیر ابی السعود، تفسیر سورۂ توبہ)	کتاب اللہ میں علماء کے اقوال کے خلاف پاتے تو علماء کے اقوال کو اختیار کر لیتے اور کتاب اللہ کے احکام کو ترک کر دیتے۔

مفسر ابو السعودؒ نے بھی وہی بات کہی ہے جو دوسرے مفسرین نے کہی ہے یعنی کسی شخص کو تحلیل و تحریم کا حق دینا اور کتاب اللہ اور احکام الٰہی کے خلاف کسی کی اطاعت کرنا اسے "رب" اور "الٰہ" بنانا ہے اور یہ فعل "عبادت" شمار ہوگا۔

صاحب "روح المعانی" اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ) زيادة تقرير لما سلف من كفرهم بالله تعالى..... (اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ) بان اطاعوهم في تحريم ما احل الله تعالى وتحليل ما حرمه سبحانه وهو التفسير المأثور عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد روى الثعلبي وغيره عن عدي بن حاتم قال اتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي عنقي صليب من ذهب فقال يا عدي اطرح عنك هذا الوثن وسمعته يقرء في سورة براءة اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فقلت يا رسول الله لم يكونوا يعبدونهم فقال عليه الصلوٰة والسلام اليس يحرمون	اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ — یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن کے کفر کا، جس کا ذکر گزر چکا، مزید بیان ہے...... اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اس طرح کہ ان کے علماء و مشائخ نے اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو جو حرام کیا تھا اور حرام کی ہوئی چیزوں کو جو حلال کیا تھا، اس میں انھوں نے ان کی اطاعت کی اور یہی آیت کی وہ تفسیر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ چنانچہ ثعلبی وغیرہ نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، آپؐ نے فرمایا، اے عدیؓ اس بت کو اپنے گلے سے اُتار پھینکو اور میں نے انھیں سورۂ براءۃ میں آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ الآیۃ پڑھتے سنا، میں نے کہا

ما احل اللہ تعالیٰ فیحرمونہ ویحلون ما احرم اللہ فیستحلون فقلت بلیٰ قال ذلک عبادتہم وسئل حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن الآیۃ فقال بمثل ما ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونظیر ذلک قولہم فلان یعبد فلانًا اذا افرط فی طاعتہ فہو استعارۃ بتشبیہ الاطاعۃ بالعبادۃ او مجاز مرسل باطلاق العبادۃ وہی طاعۃ مخصوصۃ علی مطلقہا والاوّل ابلغ وقیل اتخاذہم اربابًا بالسجود لہم ونحوہ مما لا یصلح الا للربّ عزّ وجلّ وحینئذ فلا مجاز الّا انّہ لا مقال لاحد بعد صحّۃ الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والآیۃ ناعیۃ علی کثیر من الفرق الضالّۃ الذین ترکوا کتاب اللہ تعالیٰ وسنّۃ نبیّہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بکلام علماءہم ورؤسائہم والحق احقّ بالاتّباع فمتیٰ ظہر وجب علی المسلم اتّباعہ وان اخطأہ اجتہاد مقلّدہٖ

(تفسیر روح المعانی، تفسیر سورۂ توبہ)

اے اللہ کے رسول، وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا، کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرتے تو لوگ انھیں حرام سمجھ لیتے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتے تو وہ انھیں حلال سمجھ لیتے، میں نے کہا، ہاں! آپؐ نے فرمایا، بس یہی ان کی عبادت ہے۔ اور حذیفہ رضؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بھی اسی طرح کی بات کہی جس طرح کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی کسی شخص کی اطاعت میں حد سے بڑھ جائے تو عرب کہتے ہیں کہ ”فلاں فلاں کی عبادت کرتا ہے۔“ یہ استعارہ ہے اور اس میں اطاعت کو عبادت سے تشبیہ دی گئی ہے یا مجاز مرسل ہے کہ عبادت کا، جو مخصوص اطاعت ہے، اِطلاق مطلق اطاعت پر کیا گیا۔ اور پہلی صورت زیادہ بلیغ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اُن کو ”رب“ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ علماء و مشائخ کو سجدے وغیرہ کرتے جو ”رب“ عزّ وجل ہی کے لیے صحیح ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت منقول ہو جانے کے بعد کسی کے لیے گفتگو کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے اور آیت میں اُن بہت سے گمراہ فرقوں کی مذمت ہے جنھوں نے

اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنّت کو اپنے علماء اور
سرداروں کے اقوال کی خاطر چھوڑ دیا ہے حالانکہ حق
پیروی کا زیادہ حق دار ہے اور جب حق واضح ہو جائے
تو مسلمان پر اس کا اتباع فرض ہے، اگرچہ وہ جس کی
تقلید کر رہا ہے اس کی نگاہ اس تک نہ پہنچتی ہو۔

اِس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آیت کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حذیفہ رضؓ جیسے صحابیٔ رسولؐ سے منقول ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کو تحریم و تحلیل کا حق دینا اور خدا کی نافرمانی میں اُس کی اطاعت کرنا اُسے "رب" بنانا ہے اور یہ فعل اس کی "عبادت" کے مترادف ہے۔ رہی یہ بات کہ "رب" اور "عبادت" کا یہ حقیقی مفہوم ہے یا مجازی تو یہ بات "لسان العرب"، "قاموس" اور "تاج العروس" وغیرہ سے واضح ہو چکی کہ "رب" کا حقیقی اور اوّلین مفہوم مالک اور حاکم کا ہے اور اس مفہوم میں یہ لفظ قرآنِ مجید میں بہت استعمال ہوا ہے، اسی طرح "عبادت" کی بحث میں یہ بات آ چکی اور آئندہ ابواب میں بہت وضاحت سے آئے گی کہ اس کا مجازی نہیں حقیقی مفہوم بندگی، غلامی اور اطاعت ہے۔

صاحبِ "روح المعانی" نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ جو لوگ اپنے علماء و مشائخ اور اپنے مجتہدین کے اقوال و کردار کو کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ پر ترجیح دیتے ہیں، وہ گمراہ ہیں۔ مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ حق کا، جو کتاب و سنّت سے واضح ہو، اتباع کرے اور اندھی تقلید کا شکار ہو کر حق کو ترک نہ کرے ـــ افسوس آج عوام ہی نہیں، علماء تک اِس مرض میں مبتلا ہیں اور جو شخص اس مرض کی نشان دہی کرے اور اسے گمراہی بتائے، اسے یہ علماء اپنے فتووں سے گمراہ ثابت کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

قرآن مجید کا اُردو میں سب سے قدیم اور سب سے مستند ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے صاحبزادے تھے، معنوی لطافتوں، زبان کی نزاکتوں ادبی خوبیوں اور قرآنی مطالب کی ادائیگی کے لحاظ سے کوئی اُردو ترجمہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے ترجمۂ قرآن میں "رب" کا ترجمہ عموماً "رب" کیا ہے کیونکہ اُردو میں

کوئی ایسا جامع لفظ موجود نہیں ہے جو "رب" کے پورے مفہوم کو ادا کر سکے لیکن انھوں نے "رب" کا ترجمہ دوسرے الفاظ سے بھی کیا ہے، ان میں سب سے زیادہ انھوں نے "صاحب" کا لفظ استعمال کیا ہے جو مالک و آقا کے معنی میں آتا ہے[1] مثلاً :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (فاتحہ، ۱) — سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا

سورۂ بقرہ میں ہے :-

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (بقرہ، ۱۳۱) — جب اس کو کہا، اُس کے رب نے حکم بردار ہو، بولا، میں حکم میں آیا، جہان کے صاحب کے۔

سورۂ توبہ کے آخر میں ہے :-

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝

(توبہ، ۱۲۹)

شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ اِس طرح کرتے ہیں :-

"پھر اگر وہ پھر جائیں تو تو کہہ، بس ہے مجھ کو اللہ، کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور وہی ہے صاحب بڑے تخت کا۔"

سورۂ شعرا میں ہے :-

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (شعرار، ۱۶)

اِس کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے اِس طرح کیا ہے :-

"سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو، ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا"

پھر چند آیات کے بعد ہے :-

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (شعرار، ۲۳تا۲۶)

---

[1] میرے سامنے تاج کمپنی لاہور کا شائع کردہ قرآن مجید ہے جس میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ ہے اور حاشیہ پر ان کی تفسیر "موضح القرآن" بھی۔

شاہ صاحبؒ اِس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

"بولا فرعون، کیا معنیٰ، جہان کا صاحب، کہا، صاحب آسمان وزمین کا اور جو اُن کے بیچ ہے، اگر تم یقین کرو، بولا اپنے گرد والوں، تم نہیں سنتے ہو، کہا صاحب تمہارا اور صاحب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔"

سورہ صافات میں ہے :۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (صافات، ۱۸) ـــ شاہ صاحبؒ اِس کا ترجمہ فرماتے ہیں :۔

"پاک ذات ہے تیرے رب کی، عزّت کا صاحب، پاک ہے ان باتوں سے جو کرتے ہیں۔"

صاحب کے معنیٰ "مالک" کے ہیں۔ سورہ بقرہ کے آخر میں ہے :۔

أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (بقرہ، ۲۸۶)	تو ہمارا صاحب ہے، مدد کر ہماری قوم کافر پر

یہاں صاحب "مولیٰ" کا ترجمہ ہے جس کے معنیٰ ہیں "مالک"۔

سورہ حج کے آخر میں ہے :۔

فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝	سو خوب صاحب ہے اور خوب مددگار۔

اِس آیت میں بھی "صاحب" "مولیٰ" کا ترجمہ ہے جس کے معنیٰ ہیں "مالک" "سرپرست"

شاہ عبدالقادرؒ نے "رب" کا ترجمہ جگہ جگہ "مالک" بھی کیا ہے مثلاً

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ (مومنون، ۸۶)

شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :۔

"تو کہہ، کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور مالک اس بڑے تخت کا۔"

چند آیات کے بعد ہے :۔

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (۱۱۶)

شاہ صاحبؒ نے اِس کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

وہ سو بہت اوپر ہے، وہ بادشاہ سچا، کوئی حاکم نہیں اس کے سوا، مالک اُس

خاصے تخت کا۔"

یہاں شاہ صاحبؒ نے "الٰہ" کا ترجمہ "حاکم" کیا ہے اور "رَب" کا "مالک"

سورۂ یوسف میں ہے:۔

اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (۲۳) ـــــ شاہ صاحبؒ نے اِس کا ترجمہ کیا ہے:۔

"وہ عزیز، مالک ہے میرا، اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو۔"

چند آیات کے بعد ہے:۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ (۵۰)

اِس کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے یوں کیا ہے:۔

"اور کہا بادشاہ نے، لے آؤ اس کو میرے پاس، پھر جب پہنچا، اُس پاس بھیجا آدمی

کہا، پھر جا اپنے "خاوند" کے پاس۔"

"رب" کا ترجمہ "خاوند" کیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں مالک، آقا، حاکم ـــ مراد مصر کا فرماں روا ہے۔

جیساکہ آیت کے الفاظ سے بالکل واضح ہے ـــ اِس آیت سے چند آیات پہلے ہے:۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا (یوسف، ۴۱)

اے رفیقو بندی خانے کے! ایک جو ہے تم دونوں میں، سو پلاوے گا اپنے خاوند کو شراب

"رب" کا ترجمہ "خاوند" کیا ہے، جس کے معنیٰ ظاہر ہے، مالک و آقا کے ہیں۔

اِس سے اگلی آیت ہے:۔

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ؕ (یوسف، ۴۲)

اور کہہ دیا اُس کو کہ اٹکلا کر بچے گا اُن دونوں میں، میرا ذکر کریو اپنے خاوند پاس، سو بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے، پھر رہ گیا قید میں کئی برس۔

"رب" ـــ خاوند ـــ سے مراد اِس آیت میں شاہِ مصر ہے جیساکہ شاہ صاحبؒ خود

فرماتے ہیں:۔

"حضرت یوسفؑ نے اسباب کی سعی کی کہ میرا ذکر کریو بادشاہ پاس، وہ بھول گیا۔"
(تفسیر موضح القرآن)

"رب" کا ترجمہ شاہ صاحب نے "پروردگار" بھی کیا ہے، مثلاً:۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ
(توبہ، ۲۱)

خوش خبری دیتا ہے اُن کو "پروردگار" ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا۔

لیکن "رب" کا ترجمہ "پروردگار" انھوں نے کم ہی کیا ہے۔

بیہقیٔ ہند مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ کی "تفسیر مظہری"، ہندوستان کی مشہور تفاسیر میں ہے ہمارے سامنے اُس کا اُردو ترجمہ ہے جو ہندوستان کے معروف مفسر اور بہت سی حدیث کی کتابوں کے مترجم مولانا سید عبدالدائم جلالیؒ نے کیا ہے۔ اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ کی تفسیر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:۔

"رب قرار دینے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے اور علماء و فقراء کے احکام کو مانتے ہیں۔ ترمذیؒ نے صحیح میں اور بغوی نے حضرت عدیؓ بن حاتم کا بیان نقل کیا ہے ...."

اس کے بعد انھوں نے وہی روایت بیان کی ہے جسے تمام مفسرین نے نقل کیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مفسر، فقیہ، مُرشد اور مصلح تصوّف ہونے کی حیثیت سے موجودہ صدی کے ہندوستانی علماء میں بلند مقام رکھتے ہیں اور کچھ لوگ تو انھیں مجدّدِ وقت بلکہ "جامع المجدّدین" کہتے ہیں۔ یہ بات صحیح نہ ہو، تب بھی ان کی اصلاحی مساعی قابلِ ذکر ہیں، اور خاص بات یہ ہے کہ ان کے یہاں دین کا جامع اور وسیع تصور ملتا ہے جس پر وہ بہت زور دیتے ہیں، ان کی تفسیر "بیان القرآن" اُردو تفاسیر میں ایک اہم مقام رکھتی ہے، وہ آیت ــ اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"انھوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) خدا کی (توحید فی الطاعت) کو چھوڑ کر

نے علماء و مشائخ کو (باعتبار طاعت کے) "رب" بنا رکھا ہے (کہ ان کی اطاعت تحلیل و تحریم میں مثل اطاعتِ خدا کے کرتے ہیں کہ نص پر ان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے۔ پس اس حساب سے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں" (تفسیر بیان القرآن، تفسیر سورۂ توبہ)

کتنی صاف و صریح ہے یہ تفسیر! توحید فی العبادت کی طرح توحید فی الطاعۃ بھی ضروری ہے اور کسی کو تحلیل و تحریم کا حق دینا اور اس معاملہ میں اس کی اطاعت کرنا اُسے "رب" بنانا ہے اور یہ اطاعت "عبادت" ہے، مجازی یا جزوی عبادت نہیں، "بالکل عبادت"!

اس سے زیادہ مفصّل اور صریح بحث مولانا تھانویؒ نے قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ. کی تفسیر میں کی ہے، مولانا فرماتے ہیں:-

"اس مضمون کو مسلّم اس لیے کہا گیا کہ سب شرائع میں اس کی تعلیم ہوئی ہے اور اجمالاً اور کُلّیاً اہلِ کتاب بھی اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے اور کسی مخلوق کو "رب" قرار دینا شرک ہے، لیکن اس کے باوجود وہ لوگ شرک میں اس لیے مبتلا تھے کہ وہ اسے شرک اور خلافِ توحید نہ سمجھتے تھے۔ پس اس تقریر میں یہ لطف ہوا کہ اُن کو کلیاتِ مسلّمہ یاد دلانے کے بعد جزئیاتِ مختلف فیہا کا اِن کلیات میں داخل ہونے کا اثبات سہل ہو گیا اور وجہ اُن کے مُشرک ہونے کی یہ تھی کہ وہ بعض صفاتِ خاصہ حق تعالیٰ کو، جیسے اُلوہیت ہے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے تھے، جس کو آیت میں عبادتِ غیر اللہ کہا گیا، اِسی طرح مطاع علی الاطلاق ہونے کو، جو خواصِ باری تعالیٰ سے ہے، اپنے احبار و رہبان کے لیے مانتے تھے جس کو آیت میں ربوبیت من دون اللہ فرمایا گیا کیونکہ اُن کی تحلیل و تحریم کو، گو کہ وہ نصوصِ قطعیہ محکمہ معمولہ بالاجماع کے بھی خلاف ہو، حجت، واجب العمل سمجھتے تھے اور حقیقت شرک کی یہی ہے کہ خواصِ واجب

اور یہ جو فرمایا کہ "خدا کو چھوڑ کر"، تو اس
کو ممکن کے لیے ثابت مانا جائے . . . . . .
وجہ سے کہ احبار و رہبان کی ایسی اطاعت میں خدا تعالیٰ کے احکام متروک ہو جاتے
تھے، دوسرے اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ خدا کی توحید کو چھوڑ کر اور ظاہر ہے کہ شرک
کے ساتھ توحید چھوٹ ہی جاتی ہے۔" (تفسیر بیان القرآن، تفسیر سورۂ آلِ عمران)

مگر کتنا بڑا المیہ ہے یہ کہ یہ صاف و صریح حقیقت جس طرح اہلِ کتاب کی نظروں سے اوجھل تھی، اسی طرح ہمارے اُن علماء تک کا ذہن اس معاملہ میں صاف نہیں ہے جو خود کو "محتسبِ عصر" اور "مزاج شناسِ نبوت" خیال کرتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی، جو مولانا ابو الحسن علی ندوی کے استاذ محترم ہیں، ہندوستان کے ایک محقق عالم ہیں اور "سیرت النبی" جیسی عظیم انسائیکلوپیڈیا کے مصنف ہیں۔ "سیرت النبی"، جلد چہارم میں، جو منصبِ نبوت اور اسلامی عقائد کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے، "اللہ تعالیٰ پر ایمان" کے بڑے عنوان کے تحت "حرام و حلال کرنا خدا کا کام ہے" کی سُرخی کے تحت رقم طراز ہیں:-

"شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیشوایانِ مذہبی کو تحریم و تحلیل کا مجاز سمجھتے تھے یعنی وہ جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں اور جس چیز کو چاہیں، حلال ٹھہرا دیں۔ قرآنِ مجید میں جب یہ آیت اُتری:-

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا (توبہ، ۵)
ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔

تو حضرت عدیؓ نے، جو حاتم طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم لوگ اپنے پیشوایانِ مذہبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس کو چاہیں حرام کر دیں، عرض کی کہ ہاں، آپ نے فرمایا، یہی رب بنانا ہے[۱]۔ عموماً اہلِ مذاہب پیغمبروں کو شارعِ مستقل سمجھتے ہیں لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، شریعت کی تاسیس،

۱؎ جامع ترمذی و ابن کثیر، تفسیر آیتِ مذکور

حلال و حرام کی تعیین، جائز، جائز و ناجائز کی تفریق، امر و نہی کے احکام، یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، پیغمبر مُبلّغ اور پیغام رساں اور تعلیمِ الٰہی سے اِن احکام کے شارح اور بیان کرنے والے ہیں، اِسی بنا پر قرآنِ مجید میں ذاتِ نبوی کی صفتِ رسالت کو بار بار تاکید اور اِصرار کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے . . . .۔"

(سیرت النبی، جلد چہارم ط۳۲۹ طبع پنجم)

مولانا امین احسن اصلاحی ان خوش قسمت افراد میں سے ہیں جن کو مولانا محمد منظور نعمانی نے علم و تقویٰ کی سند عطا کی ہے اور جن کی تفسیر "تدبر قرآن" کو انھوں نے اُردو کی بہترین تفسیروں میں شمار کیا ہے۔ مولانا اصلاحی کے بعض افکار و خیالات سے اختلاف کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ "تدبّر قرآن" اُردو کی بہترین تفسیروں میں سے ہے۔ یہ تفسیر — جیسا کہ مولانا امین احسن صاحب نے صراحت کی ہے، قرآنِ مجید کے عظیم مفسّر و محقق مولانا حمید الدین فراہیؒ کے تدبّرِ قرآن کا نچوڑ ہے — اور مولانا فراہیؒ جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں — مولانا اصلاحی سورہ آلِ عمران کی مذکورہ بالا آیت قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"توحید کے متعلق قرآن مجید کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے درمیان یکساں مشترک و مسلّم ہے، قرآن نے اِسی مشترک کلمہ کو بنیاد قرار دے کر اُن سے بحث کا آغاز کیا ہے کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مشترک حقیقت ہے تو موازنہ کرو کہ اِس قدرِ مشترک کے معیار پر قرآن اور اسلام پورے اُترتے ہیں یا یہودیت اور نصرانیت . . . . . قرآن نے ان کو دعوت دی کہ یہ بات — ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں مسلّم ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی کی بندگی کی جائے، نہ اس کا کسی کو ساجھی ٹھہرایا جائے، اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب ٹھہرائے، پھر اس مسلّم و مشترک حقیقت کے برخلاف تم نے خدا کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیوں بنا رکھا ہے اور اپنے احبار و رہبان اور فقیہوں، صوفیوں کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا درجہ کیوں دے دیا . . . . . اِس آیت میں یہ جو بات آئی ہے کہ "ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے"، اس کی وضاحت

دوسرے مقام میں ہوئی ہے کہ اہلِ کتاب نے اِس ہدایت کے برخلاف اپنے احبار و رہبان کو رب بنالیا۔[1] اس پر بعض اہلِ کتاب کی طرف سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ "ہم احبار و رہبان کو رب تو نہیں مانتے، حضورؐ نے جواب میں فرمایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جس چیز کو وہ حرام ٹھہرادیں تم اس کو حرام ٹھہرادیتے ہو اور جس چیز کو حلال ٹھہرادیں اس کو حلال، سائل نے اقرار کیا کہ یہ بات تو ہے، آپؐ نے فرمایا کہ یہی ان کو رب بنانا ہے اور جب اِس طرح کسی کی اطاعت کی جائے کہ اس کے لیے تحریم و تحلیل کا حق تسلیم کرلیا جائے تو درحقیقت یہ چیز اس کی عبادت کرنے کے ہم معنیٰ ہے، اگرچہ بظاہر اس کو سجدہ و رکوع کیا جائے یا نہ کیا جائے، آیت کے آخر میں یہ بات بھی واضح فرمادی کہ اگر یہ اہلِ کتاب توحید کی اِس مشترک حقیقت کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو تم ان کو صاف صاف سُنادو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مُسلم ہیں۔ یہ گواہ رہو کے الفاظ بطور اظہارِ براءت ہیں یعنی سُن رکھو اور اِس بات کے گواہ رہو کہ ہم نے تمھیں پوری وضاحت کے ساتھ سُنادیا تھا، اب کل کو خدا کے حضور ساری ذمہ داری تمہاری ہے۔ ہم اپنا فرض ادا کرچکے ہیں، بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ سے اِس حقیقت کی طرف اشارہ ہورہا ہے کہ یہی توحید اس سپردگی اور حوالگی کی روح ہے جس سے اسلام عبارت ہے اور جو اصل مطلوب و مقصود ہے، جس کو یہ توحید حاصل نہیں اس کو اسلام حاصل نہیں اور جس کو اسلام حاصل نہیں اس کو خدا حاصل نہیں۔"

(تدبرِ قرآن، جلد اوّل صفحہ ۷۱۴ تا ۷۱۶)

اللہ کی کتاب، لغتِ عرب اور مفسرینِ عظام کی تصریحات۔ ـــ یہ بات واضح ہوگئی کہ توحید کی اصل روح کیا ہے۔ شرک کسے کہتے ہیں، تحلیل و تحریم کا اسلام میں کیا مقام ہے اور کسی کو "رب" اور "الٰہ" بنانے اور کسی کی "عبادت" کرنے کا کیا مطلب ہے ـــ مزید تفصیل "الٰہ" اور "عبادت" کے ذیل میں آئے گی ـــ امید ہے کہ یہ وضاحت اہلِ حق کے لیے کافی ہوگی اور وہ کسی فتنہ کا شکار نہ ہوں گے۔

---

[1] سورۂ توبہ، آیت ۳۱، اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

"الٰہ" کا مفہوم

لفظ "الٰہ" کے معنیٰ عام طور پر "پرستش کا مستحق" کیے جاتے ہیں۔ "پرستش کا مستحق" "الٰہ" کے مفہوم میں داخل ہے لیکن یہ اُس کا کُل مفہوم ہرگز نہیں ہے۔ گزشتہ مباحث میں مفسّرین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ "الٰہ" وہ ہے جسے تحلیل و تحریم کا حق ہو اور جس کی شریعت اور احکام کی پیروی کی جائے۔ یہی نہیں، قرآن مجید کی بعض آیات ایسی ہیں جن میں "اِلٰہ" کا ترجمہ "پرستش کا مستحق" کیا ہی نہیں جا سکتا مثلاً :۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝

(فرقان، ۴۳)

کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنا "الٰہ" اپنی ہوائے نفس کو بنا لیا ہے، کیا تم اُس کے ذمّہ دار ہو سکتے ہو۔

علامہ زمخشری اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ مَنْ كَانَ فِي طَاعَةِ الْهَوٰى فِي دِيْنِهٖ يَتَّبِعُهٗ فِي كُلِّ مَا يَأْتِي وَيَذَرُ لَا يَتَبَصَّرُ دَلِيلًا وَلَا يُصْغِي إِلَى بُرْهَانٍ فَهُوَ عَابِدُ هَوَاهُ وَجَاعِلُهُ إِلٰهَهُ فَيَقُولُ لِرَسُولِهٖ هٰذَا الَّذِي لَا يَرَى مَعْبُودًا إِلَّا هَوَاهُ كَيْفَ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَدْعُوَهُ إِلَى الْهُدٰى أَفَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَتُجْبِرُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ

(تفسیر سورۂ فرقان)

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ــــ جو شخص اپنے دین کے معاملہ میں خواہشِ نفس کا پیرو ہو اور جو کچھ کرتا اور چھوڑتا ہو اس میں خواہشات کا متبع ہو۔ نہ وہ کسی دلیل پر غور کرتا ہو اور نہ کسی بُرہان پر کان لگاتا ہو وہ اپنی خواہش کا پرستار ہے اور اس نے اس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اللہ اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ یہ وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کے سوا کوئی معبود نہیں پاتا تو آپ کس طرح اُسے ہدایت کی طرف دعوت دے سکیں گے، کیا ایسے شخص پر آپ بھروسہ کر سکتے ہیں اور اسے اسلام پر مجبور کر سکتے ہیں۔

یعنی جو شخص ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے وہ ہوائے نفس کو اپنا "الٰہ" بناتا ہے، ظاہر ہے کہ ہوائے نفس کی پرستش نہیں، پیروی کی جاتی ہے، گویا ہر وہ شے "الٰہ" ہے جس کا انسان اتباع کرے، خدا کی اطاعت کرے تو خدا اس کا "اِلٰہ"، خواہشِ نفس کی پیروی کرے تو خواہشِ نفس اس کی "الٰہ" ہے۔

امام حافظ ابن کثیرؒ اِس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ) ای مہما استحسن من شیئ ورآہ حسناً من ھویٰ نفسہ کان دینہ ومذھبہ کما قال تعالیٰ (اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ) الآیۃ ولھذا قال ھٰھنا (اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْهِ وَکِیْلًا) قال ابن عباس کان الرجل فی الجاھلیۃ یعبد الحجر الابیض زماناً فاذا رأیٰ غیرہ احسن منہ عبد الثانی وترک الاوّل

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۂ فرقان)

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ یعنی جب وہ اپنی خواہشِ نفس سے کسی شے کو پسند کرتا اور اسے اچھا سمجھتا ہے تو وہی اس کا دین اور مسلک بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَفَمَنْ زُیِّنَ ..... مَنْ یَّشَآءُ (تو کیا وہ شخص جسے اُس کے بُرے اعمال خوش نما بنا دیئے گئے ہو تو وہ انھیں اچھا سمجھتا ہو وہ گمراہی سے بچ سکتا ہے، بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے) اور اسی لیے یہاں فرمایا کہ (کیا تم ان کے ذمہ دار ہو سکتے ہو) عبداللہ بن عباسؓ نے کہا، زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص سفید پتّھر کی پرستش کرتا رہتا توجب اس سے اچھا پتّھر دیکھ لیتا تو اس کی پوجا شروع کر دیتا اور پہلے پتّھر کو چھوڑ دیتا۔

گویا وہ بتوں کے نہیں، خواہشاتِ نفس کے پرستار تھے، جب تک ان کے جی میں آیا، ایک پتّھر کو خدا بنا لیا، جب جی میں آیا اسے چھوڑ کر دوسرے پتّھر کی پرستش شروع کر دی، یہی حال ان کی پوری زندگی کا تھا، وہ فی الواقع خواہشاتِ نفس کے پیرو تھے اور خواہشات اُن کی "اِلٰہ"۔

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

والمعنیٰ انہٗ سبحانہ بیّن انّ بلوغ ھٰؤلاء فی جہالتہم واعراضہم عن الدلائل انّما کان لاستیلاء التّقلید علیہم وانّہم اتّخذوا اھوائہم الٰھۃ فکل مادعاہم الہویٰ الیہ انقادوا لہ سواء منع الدلیل منہ اولم یمنع..... اتّخذ الٰہہ ھواہ معناہ اتّخذ الٰہہ ما یہواہ.... قولہ اتّخذ الٰہہ ھواہ ویفید الحصر ای لم یتّخذ لنفسہ الٰھا الّا ھواہ

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۂ فرقان)

اور معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ سبحانہٗ نے بیان فرمایا کہ ان کا جہالت کے سلسلے میں اتنا آگے بڑھ جانا اور دلائل سے اِس حدتک اعراض کرنا صرف اس لیے ہے کہ تقلید اُن پر مسلّط ہے اور انھوں نے اپنی خواہشات کو خدا بنالیا ہے تو وہ ہر چیز جس کی طرف خواہش دعوت دے اس کے مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں خواہ دلیل اس سے روکے یا نہ روکے..... اِتَّخَذَ اِلٰہَہٗ ھَوَاہُ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ انھوں نے اپنا خدا اُسے بنایا جسے انھوں نے چاہا..... اِتَّخَذُوْا اِلٰہَہٗ ھَوَاہُ حصر کو مفید ہے یعنی انھوں نے ہوائے نفس کے سوا کسی کو معبود نہیں بنایا۔

یعنی مشرکین کا اصل شرک یہ تھا کہ انھوں نے ہوائے نفس کو اپنا خدا بنا رکھا تھا' بس یہی اُن کا اصل خدا تھا، باقی ان کے جتنے خدا تھے وہ ان کی ہوائے نفس کی تخلیق تھے، اصلاً وہ ہوائے نفس کے پرستار تھے۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی طویل تفسیر کی گئی ہے جو کچھ غیر متعلق حصّوں کو چھوڑ کر درج ذیل ہے:۔

...... ای رأیت الذی جعل ھواہ الٰھا لنفسہ بان اطاعہ وبنیٰ علیہ امر دینہ معرضا عن استماع الحجۃ الباھرۃ وملاحظۃ البرھان النیر بالکلیۃ علی معنی انظر الیہ وتعجب منہ...... واخرج

یعنی تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہوائے نفس کو اپنے لیے خدا بنا رکھا ہے اس طرح کہ اس نے اس کی اطاعت کی اور اسی پر اپنے دینی امور کی بنیاد رکھی اور واضح حجت کو سننے اور روشن دلیل کو دیکھنے سے بالکل منہ موڑ لیا، اس مفہوم میں کہ اسے دیکھو اور اس پر تعجب کرو.....

ابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی الله عنہما انہ قال فی الآیۃ کلما ھوی شیئا رکبہ وکلما اشتہی شیئا اتاہ ولا یحجزہ عن ذلک ورع ولا تقویٰ فالآیۃ شاملۃ لمن عبد غیر الله تعالیٰ حسب ھواہ واطاع الھوی فی سائر المعاصی وھو الذی یقتضیہ کلام الحسن فقد اخرج عنہ عبد بن حمید انہ قیل لہ افی اھل القبلۃ شرک فقال نعم المنافق مشرک ان المشرک یسجد للشمس والقمر من دون الله تعالیٰ وان المنافق عبد ھواہ ثم تلا ھذہ الآیۃ، المنافق عند الحسن مرتکب المعاصی کما ذکرہ غیر واحد من الاجلۃ وقد اخرج الطبرانی وابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی امامۃ رضی الله عنہ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ما تحت ظل السماء من الٰہ یعبد من دون الله تعالیٰ اعظم عند الله عزوجل من ھوی یتبع[1]

اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کے سلسلے میں کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا خواہش مند ہوتا ہے اس کا ارتکاب کر ڈالتا ہے اور جس چیز کو اس کا دل چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے، اس چیز سے اسے نہ ورع روکتا ہے، نہ تقویٰ، پس آیت میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو اپنی خواہش کے مطابق غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور تمام نافرمانیوں میں ہوائے نفس کی اطاعت کرتے ہیں اور یہی کلام حسنؒ کا مقتضا معلوم ہوتا ہے چنانچہ عبد بن حمیدؒ نے ان سے روایت کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا اہل قبلہ میں بھی شرک ہے انھوں نے کہا، ہاں منافق مشرک ہے، مشرک اللہ تعالیٰ کے بجائے سورج اور چاند کو سجدہ کرتا ہے اور منافق اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی اور حسنؒ کے نزدیک منافق سے مراد معاصی کا ارتکاب کرنے والا ہے جیسا کہ ایک سے زیادہ بزرگوں نے اس کا ذکر کیا ہے، اور طبرانیؒ نے اور ابو نعیمؒ نے "حلیہ" میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا

[1] مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر "بیان القرآن" کے حاشیہ پر مولانا ہی کی عربی کی کتاب "مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" شائع ہوئی ہے، اس کتاب میں مولانا تھانویؒ نے (بقیہ برصفحہ ۱

ولا اکاد تسلم علی ھٰذا من عموم الاٰیۃ الا من اتبع ما اختارہ اللہ تعالیٰ لعبادہٖ وشرعہ سبحانہ لھم فی کل ما یاتی ویذر

(تفسیر روح المعانی، تفسیر سورۂ فرقان)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، آسمان کے نیچے اللہ کے سوا پوجے جانے والا کوئی "الٰہ" اللہ عزّ وجل کے نزدیک خواہشِ نفس سے بڑھ کر نہیں ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے اس مفہوم کی رو سے اِس آیت کے عموم سے صرف وہی لوگ بچ سکیں گے جو اُس طریقہ کی پیروی کریں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے اور ہر چیز کے کرنے اور چھوڑنے کے معاملہ میں اس قانون پر چلیں جو اللہ نے اُن کے لیے بنایا ہے۔

دوسرے مفسّرین کی طرح صاحبِ "روح المعانی" نے بھی یہی بات واضح کی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بھی پرستش ہو، اس کے پیچھے دراصل ہوائے نفس کی پرستش ہوتی ہے۔ تفسیر میں نقل کی ہوئی روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خدا کی بندگی کی راہ میں حائل ہونے والا سب سے بڑا جھوٹا خدا ہوائے نفس ہے جس کی عموماً پیروی کی جاتی ہے اور اِس "خدا" کی بندگی سے انسان اُسی وقت بچ سکتا ہے جبکہ وہ یکسوئی کے ساتھ خدا کی بھیجی ہوئی شریعت کی پیروی اپنے ہر قول وعمل میں کرے۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ "الٰہ" کا مجازی مفہوم ہے۔ اس کا اصل مفہوم "معبود" یا "عبادت کا مستحق" ہے۔ یہ صحیح ہے کہ "الٰہ" کے معنیٰ "معبود یا "عبادت کے مستحق" کے ہیں لیکن کیا "عبادت" کے معنیٰ صرف "پرستش" اور "معبود" کے معنیٰ "پرستش کے مستحق" کے ہیں۔ جن لوگوں کی نظر کلامِ عرب، قرآن وحدیث اور اقوالِ علمائے سلف پر نہیں ہے یا جو غیر اسلامی

(بقیہ صـ کا) قرآنِ مجید سے تصوّف کے مسائل اخذ کیے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے بھی اس آیت کے ذیل میں اِس روایت کو نقل کیا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآنی تصوّف کی اس کتاب کے نام کے لیے انھوں نے خدائے تعالیٰ کی جس صفت کا انتخاب فرمایا ہے وہ مَلِکُ الملوک ـــ شہنشاہ، مقتدرِ اعلیٰ ـــ ہے۔

تصوّف کا شکار ہیں یا تصورِ مذہب کے بارے میں مغربی افکار و نظریات سے متاثر ہیں، وہ ایسا ہی خیال کرتے ہیں، لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ "عبادت" پر تفصیلی بحث آگے آتی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ "عبادت" کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے ــــ اتنا ہی وسیع جتنا زندگی کا دائرہ وسیع ہے ــ اور اس میں پرستش، غلامی اور اطاعت، سب داخل ہیں۔ جو لوگ "عبادت" کا مفہوم صرف "پرستش" بتاتے ہیں وہ یا کم علم ہیں یا بد دیانت' وہ دین میں تحریف کر رہے ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر امت کو گمراہ کر رہے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کا اعتراض ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے خدا کی صفات میں سے اس کی صفتِ "حاکمیت" کو اور "الٰہ" اور "رب" کے مفاہیم میں سے "مقتدرِ اعلیٰ" ہونے کے مفہوم کو بنیادی اہمیت دے دی ہے اور اس طرح اسمائے حسنیٰ کے توازن اور ان کی جامعیت کو درہم و برہم کر دیا ہے اور نتیجۃً امّت کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ جہاں تک "رب" کے مفہوم کا تعلق ہے، گزشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مالک اور حاکم کا مفہوم نہ صرف یہ کہ اس میں داخل ہے بلکہ وہی اس کا غالب مفہوم ہے۔ اب آئیے دیکھیں، مولانا مودودیؒ "الٰہ" کا کیا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں :-

"اِلٰہ کے جتنے مفہومات اوپر بیان ہوئے ہیں، ان سب کے درمیان ایک منطقی ربط ہے، جو شخص فوق الطبیعی معنیٰ میں کسی کو اپنا حامی و مدد گار، مشکل کشا، حاجت روا، دعاؤں کا سننے والا اور نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھتا ہے اس کے ایسا سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک وہ ہستی نظامِ کائنات میں کسی نہ کسی نوعیت کا اقتدار رکھتی ہے، اسی طرح جو شخص کسی سے تقویٰ اور خوف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اُس کی ناراضی میرے لیے نقصان اور رضامندی میرے لیے فائدہ کی موجب ہے، اُس کے اِس اعتقاد اور اس کے عمل کی وجہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں اُس ہستی کے متعلق ایک طرح کے اقتدار کا تصور رکھتا ہے۔ پھر جو شخص خداوندِ اعلیٰ کے ماننے کے باوجود اُس کے سوا دوسروں کی طرف اپنی حاجات کے لیے رجوع کرتا ہے، اُس کے اس فعل کی علت بھی صرف

یہی ہے کہ خداوندی کے اقتدار میں وہ ان کو کسی نہ کسی طرح حصّہ دار سمجھ رہا ہے اور علیٰ ہذا القیاس وہ شخص جو کسی کے حکم کو قانون اور کسی کے امر و نہی کو اپنے لیے واجب الاطاعت قرار دیتا ہے، وہ بھی اُس کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتا ہے، پس اُلوہیت کی اصل روح اقتدار ہے، خواہ وہ اقتدار اس معنیٰ میں سمجھا جائے کہ نظامِ کائنات پر اُس کی فرماں روائی فوق الطبیعی نوعیت کی ہے یا وہ اس معنیٰ میں تسلیم کیا جائے کہ دنیوی زندگی میں انسان اس کے تحتِ امر ہے اور اس کا حکم بذاتِ خود واجب الاطاعت ہے۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۱۹، ۲۰)

اِس کے فوراً بعد مولانا مودودی "قرآن کا استدلال" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں :-

"یہی اقتدار کا تصور ہے جس کی بنیاد پر قرآن اپنا سارا زور غیر اللہ کی الٰہیت اور صرف اللہ کی الٰہیت کے اثبات پر صرف کرتا ہے۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ زمین اور آسمان میں ایک ہی ہستی تمام اختیارات و اقتدارات کی مالک ہے۔ خلق اسی کی ہے، نعمت اُسی کی ہے، امر اُسی کا ہے، قوت اور زور بالکل اُسی کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز چار و ناچار اُسی کی اطاعت کر رہی ہے، اُس کے سوا نہ کسی کے پاس کوئی اقتدار ہے نہ کسی کا حکم چلتا ہے، نہ کوئی خلق اور تدبیر اور انتظام کے رازوں سے واقف ہے اور نہ کوئی اختیاراتِ حکومت میں ذرہ برابر شریک وحصّہ دار ہے لہٰذا اس کے سوا حقیقت میں کوئی "الٰہ" نہیں ہے۔ اور جب حقیقت میں کوئی دوسرا "الٰہ" نہیں ہے تو تمہارا ہر فعل، جو تم دوسروں کو الٰہ سمجھتے ہوئے کرتے ہو، اصلاً غلط ہے، خواہ وہ دعا مانگنے یا پناہ ڈھونڈنے کا فعل ہو یا خوف و رجا کا فعل ہو، یا سفارشی بنانے کا فعل ہو یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو۔ یہ تمام تعلقات جو تم نے دوسروں سے قائم کر رکھے ہیں، صرف اللہ کے لیے مخصوص ہونے چاہییں کیونکہ وہی اکیلا صاحب اقتدار ہے۔"

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۲۰)

اِن دونوں اقتباسات کو بار بار پڑھیے۔ اُس میں اُلوہیت اور توحید کا جو تصور پیش کیا گیا

ہے، کیا عقلاً اُس میں کوئی جھول ہے ؟ کیا شرعاً اُس میں کوئی غلطی ہے ؟ کیا یہ بعینہٖ قرآن کا تصوّرِ الوہیت و توحید نہیں ہے ؟ ہر وہ شخص جس کی قرآن وحدیث پر نظر ہے، اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ قرآن وحدیث کا تصورِ اُلوہیت و توحید یہی ہے۔ لیکن اگر "مزاج شناسانِ نبوت" کو اس میں "گمراہی" نظر آتی ہے تو وہ واضح اور متعین طور پر فرمائیں کہ گمراہی کیا ہے، کہاں ہے اور کتاب و سنّت سے اُس کی ضلالت ثابت کریں، نیز وہ یہ بھی واضح فرمائیں کہ الوہیت اور توحید کا صحیح تصور کیا ہے اور اُسے کتاب و سنّت کی صریح نصوص سے ثابت کریں جیساکہ مولانا مودودیؒ نے کیا ہے اور یہ بھی بتائیں کہ مولانا مودودیؒ نے قرآنِ مجید کی بہت سی آیات درج کر کے ان کا جو مطلب بتایا ہے اس میں انھوں نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے، ورنہ کسی کے ___ خواہ وہ کتنا ہی بڑا صاحبِ علم اور "محتسبِ دوران" کیوں نہ ہو ___ محض کہنے سے کوئی شے گمراہی نہیں بن جاتی، اہلِ علم کی نظر میں ایسی باتوں کی پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں ہوتی، ہاں اس سے اس کے علم، تقویٰ، دیانت اور ظرف کا ضرور پتہ چل جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات کے بعد مولانا مودودیؒ نے چھ صفحات میں قرآن مجید کی بہت سی آیات نقل کر کے اپنے نقطۂ نظر کو ___ جو فی الحقیقت اکابرِ امت کا نقطۂ نظر ہے ___ ثابت و مُبرہَن کیا ہے۔ ہم طوالت سے بچنے کے لیے قرآنی آیات کا متن دینے کے بجائے آیات کے صرف ترجمہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔ آیات کے متن کے لیے قرآنِ مجید یا "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں"، ص ۲۱ تا ۲۶ کی طرف رجوع فرمائیں :-

> "وہی ہے جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور وہی زمین میں بھی الٰہ ہے اور وہی حکیم وعلیم ہے" (یعنی آسمان وزمین میں حکومت کرنے کے لیے جس علم اور حکمت کی ضرورت ہے وہ اسی کے پاس ہے)۔[1] (زخرف، رکوع ۷)

---

[1] اس سے اگلی آیت ہے :- "بہت بابرکت ہے وہ ذات، جس کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے مابین ہے اُس کی، اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

"تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو پیدا نہیں کرتا، دونوں یکساں ہو سکتے ہیں، کیا تمھاری سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی . . . . . خدا کو چھوڑ کر یہ جن دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ تو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، تمھارا الٰہ تو ایک ہی ہے۔"

(نحل، رکوع ۲ ۳)

"لوگو! تم پر اللہ کا جو احسان ہے، اُس کا دھیان کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، پھر تم کدھر بھٹکائے جا رہے ہو (فاطر، رکوع ۱)

"کہو! تم نے کبھی سوچا کہ اگر اللہ تمھارے سُننے اور دیکھنے کی قوتیں سلب کرے اور تمھارے دلوں پر مہر کر دے (یعنی عقل چھین لے) تو اللہ کے سوا کونسا "الٰہ" ہے جو یہ چیزیں تمھیں لا دے گا۔" (انعام، رکوع ۵)

"اور وہ اللہ ہے، کوئی دوسرا اُس کے سوا "الٰہ" نہیں ہے، اسی کے لیے تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور وہی اکیلا صاحبِ حکم و اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو، کہو تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اس کے سوا کون سا دوسرا "الٰہ" ہے جو تمھیں رات لا دے گا کہ اُس میں تم سکون حاصل کرو، کیا تمھیں نظر نہیں آتا۔" (قصص، رکوع ۷)

"کہو کہ اللہ کے سوا جن کو تم نے (خدا) سمجھ رکھا ہے، انھیں پکار دیکھو، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں، نہ آسمان و زمین کے انتظام میں ان کی کوئی شرکت ہے، نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور نہ اللہ کے ہاں کوئی سفارش کام آتی ہے، بجز اُس کے، جس کے حق میں اللہ خود ہی سفارش کی اجازت دے۔"
(سبا، رکوع ۳-۱)

"اُس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر چڑھا کر لاتا ہے، اس نے سورج اور چاند کو تابع کر رکھا ہے اور ہر ایک اپنی مدت مقرر تک چل رہا ہے . . . . . . اُس نے ایک نفس سے تمھاری پیدائش کی ابتدا کی (یعنی انسانی زندگی کا آغاز کیا) پھر اُس نفس سے اُس کا جوڑا بنایا اور تمھارے

لیے مویشیوں کے آٹھ جوڑے اتارے، وہ تمھیں تمھاری ماں کے پیٹ میں اِس طرح پیدا کرتا ہے کہ تین پردوں کے[1] اندر تمھاری تخلیق کے یکے بعد دیگرے کئی مدارج طے ہوتے ہیں، یہی اللہ تمھارا رب ہے، اقتدارِ حکومت اسی کا ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، تم کدھر پھرے جا رہے ہو۔" (زمر، رکوع ۱)

"کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر وہ خوش منظر باغ اُگائے جن کے درخت اُگانا تمھارے بس میں نہ تھا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور "الٰہ" اِن کاموں میں شریک ہے مگر یہ لوگ حقیقت سے منہ موڑتے ہیں، پھر وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اُس میں دریا جاری کیے اُس کے لیے پہاڑوں کو لنگر بنایا اور دو[2] سمندروں کے درمیان پردہ حائل کیا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ اِن کاموں میں شریک ہے، مگر اکثر مشرکین بے علم ہیں، پھر وہ کون ہے جو اضطرار کی حالت میں آدمی کی دُعا سنتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور وہ کون ہے جو تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے (یعنی تصرّف کے اختیارات دیتا ہے) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور "الٰہ" اِن کاموں میں بھی شریک ہے، مگر تم کم ہی دھیان دیتے ہو، پھر وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور تری کے اندھیاروں میں راستہ دکھاتا اور کون اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے خوش خبری لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور "الٰہ" اِن کاموں بھی شریک ہے۔ اللہ بالاتر ہے اُن کے اِس شرک سے جو یہ کرتے ہیں، پھر وہ کون ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا اور اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور "الٰہ" ان کاموں بھی شریک ہے، کہو، اگر تم اپنے شرک میں سچے ہو تو اس پر دلیل لاؤ[3]۔" (نمل، رکوع ۵)

---

[1] یعنی پردوں سے مراد پیٹ، رحم اور جھلّی ہے۔

[2] یعنی اگر تم مانتے ہو کہ یہ سب کام اللہ کے ہیں اور ان کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو آخر کس دلیل سے تم الٰہیت میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہو، جن کے پاس اقتدار نہیں اور نہ زمین و آسمان میں جن کا کوئی خودمختارانہ کام نہیں، وہ "اِلٰہ" کیسے ہو گئے؟

"وہ جو آسمانوں اور زمین کی حکومت کا مالک ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے اور اقتدار حکومت میں جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کے لیے پورا انداز مقرر کیا ہے۔ لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے "الٰہ" بنا لیے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، جو خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جن کو موت اور زندگی اور دوبارہ پیدائش پر کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں ہے۔" (فرقان، رکوع ۱)

"آسمان و زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا، اس کے کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے، اس نے تو ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ، تمھارا "رب"، کوئی اس کے سوا "الٰہ" نہیں ہے، ہر چیز کا خالق ہے، لہٰذا تم اس کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کی حفاظت و خبر گیری کا کفیل ہے۔" (انعام، رکوع ۱۲)

"بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدائی میں اس کا شریک و مماثل قرار دیتے ہیں اور اللہ کی طرح اُن کو بھی محبوب رکھتے ہیں حالانکہ جو ایمان لانے والے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں، کاش یہ ظالم اس حقیقت کو، جسے نزولِ عذاب کے وقت محسوس کریں گے، آج ہی محسوس کر لیتے کہ قوت ساری کی ساری اللہ ہی کے پاس ہے۔" (بقرہ، رکوع ۲۰)

"کہو، تم نے اپنے معبودوں کی حالت پر کبھی غور بھی کیا جنھیں تم خدا کے بجائے حاجت روائی کے لیے پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین کا کتنا حصہ ان کا بنایا ہوا ہے یا آسمانوں کی پیدائش میں اُن کی کس قدر شرکت ہے، اس سے بڑھ اور کون گمراہ ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسے کو پکارے جو قیامت تک اُسے جواب نہیں دے سکتا[۵]۔" (احقاف، رکوع ۱)

"اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور بھی "الٰہ" ہوتے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا"

---

[۵] یعنی ان کی درخواست کے جواب میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔

پس اللہ، جو عرش (یعنی کائنات کے تختِ سلطنت) کا مالک ہے، ان تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ اپنے کسی فعل کے لیے جواب دِہ نہیں ہے اور سب جواب دِہ ہیں۔" (انبیاء، رکوع ۲)

"اللہ نے نہ کوئی بیٹا بنایا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی دوسرا "الٰہ" ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر الٰہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو لے کر الگ ہو جاتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔" (مومنون، رکوع ۵)

"(اے نبی!) کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ بھی ہوتے، جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے تو وہ مالکِ عرش کی حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے ضرور تدبیریں تلاش کرتے۔ پاک ہے وہ اور بہت بالاتر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔" (بنی اسرائیل، ۵)

اِن آیات کے علاوہ جو مولانا مودودیؒ نے نقل کی ہیں، بہت سی آیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کائنات کا لاشریک خالق، مالک، پروردگار اور حاکم و فرماں روا ہے، کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اس کے اقتدار میں کوئی شریک نہیں، وہی اس کا مستحق ہے کہ اس سے دعا مانگی جائے اور پناہ ڈھونڈی جائے، اس کی پرستش کی جائے اور اُسے اپنا مالک و آقا تسلیم کر کے اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کی جائے، چند آیات ذیل میں دی جاتی ہیں:۔

"آیت الکرسی" قرآنِ مجید کی مشہور آیت ہے۔ احادیث میں اس کی غیر معمولی فضیلت آئی ہے، آیت مع ترجمہ یہ ہے:۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ

اللہ، زندۂ جاوید، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی "الٰہ" نہیں ہے، اُسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے، کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے، جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے اُس کی معلومات

الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○	میں سے کوئی چیز اُن کی گرفتِ ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا
(بقرہ، ۲۵۸)	یہ کہ خود ہی ان کو اس کا علم دینا چاہے، اس کی کرسیٔ اقتدار آسمانوں اور زمینوں پر چھائی ہوئی ہے اور اُن کی نگہبانی اُس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے اور وہ بلند اور صاحبِ عظمت ہستی ہے۔

اور سورۂ یونس میں ہے :-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (یونس، آیت ۳، رکوع ۱)

"بلاشبہ تمہارا ربِ (حقیقی) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کر دیا (پس اعلیٰ درجہ کا قادر ہے) پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تختِ سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (کہ جو اُس کی شان کے لائق ہے تاکہ عرش سے زمین و آسمان میں احکام جاری فرماوے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے (پس حکیم بھی ہے، اس کے سامنے) کوئی سفارش کرنے والا (سفارش) نہیں (کر سکتا) بدون اس کی اجازت کے (پس عظیم بھی ہوا، پس) ایسا اللہ تمہارا ربِ (حقیقی) ہے، سو تم اس کی عبادت کرو (اور شرک مت کرو) کیا تم ان دلائل کے سننے کے بعد پھر بھی نہیں سمجھتے :"

(ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تفسیر بیان القرآن)

اور سورۂ اعراف میں ہے :-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (رکوع ۷، آیت ۵۴)

"بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز (کے برابر وقت)

میں پیدا کیا، پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تختِ سلطنت کے) اِس طرح قائم (اور جلوہ فرما) ہوا جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، جس سے سُننے والے کے قلب میں بلزوم عرفی دو شانیں مستحضر ہو جاتی ہیں، ایک رفعت وعلو، دوسری احکامِ شاہی کا صدور کیونکہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہونے کے لیے یہ دو امر لازم ہیں، چنانچہ دوسری شان کا آگے بھی ذکر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا، ایسے طور پر کہ سب (اپنی رفتار و انوار و آثار میں) اُس کے حکم (تکوینی) کے تابع ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اُن میں تصرف کرنا چاہیں، کرتے ہیں) یاد رکھو کہ اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا (جیسا خلق سے معلوم ہوا) اور حاکم ہونا (جیسا بِاَمْرِہٖ سے معلوم ہوا) بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں (انہی خوبیوں میں سے خالق ہونا اور حاکم ہونا ہے)۔"

(ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانویؒ ــــ تفسیر بیان القرآن)

اور سورہ طٰہٰ میں ہے :-

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ (طٰہٰ، آیت ۱ تا ۸)

"طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں)، ہم نے آپ پر قرآن اِس لیے نہیں اُتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لیے (اتارا ہے) جو (اللہ سے) ڈرتا ہو، یہ اُس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر (جو مشابہ ہے تختِ سلطنت کے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہے جو کہ اس کے شان کے لائق ہے اور وہ ایسا ہے کہ) اُس کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں (یعنی آسمان سے نیچے اور زمین سے اوپر) اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں،

(یعنی زمین کے اندر جو تر مٹی ہے، جس کو ثریٰ کہتے ہیں، جو چیز اس کے نیچے ہے، مراد یہ کہ زمین کی تہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وسلطنت ہے) اور (علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تم (اے مخاطب) پکار کر بات کہو تو (اس کے سننے میں تو کیا شبہ ہے) وہ تو ایسا ہے کہ) چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور (بلکہ) اس سے بھی زیادہ خفی بات کو (یعنی جو ابھی دل میں ہے) جانتا ہے (وہ) اللہ ایسا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود[1] (ہونے کا مستحق) نہیں، اس کے بڑے اچھے اچھے نام ہیں ......"

(ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانویؒ، تفسیر بیان القرآن)

اور سورۂ مومنون میں ہے:۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ .... مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (مومنون، ۸۴ تا ۹۱)

"آپ (جواب میں) یہ کہہ دیجیے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) یہ زمین اور جو اُس پر رہتے ہیں یہ کس کے ہیں، اگر تم کو کچھ خبر ہے۔ وہ ضرور یہی کہیں کہ اللہ کے ہیں (تو) ان سے کہیے کہ (اچھا یہ بتاؤ کہ) کون ان سات آسمانوں کا مالک[2] اور عالی شان عرش کا مالک[3] ہے (اس کا بھی) وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ (سب) اللہ کا ہے۔ آپ (اُس وقت) کہیے کہ پھر تم (اُس سے) کیوں نہیں ڈرتے (کہ اس کی قدرت اور آیات بعث کا انکار کرتے ہو اور) آپ (ان سے) یہ بھی کہیے کہ (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں

---

[1] یہاں "اِلٰہ" کا لفظ ہے، جس کا ترجمہ "معبود" کیا گیا ہے۔

[2] [3] یہاں لفظ "رب" ہے جس کا ترجمہ مولانا تھانویؒ نے "مالک" کیا ہے جیسا کہ دوسری بہت سی آیات میں یہی ترجمہ کیا ہے۔

کا اختیار ہے اور وہ (جس کو چاہتا ہے) پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو
پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم کو کچھ خبر ہے، (تب بھی جواب دیں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ
سب صفتیں اللہ ہی کی ہیں، آپ (اس وقت کہیے کہ تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے۔۔۔۔۔
۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد (قرار نہیں دیا (جیسا مشرکین ملائکہ کی نسبت کہتے تھے)
اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو (تقسیم کرکے)
جدا کر لیتا اور (پھر مثل عادت رؤسائے دنیا کے، دوسرے کی مخلوقات چھیننے کے لیے)
ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔"
(ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانویؒ ـــ بیان القرآن)

اور سورۂ حشر میں ہے :-

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ o هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ o هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ o

(حشر ۲۲ تا ۲۴)

"وہ ایسا معبود ہے کہ اُس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں، وہ جاننے
والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا، وہی بڑا مہربان، رحم
والا ہے، وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، سب
عیوب سے پاک ہے، سالم ہے، امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست
ہے، خرابی کا درست کرنے والا ہے، بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ (جس کی شان
یہ ہے) لوگوں کے شرک سے پاک ہے، وہ معبودِ (برحق) ہے، پیدا کرنے والا ہے
ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے (یعنی ہر چیز کو حکمت کے موافق بناتا ہے) صورت بنانے
والا ہے، اُس کے اچھے اچھے نام ہیں، سب چیزیں اُس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں
ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

یہ قرآنِ مجید کی بہت سی آیات میں چند ہیں۔ اِن آیات سے یہ بات دُو اور دُو چار کی طرح واضح ہوتی ہے کہ "رب" اور "الٰہ" کے مفہوم اور اللہ تعالیٰ کی صفات پر اللہ کی مالکیت اور حاکمیت کا تصور چھایا ہوا ہے، یہ بدیہی حقیقت صرف اُن لوگوں کو نظر نہیں آتی جو قرآن مجید اور احادیث رسول کا گہرا مطالعہ نہیں کرتے یا جن کے دل و دماغ کو تصوف کے غیر اسلامی اَذواق و افکار نے بُری طرح متاثر کر دیا ہے اور وہ قرآن وحدیث کا مطالعہ غیر اسلامی تصوف کی رنگین عینک سے کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے اُردو ترجمۂ قرآن کا ذکر اوپر آچکا ہے جو باریکیاں اُن کے ترجمۂ قرآن مجید میں ہیں وہ کسی اور ترجمہ میں نہیں ہیں، وہ کسی لفظ کا ایک ہی لگا بندھا ترجمہ نہیں کرتے بلکہ آیت کے مفہوم اور سیاق وسباق کے لحاظ سے مختلف جگہ مختلف ترجمے کرتے ہیں۔ اب اسی لفظ "الٰہ" کو لیجیے، دو تین جگہ انھوں نے اس کا "ترجمہ" "پوجنے کا" کیا ہے مثلاً سورۂ ذاریات میں ہے:-

لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (۵۱)	اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور پوجنے کا

سورۂ ناس میں ہے:-

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝	"تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی،
اِلٰهِ النَّاسِ ۝	لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے پوجے کی"

یہاں شاہ صاحب نے "الٰہ" کا ترجمہ "پوجے" کیا ہے۔

چند مقامات پر انھوں نے "الٰہ" کا ترجمہ "معبود" کیا ہے، مثلاً سورۂ ابراہیم میں ہے:-

وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۵۲) ——— شاہ صاحب اس کا ترجمہ فرماتے ہیں:-

"اور تا جانیں کہ معبود ہے ایک"

اور سورۂ یونس میں ہے:- قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ (۹۰)

شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:-

"کہا، یقین جانا میں نے کوئی معبود نہیں مگر جس پر یقین لائے بنی اسرائیل"

چند مقامات پر انھوں نے "الٰہ" کا ترجمہ "ٹھاکر" کیا ہے، مثلاً سورۂ ہود میں ہے:-

وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ (۵۳) ——— شاہ صاحبؒ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:-

"ٹھاکر" بمعنی "بت"۔

"اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں کو تیرے کہے سے"

اس سے اگلی آیت ہے:۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (۵۴) شاہ صاحب ترجمہ کرتے ہیں:۔

"ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں نے بُری طرح"

اسی طرح چند اور مقامات پر بھی انھوں نے اٰلِهَة کا ترجمہ "ٹھاکروں" کیا ہے۔

متعدد مقامات پر انھوں نے "الٰہ" کا مفہوم واضح کرنے کے لیے "بندگی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ واضح رہے کہ شاہ صاحب کے یہاں "بندگی" کے معنی صرف "پرستش" نہیں بلکہ وہ "پرستش و اطاعت" دونوں کو حاوی ہے۔ مثلاً سورۂ آلِ عمران میں ہے:۔

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (۱، ۲) ـــــ شاہ صاحب کا ترجمہ:

"اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، سب کا تھامنے والا"

چند آیات بعد ہے:۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آیت ۶)

شاہ صاحب نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:۔ "کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، زبردست ہے، حکمت والا"

چند آیات کے بعد پھر ہے:۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (آیت ۱۸)

"اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے، وہی حاکم انصاف کا، کسی کو بندگی نہیں سوا اس کے، زبردست ہے حکمت والا"

متعدد مقامات پر انھوں نے "الٰہ" کا ترجمہ "صاحب" (مالک و آقا) کیا ہے مثلاً:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف، ۵۹) ـــ شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

"ہم نے بھیجا نوحؑ کو، اس کی قوم کی طرف، تو بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمھارا صاحب اُس کے سوا"

چند آیات کے بعد پھر ہے:۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ،
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (آیت ۶۵) ــــ شاہ صاحبؒ نے اِس کا یہ ترجمہ کیا ہے :۔

"اور عاد کی طرف بھیجا اُن کا بھائی ہود، بولا! اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں
تمہارا صاحب اُس کے سوا، کیا تم کو ڈر نہیں"

اور چند آیات کے بعد ہے :۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرُهٗ (اعراف، ۷۳) ــــ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یوں ہے :۔

"اور ثمود کی طرف بھیجا اُن کا بھائی صالح، بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں
تمہارا صاحب اُس کے سوا"

لیکن بہت سے مقامات پر، بہت زیادہ آیات میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے "الٰہ"
کا ترجمہ "حاکم" کیا ہے۔ گویا "الٰہ" کا مفہوم "حاکم" ہے، مثلاً سورۂ ہود میں حضرت ہودؑ کی دعوت کا
اِن الفاظ میں ذکر ہے :۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ (ہود، ۵۰)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ اِن الفاظ میں کیا ہے :۔

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا اُن کا بھائی، ہود، بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی
تمہارا حاکم نہیں اس کے سوا، تم سب جھوٹ کہتے ہو"

حضرت صالحؑ کی دعوت کو اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے :۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرُهٗ (ہود، ۶۱) ــــ شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے :۔

"اور ثمود کی طرف بھیجا، ان کا بھائی صالح، بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی
حاکم نہیں تمہارا اُس کے سوا"

اور حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم میں اپنی دعوت کا آغاز اس طرح کیا :۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (ہود، ۸۴) — شاہ صاحبؒ کا ترجمہ اس طرح ہے:۔

"اور مدین کی طرف بھیجا اُن کا بھائی شعیب، بولا "اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا حاکم اُس کے سوا۔"

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ نے فرمایا:۔

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (ہود، ۱۴)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

"پھر اگر نہ کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ یہ اُترا ہے اللہ کی خبر سے اور کوئی حاکم نہیں سوا اُس کے، پھر اب تم حکم مانتے ہو؟"

اور سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ (۲۲)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:۔

"نہ ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم، پھر بیٹھ رہے گا اولاہنا پاکر، بے کس ہو کر۔"

چند آیات کے بعد ارشادِ باری ہے:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل، ۴۲) —— شاہ صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:۔

"اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور حاکم، جیسا یہ بتاتے ہیں تو نکالتے تخت کے صاحب کی طرف راہ۔"

اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ عبدالقادرؒ صاحب فرماتے ہیں:

"یعنی پرایا محکوم رہ کیوں قبول کرتے، تخت کے مالک کو الٹ دیتے"۔ (موضح القرآن)

معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ لفظ "حاکم" کو "حاکم" ہی کے مفہوم میں استعمال کر رہے ہیں۔

سورۂ انبیاء میں ہے:۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً (انبیار، ۲۱ تا ۲۴)

اِن آیات کا ترجمہ شاہ صاحب اس طرح فرماتے ہیں :-

"کیا ٹھہرائے انھوں نے اور صاحب زمین کے، وہ اُٹھا کھڑا کریں گے، اگر ہوتے اِن دونوں میں اور حاکم سوا اللہ کے، دونوں خراب ہوتے، سو پاک ہے اللہ، تخت کا صاحب، اُن باتوں سے جو بتاتے ہیں، اُس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے اور اُن سے پوچھا جاوے، کیا پکڑے ہیں اُس سے ورے انھوں نے اور صاحب۔"

اِن آیات میں شاہ صاحبؒ نے "اٰلِهَةٌ" کا ایک مقام پر ترجمہ "حاکم" کیا ہے اور دو مقامات پر صاحب۔ جس سے یہ بات واضح ہے کہ "صاحب" کے معنیٰ بھی "مالک و حاکم" کے ہیں "رَبُّ الْعَرْشِ" کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے "تخت کا صاحب" کیا ہے یعنی "تخت کا مالک"

اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

"پہلے اِن معبودوں کا فرمایا جو برابر خدا کے، کوئی سمجھے، اگر دو حاکم ہوتے تو جہاں خراب ہوتا۔" (تفسیر موضح القرآن)

حضرت یونسؑ کا ذکر سورۂ انبیار میں اِس طرح ہے :-

"وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(انبیار، ۸۷)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اس کا ترجمہ اِن الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"اور مچھلی والے کو، جب چلا گیا غصّہ سے لڑ کر، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے

پھر پکارا اُن اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں، سوا تیرے، تو بے عیب ہے، میں تھا گنہ گاروں میں۔"

سورۂ مومنون میں حضرت نوحؑ کی دعوت کا ذکر اِن الفاظ میں ہے :۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (مومنون، ۲۳)

شاہ صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ اِس طرح کرتے ہیں :۔

"اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کے پاس، تو اس نے کہا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، تمھارا کوئی حاکم نہیں اُس کے سوا، کیا تم کو ڈر نہیں۔"

سورۂ مومنون ہی میں ایک اور رسول کی دعوت کا تذکرہ اس طرح ہے :۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (مومنون، ۳۲)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :۔

"پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول اُن میں کا، کہ بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمھارا حاکم اُس کے سوا، پھر کیا تم کو ڈر نہیں۔"

سورۂ فرقان میں ہے :۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (فرقان، ۶۸)۔۔۔

شاہ صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :۔

"اور جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم کو۔"

سورۂ شعراء میں ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا :۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ (۲۹)

شاہ صاحبؒ اِس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں :۔

"بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوا تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو قید خانے میں۔"

اسی طرح سورۂ قصص میں فرعون کے قول کو اس طرح نقل کیا گیا ہے :۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي

(قصص، ۳۸)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اِس کا ترجمہ اِن الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"اور بولا فرعون، اے دربار والو! مجھ کو معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم میرے سوا"

اِن آیات کے علاوہ سورۂ قصص آیات ۷۱، ۷۲، ۸۸، سورۂ فاطر آیت ۳، سورۂ ص آیت ۶۶، سورۂ زخرف آیت ۴۵، سورۂ جاثیہ آیت ۲۳، سورۂ نمل آیات ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، سورۂ یٰسٓ آیت ۷۴، سورۂ حم سجدہ آیت ۶، سورۂ طور آیت ۴۳ میں بھی شاہ عبدالقادرؒ نے "اِلٰہ" اور "اٰلِہَۃ" کا ترجمہ "حاکم" کیا ہے —— ان ترجموں سے یہ بات واضح ہوئی کہ "اِلٰہ" کے مفہوم پر "مالکیت" اور "حاکمیت" کا تصور غالب ہے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ، جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے، وقت کے عبقری، دینِ حق کے بہترین ترجمان و داعی، عظیم مُصلح اور راہِ خدا کے مجاہد و شہید تھے، اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تقویۃ الایمان" میں، جو اُردو میں توحید پر بے مثل کتاب ہے اور دینی، علمی اور ادبی، ہر پہلو سے بلند مقام رکھتی ہےؔ[1]، الفصل الاوّل فی الاجتناب عن الاشراک (فصل اوّل شرک سے اجتناب کے بارے میں) میں مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث نقل فرما کر اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں :۔

"أَخْرَجَ أَحْمَدُ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ قَالَ جَمَعَهُمْ فَجَعَلَهُمْ أَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَاسْتَنْطَقَهُمْ فَتَكَلَّمُوا ثُمَّ أَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ

---

[1] مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اِس کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

وَالْمِيْثَاقَ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی، قَالَ
فَاِنِّیْ اُشْهِدُ عَلَیْکُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وَ
اُشْهِدُ عَلَیْکُمْ اَبَاکُمْ اٰدَمَ شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ
اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِیْنَ، لَمْ نَعْلَمْ بِهٰذَا اِعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَا اِلٰـہَ
غَیْرِیْ وَلَا رَبَّ غَیْرِیْ وَلَا تُشْرِکُوْا بِیْ شَیْئًا اِنِّیْ سَاُرْسِلُ اِلَیْکُمْ
رُسُلِیْ یُذَکِّرُوْنَکُمْ عَهْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ وَاُنْزِلُ عَلَیْکُمْ کُتُبِیْ
قَالُوْا شَهِدْنَا بِاَنَّکَ رَبُّنَا وَاِلٰهُنَا، لَا رَبَّ لَنَا غَیْرُکَ
وَلَا اِلٰـہَ لَنَا غَیْرُکَ۔"

"ترجمہ:۔ مشکوٰۃ کے باب الایمان باللہ میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے ذکر کیا کہ اُبی بن کعبؓ نے اس آیت کی تفسیر میں وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ الخ فرمایا کہ اللہ نے اولادِ آدم کی اکٹھی کی، پھر ان کی مثلیں لگائیں، پھر اُن کی صورت بنائی، پھر اُن کو بولنے کی طاقت دی، سو بولنے لگے، پھر اُن سے قول وعہد لیا اور اُن کی جان پر اُن سے اقرار کروایا کہ کیا میں نہیں ہوں رب تمھارا، بولے کیوں نہیں، سو میں گواہ کرتا ہوں تم پر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو اور تمھارے باپ آدم کو، اِس واسطے کہ کہیں کہنے لگو، قیامت کے دن کہ ہم نہیں جانتے تھے، سو یہ جان رکھو کہ بے شک بات یوں ہے کہ نہیں کوئی حاکم سوائے میرے، اور مت شریک ٹھہراؤ میرا کوئی، بیشک میں اب بھیجوں گا طرف تمھارے، رسول اپنے کہ یاد دلاویں گے تم کو قول وقرار میرا، اور اتاروں گا تم پر کتابیں اپنی، بولے کہ اقرار کیا ہم نے کہ بے شک تو مالک ہمارا ہے اور حاکم ہمارا ہے۔ نہیں کوئی مالک ہمارا تیرے سوائے اور نہیں کوئی حاکم ہمارا تیرے سوائے"

اِس ترجمہ کے بعد انھوں نے اس کی تشریح کی ہے، جس کے بعض اجزاء یہ ہیں:۔

"...... پھر اُن کو بولنے کی طاقت دی، پھر اُن سب سے اللہ صاحب نے یوں فرمایا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں، سو سب نے اقرار کیا کہ [illegible]

ہے، پھر اُن سے قول وقرار لیا کہ میرے سوا کسی کو حاکم و مالک نہ جانیو اور کسی کو میرے سوا نہ مانیو .... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل توحید کا حکم اور شرک کا منع اللہ صاحب نے ہر کسی سے عالم ارواح میں کہہ دیا ہے اور سارے پیغمبر اسی کی تاکید کو آئے ہیں اور ساری کتابیں اسی کے بیان میں اتریں۔ سوا ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا فرمانا اور ایک سو چار کتاب آسمانی کا علم اسی ایک نکتہ میں ہے کہ توحید خوب درست کیجیے اور شرک سے بہت دور بھاگیے، نہ اللہ کے سوا کسی کو حاکم سمجھیے کہ کسی چیز میں کچھ تصرف کر سکتا ہے، نہ کسی کو اپنا مالک ٹھہرائیے کہ اُس سے اپنی کوئی مراد مانگیے اور اپنی حاجت اُس پاس لے جائیے۔" (تقویۃ الایمان مطبوعہ دیوبند صفحہ ۱۸، ۱۹)

اِس ترجمہ و تشریح میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے "رب" کا ترجمہ "مالک" اور "الٰہ" کا ترجمہ "حاکم" کیا ہے اور بار بار کیا ہے اور توحید کا اصل نکتہ، جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور کتبِ سماوی کا حاصل ہے، یہ بتایا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مالک و حاکم نہ سمجھیں۔

"الٰہ" کی بحث کو ختم کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصۂ بحث کے طور پر جو کچھ لکھا ہے اُسے ہم بھی بحث کے آخر میں دینا چاہتے ہیں تاکہ بات پوری طرح واضح ہو سکے اور آپ یہ جان سکیں کہ "قرآنی تصورِ "الٰہ" اور تصورِ "توحید" کیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں :۔

"اِن تمام آیات میں اوّل سے آخر تک ایک ہی مرکزی خیال پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ الٰہیت اور اقتدار لازم و ملزوم ہیں اور اپنی روح اور معنیٰ کے اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں، جو اقتدار نہیں رکھتا وہ "الٰہ" نہیں ہو سکتا، اُسے "الٰہ" نہیں ہونا چاہیے اور جو اقتدار رکھتا ہے وہی "الٰہ" ہو سکتا ہے اور اسی کو "الٰہ" ہونا چاہیے کیونکہ "الٰہ" سے تمھاری جس قدر ضروریات متعلق ہیں یا جن ضروریات کی خاطر تمھیں کسی کو "الٰہ" ماننے کی حاجت پیش آتی ہے، اُن میں سے کوئی ضرورت بھی اقتدار کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا غیر مقتدر کا

"و الٰہ" ہونا بے معنیٰ ہے، حقیقت کے خلاف ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا لاحاصل ہے۔

اس مرکزی خیال کو لے کر قرآن جس طریقے سے استدلال کرتا ہے، اُس کے مقدمات اور نتائج حسب ذیل ترتیب کے ساتھ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں۔

(۱) حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد و اعانت، خبرگیری و حفاظت اور استجابت دعوات، جن کو تم نے معمولی کام سمجھ رکھا ہے، دراصل یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا سررشتہ پورے نظام کائنات کی تخلیقی اور انتظامی قوتوں سے جا ملتا ہے، تمھاری ذرا ذرا سی ضرورتیں جس طرح پوری ہوتی ہیں، اس پر غور کرو تو تم کو معلوم ہو کہ زمین و آسمان کے عظیم الشان کارخانے میں بے شمار اسباب کی مجموعی حرکت کے بغیر اُن کا پورا ہونا محال ہے، پانی کا ایک گلاس جو تم پیتے ہو اور گیہوں کا ایک دانہ، جو تم کھاتے ہو، اس کو مہیا کرنے کے لیے سورج اور زمین اور ہواؤں اور سمندروں کو خدا جانے کتنا کام کرنا پڑتا ہے تب کہیں یہ چیزیں تم کو بہم پہنچتی ہیں۔ پس تمھاری دعائیں سننے اور تمھاری حاجتیں رفع کرنے کے لیے کوئی معمولی اقتدار نہیں بلکہ وہ اقتدار درکار ہے جو زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے لیے، ہواؤں کو گردش دینے اور بارش برسانے کے لیے، غرض پوری کائنات کا انتظام کرنے کے لیے درکار ہے۔

(۲) یہ اقتدار ناقابلِ تقسیم ہے، یہ ممکن نہیں کہ خلق کا اقتدار کسی کے پاس ہو اور رزق کا کسی اور کے پاس ہو، سورج کسی کے قبضہ میں ہو اور زمین کسی اور کے قبضہ میں، پیدا کرنا کسی کے اختیار میں ہو، بیماری اور صحت کسی اور کے اختیار میں اور موت اور زندگی کسی تیسرے کے اختیار میں، اگر ایسا ہوتا تو یہ نظامِ کائنات کبھی چل ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا تمام اقتدارات و اختیارات کا ایک ہی مرکزی فرماں روا کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے، کائنات کا انتظام چاہتا ہے کہ ایسا ہو اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔

(۳) جب تمام اقتدار ایک ہی فرماں روا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار میں کسی کا ذرّہ برابر کوئی حصّہ نہیں ہے تو لامحالہ الوہیت بھی بالکلیہ اُسی فرماں روا کے لیے خاص ہے اور اُس میں بھی کوئی حصّہ دار نہیں ہے۔ کسی میں طاقت نہیں کہ تمھاری فریاد رسی کر سکے، دُعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حامی و ناصر اور ولی و کارساز بن سکے۔ نفع یا نقصان پہنچا سکے، لہٰذا "الٰہ" کا جو بھی مفہوم تمھارے ذہن میں ہے، اُس کے لحاظ سے کوئی دوسرا "الٰہ" نہیں ہے حتیٰ کہ کوئی اِس معنیٰ میں بھی الٰہ نہیں کہ فرماں روائے کائنات کے ہاں مقربِ بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اُس کا کچھ زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو، اُس کے انتظامِ سلطنت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں، کوئی اُس کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا اور سفارش قبول کرنا یا نہ کرنا بالکل اُسی کے اختیار میں ہے کوئی زور کسی کے پاس نہیں ہے کہ اُس کے بل پر وہ اپنی سفارش قبول کرا سکے۔

(۴) اقتدارِ اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضا یہ ہے کہ حاکمیت و فرماں روائی کی جتنی قسمیں ہیں، سب ایک ہی مقتدرِ اعلیٰ ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت کا کوئی جزء بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو، جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اُس کے ساتھ شریک نہیں، جب رازق وہ ہے اور رزق رسانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں۔ جب پورے نظامِ کائنات کا مدبّر و منتظم وہ ہے اور تدبیر و انتظام میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں تو یقیناً حاکم و آمر اور شارع بھی اُسی کو ہونا چاہیے اور اقتدار کی اِس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں، جس طرح اُس کی سلطنت کے دائرے میں اُس کے سوا کسی دوسرے کا فریاد رس اور حاجت روا اور پناہ دہندہ ہونا غلط ہے، اسی طرح کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم اور خود مختار فرماں روا اور قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔ تخلیق اور رزق رسانی اِحیا اور اِماتت، تسخیرِ شمس و قمر اور تکویرِ لیل و نہار، قضا و قدر، حکم اور بادشاہی

اور یہ اقتدار ہی کُلّی اقتدار و حاکمیت کے مختلف پہلو ہیں امر اور تشریع، سب ایک ہی حاکمیت ناقابلِ تقسیم ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ایسا ہی شرک کرتا ہے جیسا ایک غیر اللہ سے مانگنے والا شرک کرتا ہے، اگر کوئی شخص سیاسی معنیٰ میں مالک الملک اور مقتدرِ اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح فوق الطبیعی معنیٰ میں کسی کا یہ کہنا کہ تمھارا ولی وکار ساز اور مددگار و محافظ میں ہوں، اسی لیے جہاں خلق اور تقدیرِ اشیاء اور تدبیرِ کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہیں لَهُ الْحُكْمُ وَلَهُ الْمُلْكُ اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ بھی کہا گیا ہے، جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ اُلوہیت کے مفہوم میں بادشاہی و حکمرانی کا مفہوم بھی شامل ہے اور توحیدِ الٰہ کے لیے لازم ہے کہ اِس مفہوم کے اعتبار سے بھی اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی جائے، اس کو اور زیادہ کھول کر حسبِ ذیل آیات میں بیان کیا گیا:۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ (آل عمران۔۳)

"کہو، یا اللہ جو ملک کا مالک ہے، تجھے اختیار ہے جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جسے چاہے عزّت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔"

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○ (المومنون)

"پس بالا و برتر ہے اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی "الٰہ" نہیں وہ عرشِ بزرگ کا مالک ہے[1]۔"

---

[1] مولانا اشرف علی تھانویؒ پچھلی آیتوں سے اس آیت کا ربط واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ (الناس)

"کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب سے، انسانوں کے بادشاہ سے انسانوں کے اِلٰہ سے۔"

يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المومن ــ ۲)

یعنی "جس روز سب بے نقاب ہوں گے، کسی کا کوئی راز اللہ سے چھپا نہ ہوگا، اُس وقت پکارا جائے گا کہ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اور جواب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ اُس اکیلے اللہ کی، جس کا اقتدار سب پر غالب ہے۔" اِس آیت کی بہترین تفسیر وہ حدیث ہے جو امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اِنَّہٗ تَعَالٰی يَطْوِی السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ بِيَدِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَنَا الْجَبَّارُ اَنَا الْمُتَكَبِّرُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ "اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی میں لے کر پکارے گا، میں ہوں بادشاہ،

(بقیہ حاشیہ صـ کا) ربط :۔ اوپر تمام سورت میں جو مضامین مذکور ہوئے ہیں جن کا خلاصہ سورت کی تمہید میں مرقوم ہوا ہے، خاتمۂ سورت میں اُن پر ایک تفریع بطورِ انتاج اور تلخیص کے ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ عبادت کے امر سے حق تعالیٰ کا "اِلٰہ" اور "مَلِک" ہونا اور آثارِ قدرت سے جو دلائلِ توحید ہیں اس کا واحد اور متعال عن الشرک ہونا جو کہ مدلول ہے فَتَعَالٰی اور لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا اور بعثِ انبیاء سے بھی اس کا "مَلِک" و فرماں روا ہونا، اسی طرح بعث و مجازاۃ سے بھی اس کا "ملک" ہونا، اسی طرح قصصِ اہلاکِ مکذّبین سے بھی اُس کا "مَلِک" ہونا اور شفاعتِ حال کفار سے اُن کا قابلِ دار و گیر ہونا جو مدلول ہے فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ الخ کا ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر بیان القرآن سورۂ مومنون)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مَلِک (فرماں روا) ہونا اس کی بنیادی صفت ہے اور توحید اور آخرت کی اساس ہے۔ (مصنف)

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تجعلوا للہ اندادا قالوا الکفاء من الرجال تطیعونہم فی معصیۃ اللہ . . . . . . فنہاہم اللہ تعالیٰ ان یشرکوا بہ شیئا وان یعبدوا غیرہ او یتخذوا لہ ندا او عدلا فی الطاعۃ فقال کما لا شریک لی فی خلقکم وفی رزقکم الذی رزقتکم وملکی ایاکم ونعمی التی انعمتہا علیکم فکذلک افردوا لی الطاعۃ واخلصوا لی العبادۃ ولا تجعلوا لی شریکا ونِدا من خلقی فانکم تعلمون ان کل نعمۃ علیکم فمنی

(تفسیر ابن جریر طبریؒ، تفسیر سورۂ بقرہ)

اور ابو صالح سے بیان کیا ہے، انھوں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے اور مرۃ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بہت سے لوگوں سے، آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا کی تفسیر کے سلسلے میں، انھوں نے کہا اس سے مراد "انسانوں میں سے وہ ہمسر اور برابر لوگ ہیں جن کی تم خدا کی نافرمانی میں اطاعت کرتے ہو . . . . . . تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس بات سے منع فرمایا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں اور اس کے سوا کسی کی بندگی کریں یا اطاعت میں کسی کو اس کا ہمسر اور برابر ٹھہرائیں، تو اللہ نے فرمایا جس طرح تمھیں پیدا کرنے، جو رزق تمھیں دیا ہے اس کے دینے اور تمھارے مالک ہونے اور نعمتیں جو میں نے تمھیں دی ہیں ان میں میرا کوئی شریک نہیں اسی طرح تم صرف میری اطاعت کرو، عبادت کو میرے لیے خالص کرو، اور میری مخلوقات میں سے کسی کو میرا شریک اور ہمسر نہ بناؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمھیں جو نعمتیں حاصل ہیں وہ سب میری طرف سے ہیں۔

معلوم ہوا کہ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا (کسی کو اللہ کا ہمسر اور برابر نہ ٹھہراؤ) میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرو، اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت کرنا، خدا کے ساتھ شرک کرنا ہے۔

سورۂ بقرہ ہی میں کچھ آگے چل کر ہے :-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

(بقرہ، ۱۶۵)

اور لوگوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر "انداد" بناتے ہیں جن سے وہ محبت کرتے ہیں اللہ سے محبت کی طرح اور اہل ایمان سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

"انداد" سے اِس آیت میں کون مراد ہے، مفسّر ابو السعود آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

(اَنْدَادًا) ای امثالاً وھم رؤساءھم الذین یتبعونھم فی ما یأتون ویذرون لاسیما فی الاوامر والنواھی کما یفصح عنہ ماسیاتی من وصفھم بالتبرّی من المتّبعین وقیل ھی الاصنام ...... (یحبّونھم) ..... ومحبۃ العبد للّٰہ سبحانہ ارادۃ طاعتہ فی اوامرہ ونواھیہ والاعتناء بتحصیل مراضیہ ..... فمعنی یحبّونھم یطیعونھم ویعظمونھم (کحب اللّٰہ) ...... ای یسوون بینہ تعالیٰ وبینھم فی الطاعۃ والتعظیم

(تفسیر ابی السعود، تفسیر سورۂ بقرہ)

"انداد" کے معنیٰ ہیں "امثال" اور یہ اُن کے وہ سردار تھے جن کی، وہ کاموں کے کرنے اور چھوڑنے میں پیروی کرتے تھے خصوصًا اوامر و نواہی میں جیسا کہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئندہ آیات میں ان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ متّبعین سے اظہار برارت کریں گے[1] اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بت ہیں۔ .... (یُحِبُّوْنَهُمْ) ...... اور اللہ سبحانہٗ سے بندہ کی محبّت کا مطلب ہے اوامر و نواہی میں اس کی اطاعت کا ارادہ اور اُس کی مرضیات کے حصول کی طرف توجہ تو یُحِبُّوْنَهُمْ کے معنیٰ ہوئے "ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ (کَحُبِّ اللّٰہِ) .... یعنی سرداروں اور خدا کی اطاعت اور تعظیم میں برابری کرتے ہیں۔

---

[1] اشارہ ہے اگلی آیت کی طرف :۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے اظہارِ برارت کریں گے، وہ عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے رشتے اور وسائل کٹ جائیں گے)

امام فخرالدین رازیؒ اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

واختلفوا فی المراد بالانداد علیٰ اقوال احدها انہا ھی الاوثان التی اتخذ وہا آلہۃ لتقربہم الی اللّٰہ زلفیٰ ورجوا من عندہا النفع والضرر وقصدوہا بالمسائل ونذروا لہا النذور وقربوا لہا القرابین وہو قول اکثر المفسرین .... وثانیہا انہا السادۃ الذین کانوا یطیعونہم فیحلون لمکان طاعتہم ما حرم اللّٰہ ویحرمون ما احل اللّٰہ عن السدی والقائلون بہذا القول رجحوا ہٰذا القول علی الاول من وجوہ الاول ان قولہ یحبونہم کحب اللّٰہ الہاء والمیم فیہ ضمیر العقلاء الثانی انہ یبعد انہم کانوا یحبون الاصنام کمحبتہم للّٰہ تعالیٰ مع علمہم بانہا لا تضر ولا تنفع الثالث ان اللّٰہ تعالیٰ ذکر بعد ہٰذہ الآیۃ اِذْ تَبَرَّءَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وذٰلِکَ لَا یَلِیْقُ الا بمن اتخذ الرجال اندادا وامثالاً للّٰہ تعالیٰ

"انداد" سے کیا مراد ہے، اس سلسلے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اِس سے مراد بُت ہیں جنھیں مُشرکین نے اس لیے خدا بنایا تھا کہ وہ ان کے ذریعہ اللہ کا قُرب چاہتے تھے اور ان سے نفع و ضرر کی امید رکھتے تھے اور ان سے مُرادیں مانگتے تھے، ان کے لیے نذریں اور قربانیاں کرتے تھے اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے..... اور دوسرا قول یہ ہے کہ "انداد" سے مراد وہ سردار ہیں جن کی وہ اطاعت کرتے تھے تو ان کی اطاعت کی وجہ سے وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرتے تھے اور یہ قول سدّی کا ہے اور اس قول کے قائلین نے اِس قول کو پہلے قول پر تین وجوہ سے ترجیح دی ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ "یُحِبُّوْنَہُمْ" میں "ھُمْ" ہے، یہ ضمیر عقلاء (جن، انس اور ملائکہ) کے لیے آتی ہے (بتوں کے لیے نہیں جو غیر ذوی العقول ہیں) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بات بعید ہے کہ وہ بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہوں جس طرح خدا سے محبت کی جاتی ہے حالانکہ انھیں علم تھا کہ بت نہ نقصان پہنچاتے ہیں نہ نفع اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے اِذْ تَبَرَّءَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا

يلتزمون من تعظيمهم والانقياد لهم مايلتزمه المؤمنون من الانقياد لله تعالى القول الثالث فى تفسير الانداد قول الصوفية والعارفين وهو ان كل شيئ شغلت قلبك به سوى الله تعالى فقد جعلته فى قلبك ندا الله تعالى وهو المراد من قوله أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ

(جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے اظہارِ براءت کریں گے) اور یہ انہی لوگوں کے لیے مناسب ہے کہ جو انسانوں کو اللہ کا ہمسر اور "ند" بنائیں اور ان کی تعظیم اور ان کی اطاعت کا اس طرح التزام کریں جس طرح اہلِ ایمان اللہ کی اطاعت کا التزام کرتے ہیں اور "انداد" کی تفسیر میں تیسرا قول صوفیا اور عارفین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس میں تم اللہ کے سوا اپنے دل کو لگاؤ تو تم نے اسے اپنے دل میں خدا کا "نِدّ" بنا لیا اور یہی مراد ہے اِس آیت أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ کی (کیا تو نے اُس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنا خدا اپنی ہوائے نفس کو بنا لیا ـــــ اِس آیت کی تفسیر اس سے قبل گزر چکی ہے۔)

اِن اقتباسات سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی نافرمانی کر کے جس کسی کی اطاعت اور تعظیم کی جاتی ہے اُسے فی الحقیقت خدا کا "نِدّ" بنایا جاتا ہے اور اُسے خدا کی خدائی میں شریک کیا جاتا ہے۔

شَرِیک جمع شُرَکاء

جن ہستیوں کو اہلِ عرب خدا کی خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے، انھیں قرآن مجید "شریک" (جمع شرکار) کہتا ہے۔ اِس مفہوم میں یہ لفظ قرآن مجید میں بہت آیا ہے اور مختلف آیات میں اِس سے مختلف قسم کا شرک مراد ہوتا ہے مثلاً سورہ شوریٰ میں، جو مکّی سورت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

اَمْ لَہُمْ شُرَکَاءُ شَرَعُوْا لَہُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَالَمْ یَأْذَنْ بِہِ اللّٰہُ

(سورہ شوریٰ، ۲۱)

کیا اُن کے لیے (خدا کی خدائی میں) کچھ ایسے "شریک" ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین میں سے (وہ احکام) بنائے جن کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

یہ آیت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے، یہاں "شرکار" سے مراد وہ ہستیاں نہیں ہیں جن کی پرستش کی جاتی ہو یا جن سے دُعائیں مانگی جاتی ہوں بلکہ وہ اشخاص مراد ہیں جو دین کے نام پر تحلیل و تحریم کرتے اور لوگوں کے لیے قوانین وضع کرتے ہوں، امام حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اَمْ لَہُمْ شُرَکَاءُ شَرَعُوْا لَہُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَالَمْ یَأْذَنْ بِہِ اللّٰہُ) ای ھُمْ لایتبعون ماشرع اللہ لک من الدین القویم بل یتبعون ماشرع لھم شیاطینھم من الجن والانس من تحریم ما حرموا علیھم من البحیرۃ والسائبۃ والوصیلۃ والحام وتحلیل اکل المیتۃ والدم والقمار الی نحو ذلک من الضلالات والجھالۃ

اَمْ لَہُمْ شُرَکَاءُ ..... یَأْذَنْ بِہِ اللّٰہ — یعنی وہ اُس دینِ قویم کی پیروی نہیں کرتے جو (اے نبی!) اللہ نے تمھارے لیے مشروع کیا ہے بلکہ وہ ان امور کی پیروی کرتے ہیں جو اُن کے شیاطینِ جن وانس نے ان کے لیے مشروع کیے ہیں یعنی بحیرہ، سائبہ، اور وصیلہ اور حام کی تحریم جنھیں انھوں نے اُن پر حرام کیا ہے اور مُردار، خون اور جُوے کی تحلیل اور اسی طرح کی گمراہیاں اور جہالتیں، جن کو انھوں نے اپنی

التی کانوا قد اخترعوها فی جاہلیتہم من التحلیل والتحریم والعبادات الباطلۃ والاموال الفاسدۃ وقد ثبت فی الصحیح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم قال رأیت عمرو بن لحی بن قمعۃ یجرّ قصبہ فی النار لانہ اول من سیب السائبۃ وکان ھذا الرجل احد ملوک خزاعۃ وھو اوّل من فعل ھذہ الاشیاء وھو الذی حمل قریشًا علی عبادۃ الاصنام لعنہ اللہ وقبحہ

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۂ شوریٰ)

جاہلیت کے دور میں گھڑ لیا تھا مثلاً چیزوں کی تحلیل وتحریم، باطل عبادات اور فاسد اموال وغیرہ اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھر رہا تھا کیونکہ سب سے پہلے اس نے "سائبہ" کا دستور رائج کیا اور یہ شخص قبیلۂ خزاعہ کا ایک بادشاہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے یہ (مشرکانہ) کام کیے اور اسی شخص نے قریش کو بت پرستی کے لیے آمادہ کیا، اللہ اس پر لعنت کرے اور اس کا برا کرے۔

معلوم ہوا کہ عرب کے مشرکانہ مذہب کی بنیاد قبیلۂ خزاعہ کے ایک فرماں روا نے ڈالی تھی جس کی پیروی قریش نے کی جو عرب کے مذہبی پیشوا اور خانۂ کعبہ کے متولی تھے۔ اسی فرماں روا کی باطل قانون سازی اور قریش کی پیروی نے پورے عرب کو شرک کے راستہ پر ڈال دیا ــــــ مسلمانوں میں بھی آپ بدعات اور مشرکانہ رسوم واعمال کے پیچھے مسلمان اربابِ اقتدار اور غلط کار علماء وصوفیا کی کارستانیاں پائیں گے ــــ آج بھی تحریکِ اسلامی کے خلاف باطل اربابِ اقتدار کے شانہ بہ شانہ علمائے سوء اور غلط کار صوفیاء میدانِ کارزار گرم کیے ہوئے ہیں۔

سورۂ انعام میں ــــ اور وہ بھی مکی سورت ہے ــــ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

(الانعام، ۱۰۰)

اور انھوں نے جنوں میں سے خدا کے شریک بنائے ــــ حالانکہ اس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ اور علم کے بغیر اُس کے لیے لڑکے اور لڑکیاں گھڑ لیے، پاک وبرتر ہے وہ ان چیزوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

امام حافظ ابن کثیرؒ اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ھذا ردٌّ علی المشرکین الذین عبدوا مع اللہ غیرہ واشرکوا بہ فی عبادتہ ان عبدوا الجن فجعلوھم شرکاء لہ فی العبادۃ تعالی اللہ عن شرکھم وکفرھم وان قیل فکیف عبدت الجن مع انھم کانوا یعبدون الاصنام فالجواب انھم ما عبدوھا الا عن طاعۃ الجن وامرھم ایاھم بذلک کقولہ (اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا لَعَنَہُ اللّٰہُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا وَلَاُضِلَّنَّھُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّھُمْ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا) وکقولہ تعالی اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ

یہ مشرکین کی تردید ہے جنھوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بندگی کی اور اس کی بندگی میں دوسروں کو شریک کیا اس طرح کہ انھوں نے جنّوں کی عبادت کی اور انھیں عبادت میں اللہ کا شریک بنایا۔ اللہ ان کے شرک وکفر سے برتر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جنوں کی عبادت کس طرح ہوئی کیونکہ عرب کے لوگ تو بتوں کو پوجتے تھے تو جواب یہ ہے کہ انھوں نے بتوں کی پرستش نہیں کی مگر جنوں کی اطاعت کی وجہ سے اور اس لیے کہ جنّوں نے انھیں اِس کا حکم دیا تھا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے اِنْ یَّدْعُوْنَ..... غُرُوْرًا "وہ نہیں پکارتے[1] اُس کے سوا مگر عورتوں[2] کو اور نہیں پکارتے اس کے سوا مگر سرکش شیطان[3] کو۔ اللہ نے اس پر لعنت کی ہے۔ اور اس نے کہا میں ضرور لوں گا تیرے بندوں میں سے مقررہ حصّہ[4] اور انھیں بہکاؤں گا اور انھیں آرزوؤں اور خوش فہمیوں میں مبتلا کروں گا انھیں حکم دوں گا تو وہ مویشیوں کے کان چیریں گے اور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی

[1] عبادت کرتے۔ [2] دیویوں کو۔ ہر مشرکانہ نظام میں دیوتاؤں کے ساتھ دیویاں بھی ہوتی ہیں۔ عرب کے مشرکین فرشتوں کی پرستش کرتے تھے اور انھیں خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ [3] وہ فی الواقع شیطان کے پرستار ہیں کیونکہ اس کا کہنا مانتے ہیں۔ [4] یعنی بندے تو تیرے ہیں مگر میں ان کی زندگی اور ان کے اموال واولاد میں اپنا حصّہ لگاؤں گا جنھیں وہ میرے کہنے کے مطابق خرچ کریں گے۔

وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ) الآیۃ وقال ابراهیم لابیه (یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝) وکقوله (اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۂ انعام)

کریں گے اور جو کوئی شیطان کو اپنا دوست بنا لے گا وہ صریح نقصان کا شکار ہوگا، شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے وعدے فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ الآیۃ (کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو[2]) اور ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا یٰٓاَبَتِ .... عَصِيًّا (اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر، بلاشبہ شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے[3]) اور جیسے کہ اللہ کا ارشاد ہے اَلَمْ اَعْهَدْ ...... مُّسْتَقِيْمٌ (اے اولادِ آدم! کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت (اطاعت) نہ کرنا بیشک وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے اور میری بندگی کرنا[4] یہی سیدھا راستہ ہے۔

امام حافظ ابن کثیرؒ نے قرآنِ مجید کی متعدد آیات جمع کر کے اُن کی روشنی میں آیت کی جو تفسیر کی ہے اور جو تفسیر القرآن بالقرآن کا بہترین نمونہ ہے، اُسے بار بار پڑھیے، اس سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت ــــ شیاطین الانس والجن ــــ کو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا "معبود" اور خدا کی خدائی میں "شریک"، اِس لیے قرار نہیں دیا ہے کہ مشرکین اُن کی

---

[1] یعنی مشرکانہ رسوم و اعمال شیطان کے حکم کے تحت اس کی پیروی میں بجا لائیں۔ [2] کہ میرے احکام کی پیروی چھوڑ کر شیطان اور اس کی ذریت کا کہنا مانتے ہو [3] شیطان کا کہنا ماننے کا حاصل یہ ہے کہ تم بھی اس کی طرح خدا کے نافرمان بن جاؤ۔ جو لوگ شیطان کا کہنا مانتے ہیں وہ فی الواقع اس کی عبادت کرتے ہیں [4] شیطان کی اطاعت نہیں میری اطاعت کرو۔

پرستش کرتے تھے بلکہ اس لیے کہ وہ ان کی وسوسہ اندازی کا شکار ہو کر خدا کی نافرمانی کرتے تھے۔

اس تفسیر سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ شرک کی اصل شناعت یہ ہے کہ وہ خدا کی صریح نافرمانی اور خدا کے نافرمان و باغی اور نوعِ انسانی کے دشمن — شیطان — کی پیروی ہے اور شیطان کے راندۂ درگاہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے حکمِ الٰہی — آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور بغاوت و سرکشی پر نہ صرف یہ کہ جما رہا بلکہ اس نے اعلان کر دیا کہ میں نوعِ انسانی کو بھی خدا کا باغی و سرکش بناؤں گا، ان کی زندگی، ان کے اوقات، ان کی صلاحیتوں اور قوتوں اور اموال میں اپنا حصہ لگاؤں گا اور انھیں خدا کی نافرمانی میں اور اپنی اطاعت میں صرف کراؤں گا اور اس طرح خدا کا "شریک" بن جاؤں گا — شیطان کی "اطاعت" اور "شرک" ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔

سورۂ انعام ہی میں ایک اور جگہ "شرکاء" کا ذکر ہے:۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ
أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ
وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ
مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝
(انعام، ۱۳۸)

اور اسی طرح بھلی دکھائی ہے بہت مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے شریکوں نے کہ ان کو ہلاک کر دیں اور اُن کا دین غلط کر دیں اور اللہ چاہتا تو یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے، وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ۔
(ترجمہ شاہ عبد القادرؒ)

اِس آیت میں "شرکاء" سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے کہنے پر مشرکین اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ چنانچہ امام حافظ ابن کثیرؒ اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَكَمَا زَيَّنَتِ الشَّيَاطِينُ
لِهٰؤُلَاءِ أَنْ يَجْعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ
الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا كَذٰلِكَ زَيَّنُوا
لَهُم قتل أولادهم خشية الإملاق ووأد
البنات خشية العار قال علي بن

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسا کہ شیاطین نے ان لوگوں کے لیے یہ بات خوش آئند بنائی کہ خدا نے جو کھیتی اور جو مویشی پیدا کیے، اُن میں سے (صرف) ایک حصہ خدا کے لیے کر دیں (اور بقیہ اپنے خود ساختہ خداؤں کے لیے[1]) اسی طرح شیاطین نے اُن کے لیے ان کی

[1] اس سے پہلے کی آیت کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: "اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں سے (صرف) ایک حصہ انہوں نے اللہ کے لیے بنایا ہے اور انھوں نے کہا، یہ اللہ کے لیے ہے ان کے زعم کے مطابق اور یہ
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابی طلحة عن ابن عباس (وکذٰلک
زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
شُرَکَآؤُهُمْ) زینوا لهم قتل اولادهم
وقال مجاهد شرکاءهم شیاطینهم
یأمرونهم ان یئدوا اولادهم خشیة
العیلة وقال السدی امرتهم
الشیاطین ان یقتلوا البنات اِمّا
لیردوهم فیهلکوهم واِمّا لیلبسوا
علیهم دینهم ای فیخلطون علیهم
دینهم ونحو ذلک قال عبد الرحمٰن
بن زید بن اسلم وقتادة وهٰذا
کقوله تعالیٰ (وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ
بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ
کَظِیْمٌ ۝ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ
سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ) الاٰیة وکقوله
(وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ
قُتِلَتْ) وقد کانوا ایضًا یقتلون
الاولاد من الاملاق وهو الفقر

اولاد کے قتل کو فقر و فاقہ کے خوف اور لڑکیوں کے
زندہ درگور کرنے کو شرم و عار کے خوف سے خوش آئند
بنادیا۔ علی بن ابی طلحہؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ
سے آیت وَکَذٰلِکَ زَیَّنَ الآیۃ کی تفسیر کے سلسلے
میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے اولاد کے قتل کو ان کے
لیے مزین کر دیا اور مجاہدؒ نے کہا: "شرکاء" سے
مراد اُن کے وہ "شیاطین" ہیں جو انھیں حکم دیتے
ہیں کہ فقر و فاقہ کے ڈر سے اولاد کو زندہ درگور کردیں۔
سدی نے کہا، انھیں شیاطین نے حکم دیا کہ لڑکیوں
کو قتل کردیں اس لیے کہ انھیں ہلاک کردیں یا ان
پر ان کے دین کو گڈمڈ کردیں۔ اسی طرح کی بات
عبدالرحمٰنؒ بن زید بن اسلم اور قتادہؒ نے کہی ہے
اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا وَاِذَا
بُشِّرَ ...... بُشِّرَ بِهٖ (اور جب ان میں کسی کو
لڑکی کی (ولادت کی) خوش خبری دی جاتی ہے
تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم کے
گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، وہ اس بُری خبر کے
کے باعث اپنی قوم سے چھپا چھپا پھرتا ہے) اور ر

(بقیہ حاشیہ صـ کا) ہمارے "شرکاء" کے لیے ہے تو جو اُن کے شرکاء کا ہوتا ہے وہ خدا کی طرف نہیں پہنچتا اور
جو خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے شرکاء تک پہنچ جاتا ہے، بہت بُرا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں" اس آیت سے
معلوم ہوا کہ ان کا مشرکانہ دین ان کا خود ساختہ تھا اور وہ فی الواقع اپنی خواہشات، مزعومات اور
جاہلانہ خیالات کے پیرو تھے۔

اوخشیۃ الاملاق ان یحصل لھم فی تلف المال وقد نھاھم عن قتل اولادھم لذالک وانما کان ھٰذا کلہ من تزیین الشیاطین وشرعھم ذالک۔

جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے وَاِذَا۔۔۔۔ قُتِلَتْ (اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا وہ کس جرم میں قتل کی گئی) اور وہ اپنی اولاد فقروفاقہ کی وجہ سے یا اس خوف سے کہ انھیں مالی نقصان ہوگا، قتل کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس غرض کے لیے انھیں اپنی اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اور یہ سب صرف اس لیے تھا کہ شیاطین نے ان چیزوں کو ان کے لیے خوش آئند بنا دیا تھا اور یہ دستور ان کے لیے بنا دیا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۂ انعام)

صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ مشرکانہ مذہبی رسوم و اعمال ہی مشرکانہ تحلیل و تحریم قرار نہیں پاتے بلکہ وہ جرائم بھی ''شرک'' شمار ہوتے ہیں جو شیطان کی وسوسہ اندازی سے کسی سماج میں رواج پا گئے ہوں جیسے فقر و فاقہ کی وجہ سے یا اس کے خوف سے اولاد کو قتل یا شرم و غیرت کی بنا پر ــــ کہ لڑکی کو بیاہنا پڑے گا ــــ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینا اور شیطان اور اس کی ذریت کو اس بنا پر ''خدا کا شریک'' بتایا گیا ہے کہ مشرکین خدا کی اس صریح نافرمانی اور جرم شنیع کے ارتکاب میں خدا کے قانون کی پیروی کرنے کے بجائے شیاطین کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے تھے اور خدا کی فرماں برداری کی راہ اختیار نہ کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

کان اھل الجاھلیۃ یدفنون بناتھم احیاءً خوفاً من الفقر او من التزویج وھو المراد من ھٰذہ الآیۃ واختلفوا فی المراد بالشرکاء فقال مجاھد شرکاءھم شیاطینھم امروھم ان یئدوا اولادھم خشیۃ العیلۃ

زمانۂ جاہلیت کے لوگ فقر و فاقہ یا شادی کے خوف سے اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور اس آیت میں یہی بات مُراد ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ''شرکاء'' سے کیا مراد ہیں۔ مجاہدؒ نے کہا۔ ''شرکاء'' سے مراد شیاطین ہیں جنھوں نے انھیں حکم دیا تھا کہ

وسميت الشياطين شركاء لأنهم
اطاعوهم في معصية الله تعالى
واضيفت الشركاء اليهم لانهم
اتخذوها كقوله تعالى (اَيْنَ
شُرَكَاءُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ)
وقال الكلبي كان لألهتهم سدنة
وخدام وهم الذين كانوا يزينون
للكفار قتل اولادهم وكان الرجل
يقوم في الجاهلية فيحلف بالله
لئن ولد له كذا وكذا غلاما
لينحرن احدهم كما حلف عبد المطلب
على ابنه عبد الله وعلى هذا القول
الشركاء هم السدنة سموا
شركاء كما سميت الشياطين
شركاء في قول مجاهد
(تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ انعام)

اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر سے زندہ درگور
کردیں اور شیاطین کا نام "شرکاء" رکھا گیا
کیونکہ انھوں نے اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت
کی اور "شرکاء" کی نسبت ان کی طرف اس لیے
کی گئی کیونکہ انھوں نے ان کو (خدا کا) شریک
بنایا تھا جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھارے
(بنائے ہوئے) "شرکاء" کہاں ہیں جنھیں تم (خدا
کا شریک) سمجھتے تھے) اور کلبی نے کہا ان کے
معبودوں کے مجاور اور خدام تھے اور وہی
کفار کے لیے ان کی اولاد کے قتل کو خوش آئند
بناتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہوتا کہ
آدمی کھڑے ہوکر کہتا "اگر اس کے اِس اِس
طرح لڑکے پیدا ہوئے تو وہ ان میں سے ایک
کو ضرور ذبح کرے گا" جیساکہ عبدالمطلب
نے اپنے لڑکے عبداللہ کے بارے میں قسم کھائی
تھی اور اس قول کے مطابق "شرکاء" مندروں
کے پروہت ہیں اور انھیں اس بنیاد پر
"شرکاء" کہا گیا جس بنیاد پر مجاہدؒ کے قول
میں "شیاطین" کو "شرکاء" کہا گیا ہے۔

اولاد کو قتل کرنے پر ابھارنے والے شیاطین ہوں یا مندروں کے پروہت ان کا خدا کا "شریک" کہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی گئی۔

"شرک" کا مفہوم

جو لوگ خدا کی خدائی اور اُس کے حقوق و اختیارات میں کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں، قرآن مجید اُن کے اِس فعل کو "شرک" قرار دیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بہت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ "شرک" کیا ہے اور "توحید" کیا۔ یہی نہیں، سورۂ نساء میں دو بار یہ بات واضح اور دو ٹوک الفاظ میں بتائی گئی کہ شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا

(نساء، ۴۷ تا ۴۹)

اے وہ لوگو جنھیں کتاب دی گئی، اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی، جو اُن (کتابوں) کی جو تمھارے پاس ہیں، تصدیق کرنے والی ہے قبل اس کے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے تو انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان کو اس طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔ اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک کیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں انھیں جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اور اللہ کے ساتھ جس نے کسی کو شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور سخت گناہ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا وہ اپنی پاکیزگی
(و تقویٰ) کا دم بھرتے ہیں حالانکہ اللہ ہی جسے
چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا
ذرّہ برابر بھی۔

اِن آیات میں ایک تو یہ بات صاف و صریح انداز میں بتائی گئی ہے کہ "شرک" کی مغفرت نہ ہوگی اور "شرک" سے کم تر ہر گناہ کی معافی ہوسکتی ہے بشرطیکہ خدا چاہے۔ دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا جسے اصطلاحًا "کفر" کہا جاتا ہے، شرک ہے اور ناقابلِ معافی جرم۔

اسی طرح یہ بات بھی ناقابل معافی "شرک" کی تعریف میں آتی ہے کہ ایمان اور عملِ صالح اور خدا کی سند کے بغیر کوئی گروہ کسی خاص نسل یا قوم یا گروہ سے وابستگی کی بنا پر خود کو پاکیزہ اور خدا کا چہیتا سمجھ لے۔ "شرک" ـــ ناقابلِ معافی شرک ـــ کی آیت سے قبل اور بعد میں یہ دو آیات متصلاً آئی ہیں اور اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انکار شرک ہے ـــ وہ شرک جس کی مغفرت نہ ہوگی، حقیقی شرک ـــ امام فخر الدین رازیؒ اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اِعْلَمْ اَنَّ اللہَ تعالیٰ لما ھدد الیھود علی الکفر وبین ان ذٰلک التھدید لابد من وقوعہ لامحالۃ بین ان مثل ھذا التھدید من خواص الکفر فاما سائر الذنوب التی ھی مغایرۃ للکفر فلیست حالھا کذٰلک بل ھو سبحانہ قد یعفو عنھا فلاجرم قال (اِنَّ اللہ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ) وفی الآیۃ مسائل	جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہود کو کفر کے باعث (عذاب کی) دھمکی دی اور واضح کیا یہ دھمکی ہر حال میں لازمًا پوری ہو کر رہے گی، تو یہ بھی واضح کیا کہ اس طرح کے عذاب (کی دھمکی کفر کے خواص میں سے ہے، رہے باقی سارے گناہ جو کفر سے مغائر ہیں، تو ان کا حال ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ان کو کبھی معاف بھی فرما دیتا ہے، اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ الآیۃ (اللہ اس بات

المسئلة الاولی هذه الآیة دالة
علی ان الیهودی یسمّٰی مشرکا فی
عرف الشرع ویدل علیه وجهان
الاول ان الآیة دالة علی ان ما
سوی الشرك مغفور فلو کانت الیهودیة
مغایرة للشرك لوجب ان تکون مغفورة
بحکم هذه الآیة بالاجماع هی غیر
مغفور بدل علی انها داخلة تحت
اسم الشرك، الثانی ان اتصال هذه
الآیة بما قبلها انما کان لانها تتضمن
تهدید الیهود فلولا ان الیهودیة
داخلة تحت اسم الشرك والا لم
یکن الامر کذلك ......

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۂ نساء)

کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک
کیا جائے، اس کے ماسوا جس گناہ کو، جس کے لیے
چاہے گا، معاف فرما دے گا) اور آیت کے
ذیل میں کچھ مسائل ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ یہ آیت
اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہودی کو شریعت
کے عرف میں مشرک کہا جائے گا اور اس کی دو
وجہیں ہیں، پہلی یہ کہ آیت اس بات پر دلالت
کرتی ہے کہ شرک کے سوا اور گناہ معاف
ہو سکتے ہیں، اگر یہودیت شرک سے مغائر
ہوتی تو ضروری ہوتا کہ اس آیت کے حکم کے
تحت وہ قابلِ مغفرت ہوتی حالانکہ اس
بات پر اجماع ہے کہ وہ قابلِ مغفرت نہیں
ہے، اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ
شرک کے نام کے تحت داخل ہے۔ دوسری
وجہ یہ ہے کہ یہ آیت پچھلی آیات سے متصل
ہے اور اس میں یہود کے لیے (عذاب کی)
دھمکی ہے اگر یہودیت شرک کے نام کے
تحت داخل نہ ہوتی تو معاملہ ایسا نہ ہوتا اور
شرک کی عدم مغفرت والی آیت یہود کے عذاب
والی آیت کے فوراً بعد نہ آتی) ......

امام رازیؒ نے مندرجہ بالا تشریح و تفسیر میں دو باتیں واضح فرمائیں، ایک یہ کہ
شرک کی عدم مغفرت والی آیت رسول پر نازل شدہ وحی پر ایمان لانے کے مطالبہ والی
آیت سے متصلاً بعد میں آئی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول پر ایمان نہ لانا "شرک"

میں داخل ہے، اُس شرک میں جس کا نتیجہ عذاب ابدی ہے۔ دوسری بات یہ کہ آیت کی رو سے شرک سے کم تر درجہ کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہود کی مغفرت نہیں ہو سکتی ـــ اور یہی حال دعوتِ حق کے تمام منکرین کا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہودیت اور ہر کفر "شرک" میں داخل ہے۔ گویا شرک صرف غیر اللہ کی پرستش کا نام نہیں ہے بلکہ خدائی قانون کو نظر انداز کر کے غیر الٰہی قوانین کا اتباع بھی ناقابلِ معافی شرک ہے۔

آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ فرماتے ہیں :۔

اِعْلَمْ اَنَّہٗ تَعَالیٰ لما ھدد الیھود بقولہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ فعند ھٰذا قالوا لسنا من المشرکین بل نحن من خواص اللہ تعالیٰ کما حکی تعالےٰ عنھم انھم قالوا نَحْنُ اَبْنٰٓءُ اللّٰہِ وَاَحِبَّاۗؤُہٗ وحکی عنھم انھم قالوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً وحکی انھم قالوا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ كَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی .... وبالجملۃ فالقوم کانوا قد بالغوا فی تزکیۃ انفسھم فذکر تعالیٰ فی ھٰذہ الآیۃ انہ لا عبرۃ بتزکیۃ الانسان نفسہ وانما العبرۃ بتزکیۃ اللہ لہ

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۂ نساء)

جان لو کہ جب اللہ نے یہود کو (عذاب کی) دھمکی یہ کہہ کر دی کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا (گویا یہود مشرک ہیں)، تو یہود نے اس پر کہا، ہم مشرکین میں سے نہیں ہیں، ہم تو اللہ کے خاص بندے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا کہ انھوں نے کہا "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں" اور یہ بھی نقل فرمایا کہ انھوں نے کہا "ہمیں دوزخ ہرگز نہ چھوئے گی مگر صرف گنتی کے دن" اور یہ بھی نقل فرمایا کہ انھوں نے کہا "جنت میں ہرگز داخل نہ ہو گا مگر وہ جو یہودی ہو یا عیسائی ہو"..... مختصر یہ کہ اہل کتاب نے اپنے مزکّیٰ اور پاک باز ہونے کے سلسلے میں بڑا مبالغہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا کہ انسان خود کو "مزکّیٰ" قرار دے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اعتبار صرف اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے مزکّیٰ قرار دے۔

یعنی تمہارے اپنے آپ کو "مزکیٰ" اور خدا کا چہیتا" قرار دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ "مزکیٰ" وہ ہے جسے خدا "مزکیٰ" قرار دے۔ رہے تم تو تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کا انکار کر کے "شرک" کیا ہے اور تم اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ" الآیۃ کے تحت خدا کے ابدی عذاب کے مستحق ہو نہ کہ خدا کے چہیتے اور "مزکیٰ"۔

مفسر ابوالسعود ان روایات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

کلام مستانف مسوق لتقریر ما قبله من الوعید وتاکید وجوب الامتثال بالامر بالایمان ببیان استحالة المغفرة بدونه فانهم کانوا یفعلون مایفعلون من التحریف ویطمعون فی المغفرة کما فی قوله تعالیٰ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى ۔ ای علی التحریف ـــــ وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا والمراد بالشرك مطلق الکفر المنتظم لکفر الیهود انتظامًا اوّلیًّا فَاِنَّ الشَّرْعَ قد نص علیٰ اشراك اهل الکتاب قاطبة وقضی بخلود اصناف الکفرة فی النار ونزوله فی حق الیهود کما قال مقاتل وهو الانسب بسیاق النظم الکریم

(تفسیر ابی السعود)

یہ نیا کلام ہے جو اس سے قبل کی وعید کو ثابت کرنے اور ایمان لانے کے حکم کی تعمیل کے وجوب کو مؤکّد کرنے کے لیے ہے۔ یہ واضح کر کے کہ ایمان لائے بغیر مغفرت محال ہے اور یہود کا حال یہ ہے کہ وہ (کتابِ الٰہی میں) جو جو تحریف کرتے ہیں، اُس سب کے باوجود انھیں مغفرت کی توقع رہتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ فَخَلَفَ ۔۔۔۔۔ الآیۃ (تو ان کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جو کتابِ الٰہی کے وارث ہوئے مگر وہ (کتابِ الٰہی میں) تحریف کے اس پست دنیا کا سامان (اس کے عوض) لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہوگی) اور (اس آیت میں) شرک سے مراد مطلق کفر ہے جس میں یہود کا کفر سب سے پہلے شامل ہے کیونکہ شریعت میں یہ بات منصوص ہے کہ سب اہلِ کتاب مشرک ہیں اور شریعت نے تمام (تمام) کے کفار کے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ آیت (خصوصیت سے) یہود کے حق میں

نازل ہوئی ہے جیسا کہ مُقاتلؒ نے کہا ہے اور یہی
بات قرآن مجید کے نظم کے سیاق کے لحاظ سے
مناسب تر ہے۔

معلوم ہوا کہ یہود ہی کا نہیں، سب کفار کا کفر "شرک" ہے اور اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ الآیۃ کے تحت آنے کے باعث ناقابلِ مغفرت۔ یہ رائے بھی سامنے آئی کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ الآیۃ یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہ اس کے اولین مصداق ہیں، گویا اصل شرک یہ ہے کہ رسول پر ایمان نہ لایا جائے اور اس کے لائے ہوئے دین کو قبول نہ کیا جائے۔

مشہور مفسر امام ابن جریر طبریؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یعنی بذالک جلّ ثناءہ یاایّھا الذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزّلنا مصدقاً لما معکم واِنّ اللہ لا یغفر ان یّشرک بہٖ فانّ اللہ لا یغفر الشرک بہٖ والکفر ویغفر ما دون ذٰلک الشرک لمن یشاء من اھل الذنوب والآثام (تفسیر ابن جریر طبری، جزء ۵، تفسیر سورۃ نساء)	ان آیات سے اللہ جلّ شانہ کی مراد یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے جو اُن کتابوں کا مصدّق ہے جو تمھارے پاس ہے، اس پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کو معاف نہیں فرماتا اور شرک سے کم درجہ کے گناہوں کو جن گناہ کاروں کے لیے اللہ چاہے گا معاف فرمادے گا۔

امام ابن جریر طبریؒ نے وہی بات فرمائی ہے جو امام رازیؒ اور مفسر ابوالسعودؒ نے بیان کی ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ کے اس قول کو نقل کرتے ہوئے تفسیر "خازن" میں ہے:۔

قال ابن جریر الطبری معناہ یا ایّھا الذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزّلنا فانّ اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء فعلیٰ ھذا یکون فی الآیۃ دلالۃ علیٰ انّ الیھودی یسمّی	ابن جریر طبریؒ نے کہا، آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے اہلِ کتاب جو (دین) ہم نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ (ورنہ مغفرت نہ ہوگی) کیونکہ اللہ اس بات کو معاف نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس سے کم تر درجے کے گناہ

کو، جسے چاہے گا، معاف کردے گا۔ اس طرح آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ یہودی کو شرع میں "مشرک" کہا جائے گا۔

مشرکا فی عرف الشرع

(تفسیر خازن، تفسیر سورۂ نساء)

ائمۂ تفسیر کی اِن تشریحات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ شرک یہی نہیں ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کی جائے۔ خدا کے نازل کردہ قانون کا انکار اور اس کی پیروی سے انحراف بھی شرک ہے، حقیقی شرک، جلی شرک، ناقابلِ معافی شرک اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ الآیۃ میں اصلاً اسی شرک کا بیان ہے۔

شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ اِس کا ذکر سورۂ نساء کے دوسرے مقام پر اس طرح ہے:-

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور جو رسول کی مخالفت کرے اِس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہوگئی اور اہلِ ایمان کی راہ کے سوا دوسری راہ پر چلے ہم اسے اُس راہ پر چلائیں گے جس پر وہ چلا اور اسے ہم دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ اِس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس سے کم تر درجہ کے گناہ کو جس کے لیے چاہے گا معاف فرمائے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا، وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے (عبادت کرتے) ہیں، وہ (فی الحقیقت) سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی (رحمت سے دور پھینک دیا) اور اُس (شیطان) نے کہا۔ میں تیرے بندوں میں سے

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ہ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا ہ اُولٰئِكَ مَاْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ہ (سورۂ نساء ۱۱۵ تا ۱۲۱)	ایک مقررہ حصّہ لے کر رہوں گا، میں انھیں بہکاؤں گا میں انھیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا، میں انھیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان پھاڑیں گے اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں ردّو بدل کریں گے اور جس کسی نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا سرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑگیا، وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے، انھیں امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے وعدے فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، جہاں سے وہ نکل نہ سکیں گے۔

امام ابن جریر طبریؒ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وَاَمَّا قَوْلُهٗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا فَاِنَّهٗ يَعْنِيْ وَمَن يجعل لله فی عبادته شریکًا فقد ذهب عن طریق الحق وزال عن قصد السبیل ذهابًا بعیدًا وزوالًا شدیدًا وذٰلك بانه باشراکه بالله فی عبادته فقد اطاع الشیطان وسلك طریقة وترك طاعة الله ومنهاج دینه فذٰلك هو الضلال البعید والخسران المبین ہ (تفسیر ابن جریر طبری، جزء ۵، تفسیر سورۂ نساء)	رہا اللہ کا یہ قول وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا تو اس سے اللہ کی مراد یہ ہے کہ جو اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرتا ہے وہ حق کے راستے سے بہت دور چلا جاتا ہے اور راہِ راست سے بہت زیادہ ہٹ جاتا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی بندگی میں شرک کرکے شیطان کی اطاعت کی، اس کے راستے پر چلا اور اللہ کی اطاعت اور اس کے دین کا راستہ چھوڑ دیا اور یہی بہت بڑی گمراہی اور کھلا ہوا خسران ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل گمراہی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اور اس کے دین کی پیروی نہ کی جائے اور شیطان کی پیروی اختیار کی جائے اور اس کی دکھائی ہوئی راہ پر چلا جائے۔ شرک اس لیے بہت بڑی گمراہی ہے کہ وہ خدا کی اطاعت سے انحراف اور شیطان کا مکمل اتباع ہے۔

وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا لَعَنَهُ اللهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں :-

فَإِنْ قال قائل وكيف يتخذ الشيطان من عباد الله نصيبًا مفروضا قيل يتخذ منهم ذالك النصيب باغوائه اياهم عن قصد السبيل ودعاءه اياهم الى طاعته وتزيينه لهم الضلال والكفر حتّٰى يزيلهم عن منهج الطريق فمن اجاب دعاءه واتبع ما زيّنه له فهو من نصيبه المعلوم وحظه المقسوم وانما اخبر جل ثناءه فى هٰذه الاٰية بما اخبر به عن الشيطان من قبله لا تخذنّ من عبادك نصيبًا مفروضًا ليعلم الذين شاقوا الرسول من بعد ما تبين لهم الهدىٰ انهم من نصيب الشيطان الذى لعنه الله المفروض وانه ممن صدق عليهم ظنه

(تفسیر ابن جریر، تفسیر سورۃ نساء)

اگر کوئی شخص کہے، شیطان کس طرح اللہ کے بندوں میں سے مقررہ حصہ لیتا ہے، کہا جائے گا شیطان یہ حصہ ان میں سے اس طرح حاصل کرتا ہے کہ انھیں راہِ راست سے بہکاتا ہے، اپنی اطاعت کی طرف انھیں بلاتا ہے اور گمراہی اور کفر کو ان کے لیے خوشنما بناتا ہے یہاں تک کہ انھیں صحیح راستہ سے ہٹا دیتا ہے، تو جو شخص اس کی پکار پر لبیک کہتا ہے اور اس چیز کی پیروی کرتا ہے جسے اس نے اس کے لیے خوشنما بنایا ہے تو وہ شخص اس کا مقررہ اور معلوم حصہ ہوتا ہے اور اللہ جلّ شانہٗ نے شیطان کے اس قول لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا کا ذکر اس آیت میں صرف اس لیے کیا ہے کہ جو لوگ ہدایتِ الٰہی کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ جان لیں کہ وہی شیطان کا مقررہ حصہ ہیں، وہ شیطان جس پر خدا نے لعنت کی ہے اور شیطان کا خیال ان کے بارے میں سچا ثابت ہو گیا ہے۔

اِس اقتباس سے مزید یہ بات معلوم ہوئی کہ حقیقی شرک یہ ہے کہ خدا کی اطاعت اور اس کے دین کی پیروی و اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت کی جائے اور اس کے دکھائے ہوئے راستہ پر چلا جائے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کی تفسیر میں متعدد اقوال اور بہت سی روایات نقل کر کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

قال ابو جعفر واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناه وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ قال دین الله وذالك لدلالة الآیة الاُخریٰ علیٰ انّ ذالك معناه وهی قوله فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ واذا كان ذالك معناه دخل فی ذالك فعل كل مانهی الله عنه من خصاء ما لا یجوز خصاءه ووشم ما نهی عن وشمه ووشره وغیر ذالك من المعاصی ودخل فیه ترك كل ما امر الله به لانّ الشیطان لا شك انه یدعوا الی جمیع معاصی الله وینهیٰ عن جمیع طاعته فذالك معنی امره نصیبه المفروض من عباد الله بتغییر ما خلق الله من دینه . . . .

(تفسیر ابن جریر، تفسیر سورۂ نساء)

ابو جعفر (ابن جریر طبریؒ) نے کہا صحیح تر قول اُس شخص کا ہے جس نے اِس آیت میں خلق اللہ کے معنیٰ "اللہ کا دین" لیے کیونکہ ایک اور آیت اِس مفہوم پر دلالت کرتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فطرۃ اللّٰہِ الآیۃ (اللہ کی فطرت، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہی دینِ قیّم ہے) اور جب اس کے معنیٰ یہ ہیں تو اس میں ہر اُس فعل کا کرنا داخل ہے جس سے اللہ نے منع کیا ہے مثلاً اس چیز کا خصی کرنا جسے خصی کرنا جائز نہیں ہے اور اس چیز کا گودنا جس کے گودنے سے اللہ نے منع کیا ہے اور اس کے علاوہ اور معاصی اور اس میں ہر اُس چیز کا ترک کرنا داخل ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کیونکہ شیطان بلاشبہ اللہ کی تمام نافرمانیوں کا حکم دیتا اور تمام اطاعتوں سے روکتا ہے اور یہی مفہوم ہے اِس بات کا کہ وہ اللہ کے بندوں میں سے اپنے مقررہ حصّہ کو اللہ کے تخلیق کردہ دین میں تبدیلی

کا حکم دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ شرک اور توحید میں اصل چیز صرف اللہ اور غیر اللہ کی پرستش نہیں، اللہ اور غیر اللہ کی اطاعت ہے ——— واضح رہے کہ یہ اُن آیات کی تفسیر ہے جو شرکِ جلی اور ناقابلِ مغفرت شرک کی تشریح کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ (اور جس کسی نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا سرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا، وہ ان سے وعدے کرتا ہے، انھیں اُمیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے وعدے فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے)، کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:۔

وھذا خبر من اللہ جل ثناءہ عن حال نصیب الشیطان المفروض من الذین شاقوا اللہ ورسولہ من بعد ما تبین لہم الہدیٰ یقول اللہ ومن یتبع الشیطان فیطیعہ فی معصیۃ اللہ وخلاف امرہ ولیوالیہ فیتخذہ ولیا لنفسہ ونصیرا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا۔

یہ اللہ جلّ ثنارہٗ کی جانب سے ان لوگوں کے حال کی اطلاع ہے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہوگئی اور اس طرح وہ شیطان کا مقررہ حصہ بن گئے۔ اللہ فرماتا ہے، جو شیطان کی پیروی کرتا ہے اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے احکام کی مخالفت میں اس کی اطاعت کرتا اور اللہ کے بجائے اس سے دوستی کرکے اسے اپنا دوست اور مددگار بنالیتا ہے وہ کھلے ہوئے گھاٹے میں پڑ جاتا ہے

- - - - - - - - -

(تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر سورۂ نسار)

اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ سب آیات اوّل سے آخر تک مربوط ہیں اور ان میں جس بنیادی خرابی کی نشان دہی کی گئی ہے وہ خدا کے دین اور اس کے رسول کی مخالفت اور شیطان کا اتباع ہے کہ یہی چیز شرک کی اصل روح اور ناقابلِ مغفرت جُرم ہے۔ ان آیات کے فوراً بعد کی آیات ہے جن میں صحیح راہ کی نشان دہی کی گئی

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ٥ لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ٥ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ٥ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ٥

(نساء، ۱۲۱ تا ۱۲۵)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عملِ صالح کیے ہم انھیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا وعدہ ہے، سچا وعدہ اور اللہ سے زیادہ کس کا وعدہ سچا ہو سکتا ہے۔ نہ تمھاری آرزوؤں سے کچھ ہوگا اور نہ اہلِ کتاب کی، جو بُرے کام کرے گا اس کی سزا پائے گا اور اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار اُسے نہ ملے گا اور جو کوئی عملِ صالح کرے ــ مرد ہو یا عورت ــ بشرطیکہ وہ مومن ہو، ایسے لوگ جنّت میں داخل ہوں گے اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اُس شخص سے بہتر کس کا دین ہوگا جو اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دے بشرطیکہ وہ محسن ہو اور ابراہیمؑ حنیف کا پیرو ہو اور اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا ہے۔

اِن آیات میں سارا زور ایمان اور عملِ صالح بالفاظِ دیگر اطاعتِ خدا اور رسول پر ہے نہ کہ صرف خدا کی پرستش پر۔

امام حافظ ابن کثیرؒ اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا) ای هو الذی امرهم بذالك وحسّنه وزیّنه لهم وهم انّما یعبدون ابلیس فی نفس الامر کما قال تعالیٰ اَلَمْ اَعْهَدْ

وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا (وہ نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی) یعنی وہی ہے جس نے انھیں اِس (بتوں کی پرستش) کا حکم دیا اور اس کام کو ان کے لیے

اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ الآیۃ..........

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۂ نساء)

حسین اور خوشنما بنایا، اس لیے حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے وہ صرف ابلیس کی "عبادت" کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے بنی آدم! کیا ہم نے تمھیں یہ نہ بتا دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔

معلوم ہوا کہ "شرک" کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ شیطانِ لعین کی "عبادت" ہے "عبادت" اس معنیٰ میں کہ اس کی وسوسہ اندازی اور ترغیب و تحریص کا شکار ہو کر مشرکین خدا کی نافرمانی اور شرک کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس طرح اس کی اطاعت کر کے اُسے "معبود" کا مقام دیتے ہیں، شیطان کی اطاعت اس کی عبادت ہے اور یہ عبادت شرک ہے!

امام رازیؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(وَاِنْ یَّدْعُوْنَ) ای وما یعبدون (اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا) قال ابن عباس لکل صنم شیطان یدخل فی جوفہ ویتراءی للسدنۃ والکھنۃ ویکلمھم فلذلک قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا وقیل ھو ابلیس لانہ اغواھم واغراھم علی عبادتھا واطاعوہ فجعلت طاعتھم لہ عبادۃ....... (وقال) یعنی ابلیس (لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا) یعنی حظًا مقدرًا معلومًا فکل ما اطیع فیہ ابلیس فھو نصیبہ ومفروضہ....... وھذا النصیب ھم الذین یتبعون خطواتہ ویقبلون وساوسہ....... (وَلَاٰمُرَنَّھُمْ)

(وَاِنْ یَّدْعُوْنَ) وہ عبادت نہیں کرتے۔ (اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا) ابن عباسؓ نے کہا ہر بُت کا شیطان ہوتا ہے جو اس کے پیٹ میں داخل ہوتا ہے اور وہ پروہتوں اور کاہنوں کو نظر آتا ہے اور ان سے بات کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا اور کہا گیا کہ اِس سے مراد ابلیس ہے کیونکہ وہی ہے جس نے انھیں بہکایا اور ان کی عبادت پر انھیں آمادہ کیا اور انھوں نے اُس کی اطاعت کی تو اس کی اطاعت "عبادت" قرار پائی (لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا) یعنی تیرے بندوں سے مقدر اور معلوم حصہ لوں گا تو وہ ہر چیز جس میں ابلیس کی اطاعت کی جائے وہ اس کا حصہ ہے، جو لوگ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ) قَالَ اِبن عباس يعني دين الله وتغيير دين الله هو تحليل الحرام وتحريم الحلال وقيل تغيير خلق الله هو تغيير الفطرة التي فطر الخلق عليها........ (وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللهِ) يعني يتخذه ربًّا يطيعه فی ما یأمرہ به وقيل الولی من الموالاة وهو الناصر (فقد خسر خسرانًا مُّبِيْنًا) لان طاعة الشيطان توصله الى نار جہنم۔

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۂ نساء)

کرتے اور اس کے وسوسوں کو قبول کرتے ہیں، وہ اس کا حصہ ہیں........ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ) ابن عباسؓ نے کہا خلق اللہ سے مراد اللہ کا دین ہے، اور اللہ کے دین کو بدلنا یہ ہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا جائے اور کہا گیا کہ تغییرِ خلق اللہ سے مراد اس فطرت کو بدلنا ہے جس پر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا.... (وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللهِ) یعنی جو شیطان کو اپنا "رب" بنا لے کر اس کے احکام کی اطاعت کرے، اور کہا گیا "ولی" "موالات" سے ہے یعنی مددگار۔ (فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا) کیونکہ شیطان کی اطاعت اسے نارِ جہنم تک پہنچا دے گی۔

اس تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں :۔ شرک فی الواقع شیطان کی عبادت ہے۔۲۔ جو شخص شیطان کی اطاعت کرتا ہے وہ اس کی عبادت کرتا اور اُسے "رب" بناتا ہے۔۳۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنا خدا کے دین کو بدلنا اور شیطان کی اطاعت کرنا ہے اور یہ سب ناقابلِ مغفرت شرک ہے۔

امام نسفیؒ اپنی تفسیر "مدارک التنزیل" میں فرماتے ہیں :۔

(وَاِنْ يَّدْعُوْنَ) يَعْبُدُوْنَ (اِلَّا شَيْطَانًا) لِاَنَّهُ هُوَ الَّذِيْ اَغْرَاهُمْ عَلٰى عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ فَاَطَاعُوْهُ فجعلت طاعتهم له عبادة

(تفسیر مدارک التنزیل تفسیر سورۂ نساء)

(وَاِنْ يَّدْعُوْنَ یعنی عبادت کرتے ہیں۔ اِلَّا شَيْطَانًا (شیطان کی) کیونکہ اس نے ان کو بتوں کی پرستش پر اُبھارا تو انھوں نے اس کی اطاعت کی تو ان کی یہ اطاعت (شیطان کی) "عبادت" قرار پائی۔

معلوم ہوا کہ شیطان کی "عبادت" یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔

مفسر ابوالسعودؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

(وَاِنْ یَدْعُوْنَ) وما یعبدون بعبادتہا (اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا) اذ ھو الذی امرھم بعبادتہا واغراھم علیہا فکانت طاعتہم لہ عبادۃ .... ثم استدل علیہ بان ذالک عبادۃ الشیطان وھو افظع الضلال من وجوہ ثلاثۃ الاول انہ منہمک فی الغی لا یکاد یعلق بشیٔ من الخیر والھدیٰ فتکون طاعتہ ضلالاً بعیداً عن الحق والثانی انہ ملعون لضلالہ فلا تستتبع مطاوعتہ سوی اللعن والضلال والثالث انہ فی غایۃ السعی فی اھلاکہم واضلالہم فموالاۃ من ھذا شانہ غایۃ الضلال فضلا عن عبادتہ

(تفسیر ابی السعودؒ)

(وَاِنْ یَدْعُوْنَ) وہ بتوں کی عبادت کر کے عبادت نہیں کرتے (اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا) سرکش شیطان کی کیونکہ وہی ہے جس نے انھیں ان کی عبادت کا حکم دیا اور انھیں اس پر اکسایا تو شیطان کے لیے ان کی اطاعت شیطان کی عبادت ہے.... پھر یہ استدلال کیا گیا کہ یہ شیطان کی عبادت ہے جو تین وجوہ سے بدترین گمراہی ہے ایک یہ کہ شیطان گمراہی میں منہمک ہے، کسی خیر اور ہدایت سے اس کا ذرا سا بھی تعلق نہیں تو اس کی اطاعت حق سے دوری اور شدید گمراہی ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی گمراہی کی وجہ سے (خدا کی) لعنت کا مستحق ہے تو اس کی پیروی کا نتیجہ لعنت اور گمراہی کے سوا کیا نکلے گا اور تیسری وجہ یہ ہے کہ شیطان انسانوں کو گمراہ کرنے اور انھیں ہلاک کرنے کی انتہائی کوشش میں معروف ہے تو جس کا یہ حال ہو اس کی دوستی انتہائی گمراہی کی بات ہے، چہ جائے کہ اس کی عبادت (بندگی و اطاعت) کی جائے۔

یعنی گمراہی و فساد کی اصل جڑ خدا کے بجائے شیطان کی اطاعت ہے، یہ شیطان جیسے ازلی دشمن کو اپنا مطاع اور معبود بنانا ہے جو نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک اور مہلک ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ دہلوی اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

اوپر سے ذکر تھا منافقوں کا، جو پیغمبروں کے حکم پر راضی نہ ہوا اور جُدی راہ چلے،
یہ آیت فرمائی کہ اللہ شرک نہیں بخشتا تو شرک فرمایا حکم میں شریک کرنے
کو، یعنی سوائے دینِ اسلام کے، سب شرک ہے، اگرچہ پوجنے میں شریک
نہ کرتے ہوں۔" (تفسیر موضح القرآن)

معلوم ہوا کہ حکم اور اطاعت میں کسی کو شریک کرنا اُسی درجہ کا شرک ہے۔ جیسا
پرستش میں کسی کو خدا کے ساتھ شریک کرنا اور شرک فی الاطاعۃ بھی اسی طرح ناقابلِ مغفرت ہے
جس طرح شرک فی العبادۃ۔

مولانا امین احسن اصلاحی اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

"آگے پہلے وجہ بیان ہوئی ہے اِس بات کی کہ یہ منافقین جو اللہ کی ہدایت واضح
ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت اور مومنین کی راہ سے الگ اپنی راہ نکالنا
چاہتے ہیں جہنم میں پڑیں گے تو کیوں پڑیں گے؟ اس کا جواب یہ آیا ہے کہ اللہ کی ہدایت
کے خلاف کوئی راہ اختیار کرنا، خدا کے رسول کے خلاف اپنی پارٹی کھڑی کرنا
اور مومنین کے راستے سے الگ راہ نکالنا اپنی حقیقت کے لحاظ سے شرک ہے
اور اللہ تعالیٰ کا شرک کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ وہ اُس کو معاف کرنے والا نہیں۔
اس کے بعد شرک کے ذکر کے تعلق سے شرک کی حقیقت واضح فرمائی کہ جو لوگ
شرک کرتے ہیں وہ درحقیقت شیطان کے پیرو ہیں، اس نے ان کے لیے آرزوؤں
کے جو پُر فریب دام بچھائے ہیں، اس میں وہ پھنس گئے ہیں اور جو کچھ وہ انھیں
سمجھاتا ہے بالکل اندھے بہرے ہو کر اس کی تعمیل کر رہے ہیں حالانکہ اس کے
تمام دعوے بالکل فریب ہیں، ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جس میں داخل ہونے
کے بعد اس سے ان کو نکلنا نصیب نہ ہوگا۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد فرمایا کہ
جھوٹی آرزوؤں پر جو لوگ جی رہے ہیں، خواہ منافقین ہوں یا اہلِ کتاب سب
دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اِن میں سے کسی کی آرزو پوری ہونے والی نہیں،
خدا کے ہاں کام آنے والی چیز ایمان اور عملِ صالح ہے، خدا کی بہشت میں وہی

داخل ہوں گے جن کے پاس یہ متاع ہوگی، جو اس سے محروم ہوں گے، وہ اپنی
برائیوں کی سزا بھگتیں گے خواہ کوئی ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(تدبر قرآن، جلد دوم صفحہ ۱۰۶)

وہ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں :-

" اوپر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں یہ شرک کا ذکر اُن منافقین کے تعلق سے
ہوا ہے جو رسول کی، ہدایتِ الٰہی کی، اور طریقۂ اہل ایمان کی مخالفت کر رہے تھے
خدا کی شریعت اور اس کے قانون کے ہوتے ہوئے کسی اور کے قانون و شریعت
کی پیروی کی جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ جو حق خدا کا ہے اس میں دوسرے
کو شریک کر دیا گیا ہے، رسول، اللہ کی شریعت لاتا ہے، ہدی اللہ اللہ کی
شریعت ہے اور اہلِ ایمان کا طریقہ اسی شریعت پر قائم ہے، اب جو لوگ
اُس سے الگ کوئی راہ نکالنے کے درپے ہیں۔ وہ راہ اللہ کی نہیں بلکہ شیطان
کی ہے اور اس پر چلنے والے شیطان اور طاغوت کے پیرو ہیں اور یہ چیز اسی
طرح شرک ہے جس طرح تحاکم الی الطاغوت شرک ہے جس کا ذکر
پیچھے گزر چکا ہے۔"

(تدبر قرآن، جلد دوم صفحہ ۱۰۸)

"شرک" کا مفہوم

جو شخص "شرک" کی راہ اختیار کرے۔ قرآن اُسے "مشرک" کہتا ہے۔
قرآن مجید میں یہ لفظ بہت آیا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ "مشرک" کسے کہتے ہیں۔ مثلاً سورۂ انعام میں ہے :۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝ (انعام، ۱۲۱)

اور اُس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہ لیا جائے۔ اللہ کا اور وہ گناہ ہے اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم "مشرک" ہوئے (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

آیت اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا جائے۔ اُس کا کھانا اہل ایمان کے لیے حرام ہے لیکن اگر مشرکین اور کفّار کی بحث سے متاثر ہو کر کسی مومن نے ان کی بات مان لی اور اس حرام کو حلال سمجھ کر کھا لیا تو اس نے "شرک" کا ارتکاب کیا اور وہ "مشرک" ہو گیا۔ امام حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وقوله تعالىٰ (وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ) اى حيث عدلتم عن امر الله لكم وشرعه الى قول غيره فقدمتم عليه غيره فهذا هو الشرك كقوله تعالىٰ (اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ) الاية وقد روى الترمذى فى تفسيرها عن عدى بن

اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اللہ کے حکم اور اس کی شریعت سے اعراض کیا اور غیر اللہ کے قول کی طرف مائل ہوئے اور تم نے اللہ پر غیر اللہ کو مقدم رکھا تو یہی تو شرک ہے (جس کی بنا پر تم "مشرک" ٹھہرے) جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو

حاتم انه قال یارسول الله ماعبدهم فقال بلی انهم احلوالهم الحرام وحرموا علیهم الحلال فاتبعوهم فذالك عبادتهم ایاهم

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۂ انعام)

اللہ کے بجائے اپنا "رب" بنا لیا ہے۔" اور ترمذیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں عدی بن حاتمؓ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسولؐ! انھوں نے ان علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کی تھی، فرمایا، کیوں نہیں، انھوں نے ان کے لیے حرام کو حلال کیا اور حلال کو حرام کیا اور انھوں نے اس میں ان کی پیروی کی تو یہی ان کی "عبادت" ہے جو انھوں نے علماء و مشائخ کی۔

معلوم ہوا کہ جو شخص خدا کے دین اور اس کے قانون پر غیر الٰہی دین اور قانون کو مقدم رکھے اور اسے صحیح تسلیم کرے وہ "مشرک" ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ یعنی فی استحلال المیتة اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ قال الزجاج وفیه دلیل علی ان کل من احل شیئًا مما حرم الله تعالیٰ اوحرم شیئًا مما احل الله فهو مشرك وانما سمی مشركًا لانه اثبت حاكمًا سوی الله تعالیٰ وهذا هو الشرك۔ المسئلة الثالثة قال الكعبی الأیة حجة علی ان الایمان اسم لجمیع الطاعات وان كان معناه فی اللغة التصدیق كما جعل تعالیٰ الشرك اسمًا لكل ما كان مخالفًا لله

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ (اور اگر تم نے ان کا کہا مانا) یعنی مردار کو حلال سمجھنے کے سلسلے میں تو تم بیشک "مشرک" ہو گئے۔ زجاج نے کہا اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ جس نے خدا کی حرام کردہ کسی شے کو حلال کیا یا خدا کی حلال کی ہوئی اشیاء میں سے کسی کو حرام کیا وہ "مشرک" ہے۔ اور اُسے "مشرک" صرف اس لیے کہا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو حاکم ثابت کیا اور یہی شرک ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کعبیؒ نے کہا، آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان تمام اطاعتوں کا نام ہے، اگرچہ اس کے معنیٰ لغت میں تصدیق کے ہیں، جیسا کہ

تعالیٰ وان کان معناہ فی اللغۃ مختصا من یعتقد ان للہ شریکًا بدلیل انہ تعالیٰ سمّٰی طاعۃ المؤمنین للمشرکین فی اباحۃ المیتۃ شرکًا ولقائل ان یقول لم لا یجوز ان یکون المراد من الشرک اعتقاد ان للہ شریکًا فی الحکم والتکلیف وبہذا التقدیر یرجع معنیٰ ھذا الشرک الی الاعتقاد فقط

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ انعام)

اللہ تعالیٰ نے ہر اُس چیز کا نام "شرک" رکھا جو اللہ تعالیٰ کی مخالف ہو اگرچہ لغت میں وہ اُس شخص کے لیے مختص ہے جو اِس بات کا معتقد ہو کہ اللہ کا کوئی شریک ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس بات کو "شرک" کہا ہے کہ اہل ایمان مردار کو مباح سمجھنے میں مشرکین کا کہنا مان لیں، لیکن کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے، یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ "شرک" سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ حکم دینے اور مکلّف ٹھہرانے میں کوئی اللہ کا شریک ہے اور اس توجیہ کی رو سے شرک کا مفہوم صرف اعتقاد تک محدود رہے گا۔

یعنی جس شخص نے خدا کے سوا کسی کو حاکم مانا یا خدا کی حاکمیت میں کسی کو شریک کیا یا خدا کی حرام کی ہوئی اشیاء میں سے کسی کو حلال اور حلال اشیاء میں سے کسی کو حرام قرار دیا وہ "مشرک" ہے۔

مفسّر ابو السعودؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :۔

(وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ) فی استحلال الحرام وساعدتموھم فی اباطیلھم (اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ) ضرورۃ ان من ترک طاعۃ اللہ الی طاعۃ غیرہ واتبعہ فی دینہ فقد اشرکہ بہ تعالیٰ بل اثرہ علیہ سبحانہ

(تفسیر ابو السعودؒ)

اور اگر تم نے حرام کو حلال سمجھنے میں ان کا کہا مانا اور ان کے باطل خیالات و اعمال میں ان کی مدد کی تو اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (تم مشرک ہوئے)، بوجہ اس کے کہ جس کسی نے اللہ کی اطاعت چھوڑ کر دوسرے کی اطاعت اختیار کی اور دین کے معاملہ میں اس کی پیروی کی اس نے اللہ کے ساتھ اسے شریک کیا بلکہ اسے خدا پر ترجیح دی۔

معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی اطاعت اور خدا کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھنا "شرک" ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ اِس آیت کی تفسیر اِس طرح فرماتے ہیں :-

"یعنی شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے بلکہ شرک حکم میں ہے کہ اور کا مطیع ہووے۔" (تفسیر موضح القرآن)

مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر (بطریق مذکور) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (جیسا کہ مشرکین ایسے جانوروں کو کھاتے ہیں) بلاشبہ یہ (یعنی مَالَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ کا کھانا) گناہ کی بات ہے (غرض نہ ترک میں اُن کا اتباع کرو، نہ فعل میں) اور (اِن لوگوں کے شبہات اِس لیے قابلِ التفات نہیں کہ) یقیناً شیاطین (جن) اپنے (اِن) دوستوں (اور پیروؤں) کو (یہ شبہات) تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے (بیکار) جدال کریں (یعنی اوّل تو یہ شبہات نہیں دوسرے غرض محض جدال، اس لیے قابلِ التفات نہیں) اور اگر تم خدانخواستہ اِن لوگوں کی اطاعت (عقائد یا افعال میں) کرنے لگو تو یقیناً مشرک ہو جاؤ کہ خدا کی تعلیم پر دوسرے کی تعلیم کو ترجیح دو، جہاں برابر سمجھنا بھی شرک ہے یعنی ان کی اطاعت ایسی بُری چیز ہے، اس لیے اس کے مقدمات یعنی التفات سے بھی بچنا چاہیے۔" (تفسیر بیان القرآن، تفسیر سورۂ انعام)

یعنی عقائد یا اعمال میں مشرکین کا کہنا ماننا، خدا کی تعلیم کے برابر کسی کی تعلیم کو سمجھنا یا خدا کے احکام پر کسی کے احکام کو ترجیح دینا، یہ سب "شرک" ہے اور کرنے والا "مشرک"۔ — معلوم ہوا کہ "شرک" اور "مشرک" کا جتنا تعلق پرستش سے ہے۔ اتنا ہی تحلیل و تحریم اور اطاعت سے ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"شرک صرف یہی نہیں ہے کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے، بلکہ شرک حکم میں بھی ہے کہ کسی چیز کی تحلیل و تحریم میں مستندِ شرعی کو چھوڑ کر محض آرامد

اہوار کا تابع ہو جائے جیسا کہ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر میں مرفوعاً منقول ہے کہ اہلِ کتاب نے وحیٔ الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار و رُہبان ہی پر تحلیل و تحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا۔" (تفسیری حواشی)

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :۔

"آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال ٹھہرا لینا انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ دَلَّت الآیۃ انّ من استحلّ شیئًا مما حرّم اللہ تعالیٰ صار بہٖ مشرکًا[1] (قرطبی)" (تفسیر ماجدی جلد دوم صفحہ ۴۳)

تحلیل و تحریم کا اسلام میں کیا مقام ہے، اس کا اندازہ سورۂ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتا ہے :۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (توبہ، آیت ۲۹)

لڑو اُن لوگوں سے، جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر، نہ پچھلے دن پر اور نہ حرام جانیں جو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کریں دین سچا، وہ جو کتاب والے ہیں جب تک دیں جزیہ سب ایک ہاتھ سے اور وہ بے قدر ہوں۔ (ترجمہ شاہ عبد القادرؒ)

اِس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ کتاب ـــ یہود و نصاریٰ ـــ سے جنگ کریں، یہاں تک کہ وہ عاجزی و ماتحتی قبول کر کے جزیہ دینا قبول کریں اور اُن کے تین جرائم بیان کیے گئے ہیں :۔

۱۔ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

---

[1] آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے کسی کو حلال ٹھہرایا، وہ اس فعل کی وجہ سے "مُشرک" ہو گیا۔ (قرطبی کی عبارت کا ترجمہ)

۲۔ اللہ اور اس کے (ترجمان کی حیثیت سے) رسول نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے، اُسے حرام نہیں ٹھہراتے۔

۳۔ دینِ حق قبول نہیں کرتے۔

اس فہرست میں تحریم و تحلیل کو اللہ اور آخرت پر ایمان اور دینِ حق قبول کرنے کے درمیان رکھا گیا ہے اور یہی فی الواقع اُس کا مقام ہے، اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسی کو مالک و حاکم مانا جائے[1] اور اس کی حاکمیت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ تحریم و تحلیل کا حق اُسے اور اس کے ترجمان کی حیثیت سے رسول کو حاصل ہو اور اِس تحریم و تحلیل ہی سے وہ دین وجود میں آتا ہے جسے اسلام کہتے ہیں اور جسے قبول کرنا دنیوی و اخروی کامرانی کے لیے ضروری ہے۔

مشرکینِ عرب کے سلسلے میں سورۂ توبہ میں ہے :۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ (توبہ، ۳۷)

نَسِی (مہینوں کا گھٹانا بڑھانا) کفر میں زیادتی ہے، اس سے اہلِ کفر کو گمراہ کیا جاتا ہے، وہ مہینے کو ایک سال حلال اور ایک سال حرام قرار دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد کے مطابق کر دیں، تو جو اللہ نے حرام کر دیا ہے اسے حلال کر لیں، اُن کے بُرے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے گئے ہیں، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں بخشتا۔

جس چیز کو قرآن نے "کفر میں مزید کفر" کہا ہے، وہ خدا کی تحلیل و تحریم میں دخل دینا ہے۔ مفسّر ابو السعودؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

---

[1] ایمان بالآخرت کا مطلب بھی یہی ہے۔ آخرت اللہ کی حاکمیت کے مکمل ظہور کا نام ہے، لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (بادشاہت آج کس کے لیے ہے، اللہ واحد، قہار کے لیے!)

زیادۃ فی الکفرِ لانّہ تحلیل ماحرمہ اللہ وتحریم ماحللہ اللہ فھو کفر آخر مضموم الیٰ کفرھم

(تفسیر ابو السعودؒ)

"فی" کفر میں زیادتی ہے کیونکہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنا اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنا ہے اور یہ ان کے کفر کے ساتھ ایک اور کفر ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"...... اور اس کو ترقی فی الکفر اس لیے فرمایا کہ تحلیلِ حرام کفر ہے اور وہ اس سے پیشتر بھی کافر تھے، پس اِس تحلیل حرام سے ان کے کفر میں زیادتی ہوگئی۔" (تفسیر بیان القرآن)

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ، اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ہ (آیت ۱۶۸)

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبرِ قرآن جلد اوّل میں اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں :۔

"اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال و طیب ہیں، ان کو کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔"

پھر اس کی وہ طویل مگر نفیس تفسیر لکھتے ہیں، جس کے جستہ جستہ اقتباسات یہ ہیں :۔

"شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی سے مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنے جی سے محض اپنے مشرکانہ توہّمات کے تحت جو حلال و حرام ٹھہرا رکھے ہیں، اُن کی کوئی شرعی سند نہیں ہے بلکہ یہ راہ تم کو شیطان نے سجھائی ہے اور تم نے اُس کی پیروی کر کے خدا کی جائز کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرا لیا، اور اِس طرح خدا کے حقِ تحریمُ تحلیل میں مداخلت کر کے شرک کے مرتکب ہوئے۔

چونکہ خدا کے حکم کے بغیر تحریم و تحلیل شرک ہے، اِس وجہ سے قرآن میں شرک اور تحریم تحلیل کا مضمون جگہ جگہ ایک ساتھ بیان ہوا ہے، مثلاً سورۂ نحل

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰہُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ وَّلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ (۳۵) (اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی چیز کو پوج سکتے اور نہ اس کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہرا سکتے) اسی طرح سورۂ انعام ۱۴۸ میں ہے سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰہُ مَا اَشْرَکْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ (یہ مشرک کہیں گے، اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کسی چیز کو اس کا شریک بنا سکتے اور نہ کسی چیز کو حرام ٹھہرا سکتے)

اِس سے معلوم ہوا کہ شرک اور تحریم و تحلیل، دونوں ایک دوسرے سے متعلق مضمون ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہی یہ بات کہ شیطان کی پیروی میں مشرکینِ عرب نے اپنے توہمات کے تحت کن چیزوں کو حرام یا حلال ٹھہرایا تھا تو اس کی طرف قرآن نے جگہ جگہ اشارے کیے ہیں۔" (تدبر قرآن، جلد اول ص ۲۶۱، ۲۶۲)

اس کے بعد انھوں نے سورۂ انعام کی آیات ۱۳۶ تا ۱۴۰، سورۂ مائدہ کی آیت ۱۰۳، سورۂ انعام کی آیات ۱۴۱ تا ۱۴۵ نقل کی ہیں، پھر فرماتے ہیں:۔

"مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آیت زیرِ بحث میں شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی سے مراد یہی مشرکانہ توہمات کے تحت اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرانا ہے، یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ شیطان اور اس کی ذریات کو خاص اس مسئلہ سے بڑی دلچسپی ہے، اس نے لوگوں کو توحید کے راستہ سے ہٹانے کے لیے اِس راستے کو بہت کامیاب اور آسان پایا ہے، اسی وجہ سے شروع ہی سے اُس کو اپنے پروگرام میں شامل کرکے پوری جرأت و صفائی کے ساتھ اس کا اعلان بھی کر رکھا ہے۔" (ص ۲۶۲)

اس کے بعد انھوں نے سورۂ نساء آیت ۱۱۹، بنی اسرائیل ۶۱ تا ۶۴ اور اعراف ۱۶، ۱۷ کو نقل فرمایا ہے۔

"عبادت" کا مفہوم

"عبادت" اسلام کی انتہائی اہم اور بنیادی اصطلاح ہے، ہر نبی کا بنیادی پیغام یہی رہا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ کی عبادت سے بچو، سورہ اعراف میں مختلف انبیاء کی دعوت کو بیان کرتے ہوئے ہر نبی کے سلسلے میں یہ جملہ دہرایا گیا ہے:۔

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (آیت ۶۵، دعوتِ ہود، آیت ۷۳، دعوتِ صالح، آیت ۸۵، دعوتِ شعیب)	اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔

سورۂ بقرہ میں نوعِ انسانی کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیادی دعوت اس طرح پیش فرمائی ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (بقرہ، ۲۱)	اے انسانو! اپنے رب کی "عبادت" کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، امید ہے کہ تم (خدا کی نافرمانی سے) بچو گے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل، ۳۶)	ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا، یہ پیغام دے کر کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔

سورۂ انبیاء میں یہ واضح کرتے ہوئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر جو "وحی" بھیجی گئی وہ کیا تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ (آیت ۲۵)	اور ہم نے تم سے قبل جو رسول بھی بھیجے اُن کو ہم نے یہی "وحی" کی کہ میرے سوا کوئی "الٰہ" نہیں تو تم میری "عبادت" کرو۔

آگے چل کر مختلف انبیاء علیہم السلام کی دعوتی مساعی کا ذکر کیا گیا، پھر فرمایا:-

إِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ (۹۲)

تمہاری یہ اُمّت ایک ہی اُمّت ہے اور میں تمہارا "رب" ہوں تو تم میری "عبادت" کرو۔

اہلِ کتاب کو قرآن نے جس "کلمۂ سواء" کی طرف دعوت دی تھی، وہ بھی یہی تھا کہ صرف اللہ کی "عبادت" کرو، اُس کے سوا کسی کی "عبادت" نہ کرو:-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

(آل عمران، ۶۴)

کہو، اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں (مشترک) ہے، یہ کہ ہم اللہ کی عبادت کریں، اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا "رب" نہ بنائیں تو اگر وہ منہ موڑیں تو کہو بیشک ہم مسلم ہیں۔

یہ ہے "عبادت" کی دین میں اہمیت! اگر "عبادت" کے مفہوم کے سمجھنے میں ذرا سی چوک ہو جائے یا اُس کے مفہوم کو نادانی سے یا دانستہ محدود کر دیا جائے تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور دینِ حق کی حقیقت کے سمجھنے میں بنیادی غلطی ہو جائے گی اور دین کا پورا نقشہ اُلٹ پلٹ ہو جائے گا۔

"عبادت" کے سلسلہ میں بنیادی سوال یہ ہے کہ اُس کا مفہوم صرف "پرستش" ہے جیسا کہ بعض شیخ الحدیث ٹائپ کے لوگ اور ان کے ہم نوا کچھ اہلِ قلم خیال کرتے ہیں[1] یا اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اور وہ پرستش، غلامی اور اطاعت، سب کو حاوی ہے۔ آئیے،

---

[1] اِس "کم فہمی بلکہ کج فہمی" کا نتیجہ صرف یہی نہیں نکلا ہے کہ اِن حضرات کا تصورِ عبادت و دین محدود ہو کر رہ گیا ہے اور انھیں اسلامی سیاست کے نام تک سے الرجی ہو گئی ہے بلکہ وہ اُن لوگوں کو علی الاعلان گمراہ قرار دے رہے ہیں جو "عبادت" کا مفہوم وسیع سمجھتے ہیں اور ان پر "عبادات" کی اہمیت گھٹانے کا الزام لگا رہے ہیں۔

ارباب لغت اور مفسرین عظام سے معلوم کریں۔

عربی زبان کی مشہور و معروف اور مستند لغت ''لسان العرب'' میں ہے:۔

...... واصل العبودية الخضوع والتذلل..... وتعبّد الرجل وعبّده واعبده صيّره كالعبد وتعبّد الله العبد بالطاعة استعبده........ وعبده واعتبده واستعبده اتخذه عبدا........ وعبد الله يعبده عبادة ومعبدا ومعبدة تأله له.... والتعبّد التنسك والعبادة الطاعة وقوله تعالى قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ........ وقال الزجاج قوله وَعَبَدَ الطاغوت نسق على من لعنه والمعنى من لعنه الله ومن عبد الطاغوت من دون الله عز وجل، قال وتاويل عَبَدَ الطاغوت اى اطاعه يعنى الشيطان فى ما سوّل له واغواه وقال والطاغوت الشيطان وقال في قوله تعالى وَإِيَّاكَ نَعْبُدُ اى نطيع الطاعة التى يخضع معها، قيل اياك نوحّد،

...... اور عبودیت کی اصل حقیقت خضوع (عاجزی) اور تذلل ہے....... تَعَبَّدَ الرَّجُل، عبّدہ اور اعبدہ کے معنی ہیں اسے غلام کی طرح بنایا اور تَعَبَّدَ اللهُ العبدَ بالطاعۃ کے معنی ہیں اسے بندہ بنایا....... اور عَبَدَہٗ اور اعتبدہ اور استعبدہ کے معنی ہیں اسے غلام بنالیا....... اور عَبَدَ اللهَ یَعْبُدُہٗ عِبَادَۃً ومعبدًا ومعبدۃً کے معنی ہیں اس کی پرستش کی...... اور تعبّد کے معنی ہیں پرستش اور عبادۃ کے معنی ہیں اطاعت اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ..... عَبَدَ الطَّاغُوتَ الآیۃ....... زجاج نے کہا، آیت میں عَبَدَ الطَّاغُوتَ کا عطف لَعَنَہُ پر ہے اور معنی ہیں ''جس پر اللہ نے لعنت کی اور جس نے طاغوت کی عبادت کی اللہ عز وجل کے بجائے'' اور عَبَدَ الطَّاغُوتَ کا مفہوم ہے ''طاغوت یعنی شیطان کی اطاعت کی ان امور میں جن میں اس نے اس کو بہلایا اور گمراہ کیا'' انہوں نے کہا، طاغوت شیطان ہے، اور اللہ کے ارشاد اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے مفہوم کے بارے میں کہا ''ہم عاجزی کے ساتھ اطاعت کرتے ہیں'' کہا گیا، اس کے معنی

قال ومعنی العبادة فی اللغة الطاعة
مع الخضوع...... وقول الله تعالیٰ
وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ ای دائنون
وکلُّ من دان لملك فهو عابدٌ لہ
وقال ابن الانباری فلان عابدٌ
وھو الخاضع لربہ المستسلم المنقاد
لامرہ وقولہ عزوجل اعبدوا ربکم
ای اطیعوا ربکم.......

(لسان العرب، لفظ عبد)

ہیں "ہم تجھے واحد الٰہ مانتے ہیں"۔ کہا، لغت میں
عبادت کے معنیٰ عاجزی کے ساتھ اطاعت
کے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَقَوْمُهُمَا لَنَا
عَابِدُوْنَ (ان کی قوم ہماری غلام ہے) یعنی
مطیع ہے، اور ہر وہ شخص جو کسی بادشاہ کی
اطاعت کرتا ہے وہ اس کا عابد ہے۔ ابن الانباری
نے کہا، فُلَانٌ عَابِدٌ کے معنیٰ ہیں، وہ اپنے
مالک و آقا کے آگے عاجزی کرنے والا اور اس
کے احکام کی اطاعت کرکے اس کے آگے سرِ تسلیم
خم کرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد
اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ کے معنیٰ ہیں، "اپنے رب کی
اطاعت کرو۔

اس لغوی تشریح سے چند باتیں سامنے آئیں۔

۱۔ عبادت اور عبودیت وغیرہ الفاظ عَبْد سے نکلے ہیں، جس کے معنیٰ ہیں بندہ، غلام، اس لیے ان الفاظ پر بندگی، غلامی، بندہ بننا اور بندہ کی طرح رہنا وغیرہ مفاہیم چھائے ہوئے ہیں۔

۲۔ "عبادت" کا عام اور غالب مفہوم اطاعت ہے۔

۳۔ "عبادت" میں اطاعت کے ساتھ عاجزی کا مفہوم بھی شامل ہے۔ عبادت کے معنیٰ ہوئے عاجزانہ اطاعت۔

۴۔ کسی فرماں روا کے احکام کے پیرو کو اس کا عابد کہا جاتا ہے، قرآنِ مجید میں فرعون کی زبانی قومِ موسیٰ کے لیے یہ بات کہی گئی ہے:۔

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ ۝

اور اُن دونوں (موسیٰ و ہارون) کی قوم ہماری عابد ہے

اس کے معنیٰ ہیں، اُن کی قوم ہماری مطیع و فرماں بردار ہے۔

۵۔ سورۂ فاتحہ میں ہے :۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ، اس کے معنیٰ ہیں "ہم عاجزی کے ساتھ تیری اطاعت کرتے ہیں"۔

۶۔ ارشادِ خداوندی اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ کے معنیٰ ہیں "اپنے رب کی اطاعت کرو"۔

۷۔ عبادت میں پرستش کرنے اور خدا بنانے کا مفہوم بھی موجود ہے۔

لسان العرب کی اس طویل اور مدلل تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبادت کا مفہوم "پرستش" تک محدود نہیں ہے، "اطاعت" اُس کے مفہوم میں نہ صرف یہ کہ داخل ہے بلکہ وہ اس کا عام اور غالب مفہوم ہے۔ عبادت کے اصل معنیٰ ہیں، عاجزانہ اطاعت!

— آئیے، دوسرے اربابِ لغت اور اہلِ علم کی طرف رجوع کریں۔

ابن سیدہ فرماتے ہیں :۔

كُلُّ طَاعَةٍ لِلّٰهِ عَلَىٰ جِهَةِ الْخُضُوعِ والتذلل فهي عبادة (المخصص ۱۳، ۹۶)	اللہ کی ہر اطاعت جو عاجزی اور تذلل کے ساتھ ہو، عبادت ہے

المصباح المنیر میں ہے :۔

عبدت الله اعبده عبادة وهي الانقياد والخضوع والفاعل عابد (المصباح المنیر ۲ : ۲۵)	عبدت الله اعبده عبادة میں عبادة کے معنیٰ ہیں، فرماں برداری اور عاجزی اور عبادت کرنے والے کو عابد کہیں گے۔

ابن اثیر کا قول ہے :۔

معنى العبادة في اللغة الطاعة مع الخضوع (تاج العروس ۲ : ۴۱۰)	لغت میں عبادت کے معنیٰ ہیں، اطاعت عاجزی کے ساتھ

قاموس المحیط میں ہے :۔

والعبدية والعبودية والعبودة والعبادة الطاعة	عبدیۃ، عبودیۃ، عبودۃ اور عبادۃ کے معنیٰ ہیں اطاعت

اور مشہور و معروف اور مستند لغت "تاج العروس" میں ہے :۔

والعبودية والعبودة بضمهما والعبادة	عبودیۃ اور عُبودۃ، پیش کے ساتھ اور عبادۃ زیر

بالکسر الطاعة وقال بعض ائمة الاشتقاق اصل العبودیة الذل و الخضوع وقال اٰخرون العبودة الرضا بما یفعل الرب والعبادة فعل ما یرضیٰ به الرب...... واما عبد الله فمصدرها عبادة وعبودة وعبودیة ای الطاعة ...... قال اللیث ویقال للمشرکین هم عبدة الطاغوت ویقال للمسلمین عباد الله یعبدون الله وقال الله عزّوجل اعبدوا ربکم ای اطیعوا ربکم وقوله ایّاك نعبد وایاك نستعین ای نطیع الطاعة التی یخضع معها. قال ابن الاثیر ومعنیٰ العبادة فی اللغة الطاعة مع الخضوع ....

کے ساتھ، ان کے معنیٰ ہیں اطاعت۔ اور بعض ائمۂ اشتقاق نے کہا عبودیت کی اصل حقیقت پستی اور عاجزی ہے اور دوسروں نے کہا، عبودۃ یہ ہے کہ جو کچھ رب کرے اس پر انسان راضی ہو اور عبادت یہ ہے کہ جن کاموں سے رب راضی ہو وہ کام کیے جائیں ...... عَبَدَ اللّٰہ، کا مصدر عبادۃ، عبودۃ اور عبودیۃ ہے اور اس کے معنیٰ ہیں، اس نے اس (اللہ) کی اطاعت کی ...... لیثؒ نے کہا، مشرکین کو طاغوت کا عابد کہا جائے گا اور مسلمانوں کو خدا کا عبادت گزار کیونکہ وہ اللہ کی بندگی کرتے ہیں اور اللہ عزوجل نے فرمایا اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اس کے معنیٰ ہیں "اپنے رب کی اطاعت کرو" اور اللہ نے فرمایا ایاك نعبد وایاك نستعین اس کے معنیٰ ہیں ہم اطاعت کرتے ہیں عاجزی کے ساتھ، ابن اثیر نے کہا، لغت میں "عبادت" کے معنیٰ ہیں "اطاعت عاجزی کے ساتھ"

ائمۂ لغت کی ان تصریحات سے حسب ذیل امور سامنے آئے :۔

۱ —— عبادت کے معنیٰ ہیں اطاعت

۲ —— عبادت عاجزانہ اطاعت کو کہتے ہیں۔

۳ —— اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ کے معنیٰ ہیں اپنے رب کی اطاعت کرو۔

۴ —— اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے معنیٰ ہیں، ہم عاجزی کے ساتھ تیری اطاعت کرتے ہیں۔

۵ —— عَبَدَ اللّٰہ، جس کا مصدر "عبادۃ"، عبودۃ اور عبودیت ہے اس کے معنیٰ ہیں اس نے خدا کی اطاعت کی۔

۶ —— عبودت کا اصل مفہوم عاجزی و پستی ہے۔

۷ ـــــ عبودۃ کا معنیٰ ہیں اللہ جو کچھ کرے اس پر ہم راضی ہوں۔

۸ ـــــ "عبادت" یہ ہے کہ ہم وہ کام کریں جن سے اللہ راضی ہو۔

معلوم ہوا کہ "عبادت" کا مفہوم "پرستش" سے بہت وسیع ہے، اس کا غالب مفہوم اطاعت ہے عاجزی و پستی کے ساتھ اور ہر وہ کام کرنا جس سے خدا راضی ہو۔

آیئے اب مفسرینِ عظام سے اُن آیات کی تفسیر معلوم کریں جن میں "عبادت" کے مشتقات آئے ہیں ـــــ سورۂ فاتحہ میں ہے:۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (فاتحہ، ۴)	(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

اِس آیت میں نَعْبُدُ آیا ہے جو "عبادۃ" سے بنا ہے، امام حافظ ابن کثیرؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

والعبادۃ فی اللغۃ من الذلۃ یقال طریق معبد وبعیر معبد ای مذلل وفی الشرع عبارۃ عما یجمع کمال المحبۃ والخضوع والخوف...... ای لا نعبد الا ایاك ولا نتوكل الا علیك وھذا ھو کمال الطاعۃ والدین کلہ یرجع الی ھذین المعنیین (تفسیر ابن کثیر، جزء اوّل تفسیر سورۂ فاتحہ)	لغت میں "عبادت" کا مفہوم ذلت و پستی ہے کہا جاتا ہے "طریق معبد اور بعیر معبد" یعنی پامال اور رام اور شریعت میں عبادت عبارت ہے کمال محبت و خضوع و خوف سے ...... یعنی ہم عبادت نہیں کرتے مگر تیری اور نہیں بھروسہ کرتے مگر تجھ پر اور یہی کمالِ اطاعت ہے اور دین سارے کا سارا انہی دونوں مفہوموں کی طرف راجع ہے۔

گویا "عبادت" کا شرعی مفہوم ہے، محبت، خوف اور عاجزی کا کمال اور کمالِ اطاعت!

صاحب "روح المعانی" نے "عبادت" کے مفہوم پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:۔

والعبادۃ اعلی مراتب الخضوع ولا یجوز شرعًا ولا عقلًا فعلھا الا للہ تعالی لانہ	عبادت عاجزی کے بلند ترین درجہ کو کہتے ہیں اور شرعًا اور عقلًا اِس کا کرنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی

المستحق لذلك لكونه مولیا الاعظم النعم من الحیٰوۃ والوجود وتوابعهما ولذلك یحرم السجود لغیرہ سبحانه لان وضع اشرف الاعضاء علی اهون الاشیاء وهو التراب وموطئ الاقدام والنعال غایة الخضوع ...... وتستعمل بمعنی الطاعة ومنه اَنْ لَّاتَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ وبمعنی الدعاء ومنه اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ وبمعنی التوحید ومنه وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ وکلها متقاربة المعنیٰ

(تفسیر روح المعانی، تفسیر سورۂ فاتحہ)

کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ وہی اس کا مستحق ہے کیونکہ اس نے زندگی، وجود اور اس کی متعلقہ چیزیں ہمیں بخشیں اسی لیے اللہ سبحانہٗ کے سوا سجدہ اوروں کے لیے حرام ہے کیونکہ سب سے بہتر عضو — سر — کو سب سے کم تر درجہ کی چیز — مٹی — اور قدموں اور جوتوں کے پڑنے کی جگہ پر رکھ دینا انتہائی عاجزی ہے...

..... اور عبادت کا لفظ اطاعت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے ہے اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ (اور شیطان کی عبادت — اطاعت — نہ کرو) اور دعا کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اسی مفہوم میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ (جو میری عبادت — دعا — سے استکبار و اعراض کرتے ہیں) اور یہ لفظ توحید کے معنیٰ بھی آتا ہے اور اسی مفہوم میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ (میں نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ میری "عبادت" کریں) اور یہ سب مفہوم ایک دوسرے سے قریب ہیں۔

اس تشریح سے چند باتیں سامنے آئیں :-

۱۔ "عبادت" نام ہے انتہائی عاجزی کا، جس کی اعلیٰ صورت سجدہ ہے۔

۲۔ "عبادت" کا لفظ اطاعت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ عبادت کے معنیٰ دعا کے بھی ہیں۔

۴۔ عبادت کا لفظ توحید کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے۔

۵۔ خضوع، اطاعت، دعا اور توحید — یہ سب الفاظ، جو "عبادت" کا مفہوم ادا

کرتے ہیں، اپنی اصل حقیقت کی رو سے ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔

تفسیر "خازن" میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے :-

والمعنی اِیَّاكَ نخص بالعبادة ونوحدك ونطیعك خاضعین لك والعبادة اقصیٰ غایة الخضوع والتذلل وسمی العبد عبدالذلته وانقیاده۔

(تفسیر خازن، جزء اوّل، تفسیر سورۂ فاتحہ)

اور اس کے معنیٰ یہ ہیں، ہم عبادت خاص تیرے ہی لیے کرتے ہیں، تجھے واحد الٰہ مانتے ہیں، انتہائی عاجزی کے ساتھ تیری اطاعت کرتے ہیں اور عبادت عاجزی اور پستی کی آخری حد کو کہتے ہیں اور غلام کو اس کی ذلت و پستی اور اطاعت کی وجہ سے "عبد" کہا جاتا ہے۔

معلوم ہوا "عبادت" کا مفہوم ہے انتہائی عاجزانہ اطاعت! ایک خدا کی پرستش و اطاعت یہی مفہوم "عَبْد" کا ہے جو پست اور مطیع ہو وہ "عبد" (بندہ) ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"عبادت" کے اصل معنیٰ عربی لغت میں انتہائی خضوع اور انتہائی عاجزی و فروتنی کے اظہار کے ہیں، لیکن قرآن میں یہ لفظ اُس خضوع و خشوع کی تعبیر کے لیے خاص ہو گیا ہے، جو بندہ اپنے خالق و مالک کے لیے کرتا ہے، پھر اطاعت کا مفہوم بھی اس لفظ کے لوازم میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ یہ بات بالبداہت غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس ذات کو اپنے انتہائی خضوع و خشوع کا واحد مستحق سمجھے، زندگی کے معاملات میں اُس کی اطاعت کو لازم نہ جانے۔ چنانچہ "عبادت" کی اس حقیقت کو قرآن مجید نے بعض جگہ کھول بھی دیا ہے۔ مثلاً :-

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ

(۲۵: زمر)

ہم نے تمھاری طرف کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کرو اُسی کے لیے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے

عبادت کے ساتھ اطاعت کا یہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ بعض جگہ یہ لفظ صاف صاف اطاعت کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہو گیا ہے مثلاً :-

اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ

کہ شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا

دشمن ہے۔

عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ٥ (۶۰ یٰسٓ)

.... "ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں" کے الفاظ عام ہیں، اس وجہ سے یہ طلبِ مدد خاص عبادت کے معاملہ میں بھی ہو سکتی ہے اور زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی۔ عبادت میں بندہ خدا کی مدد کا محتاج توفیق و رہنمائی اور ثبات و استقامت کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ عبادت، بالخصوص جبکہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں خدا کی اطاعت پر بھی مشتمل ہو، ایک بڑی ہی آزمائش کی چیز ہے، اس میں ایسے سخت مقامات بھی آتے ہیں، جہاں بڑے بڑوں کے پائے ثبات بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔

اس جملہ میں مفعول کی تقدیم نے حصر کا مضمون بھی پیدا کر دیا ہے یعنی عبادت بھی صرف خدا کی اور استعانت بھی تنہا اسی سے۔ اس حصر نے شرک کے تمام علائق کا یک قلم قلع قمع کر دیا کیونکہ اس اعتراف کے بعد بندے کے پاس کسی غیر اللہ کو نہ کچھ دینے کو رہا اور نہ اس سے کچھ مانگنے کی گنجائش باقی رہی۔ اس کے بعد دوسروں سے بندہ کے تعلق کی صرف وہی نوعیت جائز رہ گئی ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے قائم کر دی ہو"۔ (تدبر قرآن، جلد اول ص ۱۴/۱۵)

معلوم ہوا کہ عبادت کے لفظ میں اطاعت کا مفہوم لازماً شامل ہے اور یہ اطاعت زندگی کے ہر پہلو میں ہے۔ یہی بات تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس طرح کہی گئی ہے:۔

"عبادت کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے، (۱) پوجا اور پرستش (۲) اطاعت اور فرماں برداری (۳) بندگی اور غلامی، اس مقام پر تینوں معنی بیک وقت مراد ہیں یعنی ہم تیرے پرستار بھی ہیں، مطیع فرمان بھی اور بندہ و غلام بھی اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ ہم تیرے ساتھ یہ تعلق رکھتے ہیں بلکہ واقعی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ تعلق صرف تیرے ہی ساتھ ہے، ان تینوں معنی میں سے کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا ہمارا معبود نہیں ہے"۔ (تفہیم القرآن، جلد اول، تفسیر سورۂ فاتحہ)

سورۂ بقرہ میں ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (بقرہ ۲۱)

اے انسانو! اپنے رب کی "عبادت" کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا امید ہے کہ تم (خدا کی نافرمانی سے) بچو گے۔

امام ابن جریر طبریؒ اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

نامر جلّ ثناءہ الفریقین — الذین اخبر الله عن احدهما انه سواء علیهم ءانذرهم ام لم ینذرهم وانهم لا یؤمنون بطبعه علیٰ قلوبهم وعلیٰ سمعهم وعن الأخر انه یخادع الله والذین امنوا بما یُبدی بلسانه من قیله امنّا بالله وبالیوم الاخر مع استبطانه خلاف ذلك ومرض قلبه وشكه فی حقیقة ما یبدی من ذلك وغیرهم من سائر خلقه المكلّفین بالاستكانة والخضوع له بالطاعة وافراد الربوبیة له دون الاوثان والاصنام والألهة لانه جلّ ذكره هو خالقهم وخالق من قبلهم من اٰباءهم واجدادهم وخالق اصنامهم واوثانهم والهتهم فقال لهم جل ذكره فالذی خلقكم وخلق اٰباءكم واجدادكم وسائر الخلق غیركم وهو یقدر علیٰ ضركم ونفعكم

اللہ جلّ شانہ نے دونوں فریقوں کو — جن میں سے ایک کے بارے میں اللہ نے خبر دی کہ انھیں ڈرایا جائے یا نہ ڈرایا جائے، دونوں ان کے لیے برابر ہیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور دوسرے گروہ کے بارے میں بتایا کہ وہ اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دے رہے ہیں کیونکہ وہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اپنی زبان سے کہتے ہیں حالانکہ وہ اپنے دل میں اس کے خلاف جذبات رکھتے ہیں، ان کے دل میں بیماری ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اس کی حقیقت کے بارے میں انھیں شک ہے، یہ لوگ اور ان کے علاوہ اپنی مخلوقات میں سے تمام مکلّف لوگوں کو عاجزی کرنے، اطاعت کرنے، اطاعت کے ساتھ اس کے آگے جھک جانے اور بتوں، مورتیوں اور خداؤں کو چھوڑ کر ربوبیت کو اللہ کے لیے خاص کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ جلّ ذکرہ ہی ان کا خالق ہے، ان کے قبل ان کے جو آبار و اجداد تھے،

علی لکم من لا یقدر بالطاعة اولیٰ
فی مایرون ابن عباس کان ولا ضر نفع
غیر انّہ ما قلنا فیہ یقول فی نظیر لنا منہ
اُعْبُدُوْا ذکر عنہ انّہ کان یقول فی معنیٰ
رَبَّکُمْ وحّدوا ربکم وقد دللنا فیما
مضیٰ من کتابنا ھذا علیٰ انّ العبادة
الخضوع للہ بالطاعة والتذلل لہ
بالاستکانة والذی اراد ابن عباس
ان شاء اللہ — بقولہ فی تاویل قولہ
اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَحِّدُوہ ای افردوا
الطاعة والعبادة لربکم دون سائر
خلقہ

(تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر سورۂ بقرہ)

ان کا خالق ہے اور ان کے بتوں، مورتیوں اور خداؤں
کا بھی خالق ہے تو اللہ جل ذکرہ نے فرمایا کہ وہ خدا
جس نے تمھیں، تمھارے آباء و اجداد اور تمھارے
سوا ساری مخلوق کو پیدا کیا اور جو تمھیں نقصان
اور نفع پہنچانے پر قادر ہے، وہ اطاعت کا زیادہ
مستحق ہے بہ نسبت ان کے جو تمھیں نفع اور نقصان
پہنچانے پر قادر نہیں ہیں اور عبداللہ بن عباس رض
سے ہمیں جو روایات پہنچی ہیں، ان کے مطابق وہ یہی
بات اِس طرح کی آیات کے سلسلے میں فرماتے تھے،
البتہ ان سے منقول ہے کہ وہ اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ
کے معنیٰ یہ بیان کرتے تھے کہ اپنے رب کی توحید
اختیار کرو۔ اور اس سے قبل ہم نے اپنی اس کتاب
میں واضح کر دیا ہے کہ عبادت کے معنیٰ ہیں اطاعت
کے ساتھ اللہ کے آگے جھک جانا اور مسکینی کے
ساتھ اس کے حضور خود کو پامال کرنا اور ابن عباس رض
نے اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ کے معنیٰ جو بیان کیے ہیں کہ
اپنے رب کی توحید اختیار کرو تو اس کا مفہوم
ان شاء اللہ یہ ہے کہ عبادت اور اطاعت کو تمام
مخلوقات کے بجائے اس کے لیے خالص کر دو۔

امام ابن جریر طبری رح کی اِس تفسیری تشریح کو بار بار پڑھیے، کیا اس سے یہ بات
واضح نہیں ہوتی کہ عاجزانہ اطاعت عبادت کا غالب مفہوم ہے، اگرچہ پرستش بھی اِس میں
داخل ہے اور توحید کے معنیٰ ہیں اطاعت اور پرستش کو خدا کے لیے خاص کر دینا۔

مندرجہ بالا آیت کے آخر میں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ہے، اس کی تفسیر کرتے ہوئے امام

ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں :۔

وتاویل ذلك لعلكم تتقون بعبادتكم ربكم الذى خلقكم وطاعتكم اياه فى ما امركم به ونهاكم عنه وافرادكم له العبادة لتتقوا سخطه وغضبه ان يحل عليكم وتكونوا من المتقين الذين رضى عنهم ربهم

(تفسیر ابن جریر طبریؒ)

اس کی تفسیر یہ ہے کہ تم اپنے اُس رب کی جس نے تمھیں پیدا کیا عبادت کرکے اور جو کچھ اس نے تمھیں حکم دیا اور جس سے اُس نے تمھیں روکا اس میں اس کی اطاعت کرکے اور عبادت کو اس کے لیے خالص کرکے، اس کے متقی بندے بن سکوگے اور خدا کی ناراضگی اور اس کا غضب تم پر نازل ہو، اس سے تم بچ سکوگے اور اُن متقیوں میں شامل ہوسکوگے جن سے ان کا رب راضی ہوا۔

اس تفسیر سے واضح ہوا کہ "عبادت" میں اطاعت اور اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب داخل ہے اور یہی مفہوم تقویٰ کا بھی ہے۔

سورۂ اعراف میں حضرت نوحؑ کی دعوت کا ذکر ان لفظوں میں ہے :۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

(اعراف، ۵۹)

ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، انھوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں، (نافرمانی کی صورت میں) میں تم پر (خدا کے) ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔

اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں :۔

"اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ تمام فساد فی الارض کی جڑ شرک ہے، کسی قوم کے شرک میں مبتلا ہوجانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ نظریات وعقائد اور اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر اعمال و اخلاق، ہر چیز میں فطرت کی صراطِ مستقیم سے محروم ہوگئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اِس وجہ سے اللہ کے رسول اپنی اصلاح کی دعوت اِسی اصل نقطہ سے شروع کرتے ہیں اور یہ چیز انبیاء و رسل کی دعوت کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ ممکن

ہی نہیں کہ کسی نبی کی دعوت بغیر اس خصوصیت کے پائی جاتے، اِنِّیٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ یہ وہ انذار ہے جو حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو سنایا کہ اگر تم شرک سے تائب ہو کر خالص اللہ ہی کی عبادت واطاعت کی راہ پر نہ آگئے تو بس سمجھ لو کہ تم پر ایک ہولناک دن کا عذاب نازل ہوا ہی چاہتا ہے۔" (تدبر قرآن، جلد دوم ص۲۰۱)

معلوم ہوا کہ انبیار علیہم السلام کی بنیادی دعوت، جو سب انبیار کے درمیان مشترک تھی، یہ تھی کہ پرستش واطاعت، دونوں خدا کے لیے ہوں۔ "اللہ کی عبادت" کا مفہوم یہی تھا۔

سورۂ توبہ میں ہے :-

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

(توبہ، ۳۱)

انھوں نے اپنے علمار اور مشائخ کو اللہ کے بجائے (اپنا) "رب" بنالیا اور مسیح ابن مریم کو، حالانکہ انھیں حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کہ الٰہ واحد کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ پاک و برتر ہے اُن شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

اس آیت کے ابتدائی حصہ کی تفسیر تفصیل سے آچکی ہے، آخری حصہ —— وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا (اور انھیں حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ الٰہ واحد کی عبادت کریں) کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر ابو السعودؒ فرماتے ہیں :-

(وَمَآ اُمِرُوْٓا) ای والحال انّ اولئك الکفرة ما امروا فی کتابیهم (اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا) عظیم الشان هو الله سبحانه وتعالیٰ ویطیعوا امره ولا یطیعوا امر غیره بخلافه فان ذٰلك مخلّ بعبادته تعالیٰ فانّ جمیع الکتب السماویة متفقة علیٰ ذٰلك قاطبة وقد قال المسیح علیه السلام انّه من یشرك

(وَمَآ اُمِرُوْٓا) یعنی حال یہ ہے کہ ان کفار کو اپنی کتابوں میں حکم نہیں دیا گیا تھا (اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا) مگر یہ کہ ایک خدائے عظیم الشان کی عبادت کریں اور وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے اور اس کے حکم کی اطاعت کریں اور اس کے خلاف اس کے سوا کسی دوسرے کی اطاعت نہ کریں کیونکہ یہ اس کی عبادت میں خلل ڈالنے والی چیز ہے اور تمام آسمانی کتب اس بات پر متفق ہیں، چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام

بالله فقد حرّم الله عليه الجنة واما
الطاعة الرسول صلى الله عليه وسلم
وسائر من امر الله تعالیٰ بطاعته فهی
فی الحقیقة الطاعة لله عزوجل او وما
امر الذین اتخذهم الكفرة اربابًا من
المسیح والاحبار والرهبان الا لیوحّدوا
الله تعالیٰ فكیف یصح ان یكونوا اربابًا
وهم مامورون مستعبدون مثلهم
ولا یقدح فی ذٰلك كون ربوبیة
الاحبار والرهبان بطریق الاطاعة
فانّ تخصیص العبادة به تعالیٰ لا
یتحقق الا بتخصیص الاطاعة به
ایضًا وحیث لم یخصوها به تعالیٰ لم
یخصوا العبادة به سبحانه . . . . .
(سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ) عن الاشراك
به فی العبادة والاطاعة
(تفسیر ابی السعود، تفسیر سورۂ توبہ)

نے کہا "جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اللہ
نے اس پر جنت حرام کر دی۔ رہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی اطاعت اور ان تمام لوگوں کی اطاعت،
جن کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے تو یہ فی الحقیقت
اللہ عزوجل کی اطاعت ہے ـــ یا اس جملہ کا مطلب
یہ ہے کہ جن ہستیوں کو کفار نے "رب" بنا لیا ہے
ان کو خود اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف
ایک خدا کی عبادت کریں تو جب وہ عام انسانوں
کی طرح مامور اور بندگی کے پابند ہیں تو وہ کس طرح
"رب" ہو سکتے ہیں، رہی یہ بات کہ احبار اور رہبان
کی ربوبیت اطاعت کے طور پر ہے تو اس سے کوئی
اعتراض واقع نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے
"عبادت" اُسی وقت خاص ہو سکتی ہے جبکہ اطاعت
کو اس کے لیے خاص کیا جائے اور چونکہ انھوں نے
اطاعت کو اس کے لیے خاص نہیں کیا اس لیے عبادت
کو بھی اس کے لیے خاص نہیں کیا (سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ)
یعنی عبادت اور اطاعت ا دونوں میں شرک سے پاک ہے۔

مفسر ابو السعودؒ نے علاوہ اِس کے کہ اِس آیت میں "عبادت" کا مفہوم "اطاعت" بیان کیا ہے، یہ بات بھی واضح کی ہے کہ اطاعت کو خدا کے لیے خاص کیے بغیر عبادت بھی خدا کے لیے خاص نہیں ہو سکتی اور آیت میں شرک سے مراد شرک فی العبادۃ اور شرک فی الاطاعۃ دونوں ہیں۔

بیہقیِ ہند قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وَمَآ اُمِرُوۡٓا اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"عبادت کرنے سے مراد ہے اطاعتِ احکام کرنا، یعنی کسی کی اطاعت میں اگر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس کی اطاعت نہ کریں۔ ...... سُبْحَانَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ وہ ان کے شرک سے پاک ہے، یعنی وہ عبادت و اطاعت میں دوسروں کو اللہ کا ساجھی بناتے ہیں، اللہ اُن کی اِس حرکت سے پاک ہے۔"

(اُردو ترجمہ تفسیر مظہری جلد ۵ ص۲۵۹)

معلوم ہوا کہ "عبادت" کے معنیٰ اِس آیت میں "اطاعت" کے ہیں۔

سورۂ یٰسٓ میں خدا اور شیطان، دونوں کی "عبادت" کا تذکرہ اس طرح ہے:۔

اَلَمْ اَعْہَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝

اے بنی آدم! کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی "عبادت" نہ کرنا۔ یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہی راہِ راست ہے۔

(یٰسٓ: ۶۰، ۶۱)

علامہ زمخشریؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

العہد الوصیۃ وعہد الیہ اذا وصاہ وعہد اللہ الیہم مارکز فیہم من ادلّۃ العقل وانزل علیہم من دلائل السمع وعبادۃ الشیطان طاعتہ فی مایوسوس بہ الیہم ویزینہ لہم

(کشاف، تفسیر سورۂ یٰسٓ)

عہد کے معنیٰ وصیت (تاکیدی حکم) کے ہیں، عَہِدَ اِلَیْہِ کے معنیٰ ہیں اُسے تاکید کی اور اللہ کا عہد وہ عقلی دلائل ہیں جو اللہ نے انسانوں کے اندر رکھے ہیں اور وہ سمعی (شرعی) دلائل ہیں جو خدا نے نازل کیے ہیں اور شیطان کی عبادت سے مراد اس کی اطاعت ہے اُن امور میں جن کے وسوسے وہ لوگوں میں پیدا کرتا اور ان کو ان کے لیے خوشنما بناتا ہے۔

واضح ہوا کہ اِن آیات میں "عبادت" کے معنیٰ "اطاعت" کے ہیں۔

امام ابن جریر طبریؒ اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وقولہ (اَلَمْ اَعْہَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد (اَلَمْ اَعْہَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ

مُّبِينٌ) وفی الکلام متروک استغنی بدلالۃ علیہ منہ وھو ثم یقال الم اعھد الیکم یابنی ادم یقول الم اوصکم وامرکم فی الدنیا ان لاتعبدوا الشیطان فتطیعوہ فی معصیۃ اللہ انہٗ لکم عدو مبین قد ابان لکم عداوتہ بامتناعہ من السجود لابیکم ادم حسدًا منہ لہ علیٰ ما کان اللہ اعطاہ من الکرامۃ وغرورہ ایاہ حتّٰی اخرجہ وزوجتہ من الجنۃ و قولہ (وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ) یقول الم اعھد الیکم ان اعبدونی دون کلّ ماسِوایَ من الاٰلھۃ والانداد وایّای فاطیعوا فانّ اخلاص عبادتی وافراد طاعتی ومعصیۃ الشیطان ھو الدّین الصحیح والطریق المستقیم

لکم عدوٌّ مُّبِيْنٌ) میں کچھ الفاظ محذوف ہیں جن کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس جملے سے وہ واضح ہو رہے تھے وہ الفاظ ہیں ثُمَّ یُقَالُ (پھر کہا جائے گا) (اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ) یعنی اللہ فرماتا ہے اے بنی آدم کیا تمھیں دنیا میں حکم نہیں دیا تھا اور تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ اللہ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کرو (اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ) اللہ فرماتا ہے، میں تم سے کہتا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے، اس کی عداوت اس وقت واضح ہو گئی تھی جب اس نے تمھارے باپ آدم کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اُس حسد کی بنا پر جو اُسے اس لیے ہوا کہ اللہ نے ان کو عزّت سے نوازا تھا اور اس نے ان کو فریب دے کر انھیں اور ان کی بیوی کو جنّت سے نکلوایا تھا اور (اللہ کا ارشاد ہے (وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ) یعنی اللہ فرماتا ہے، کیا میں نے تم کو اس بات کی تاکید نہیں کی تھی کہ میری عبادت کرو اور میرے سوا سب خداؤں اور شریکوں کی عبادت چھوڑ دو اور صرف میری اطاعت کرو اور شیطان کی نافرمانی کرو، یہی صحیح دین اور صراطِ مستقیم ہے۔

(تفسیر ابن جریر طبریؒ، تفسیر سورۂ یٰسٓ)

اِس تشریح سے واضح ہوا کہ شیطان کی "عبادت" سے مُراد اُس کی اطاعت ہے اور خدا نے نوعِ انسانی کو اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ شیطان کی "عبادت" یعنی اطاعت نہ کریں، یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دینِ حق اور صراطِ مستقیم یہ ہے کہ پرستش بھی خدا کی ہو اور اطاعت

بھی خدا کی ہو اور شیطان کی اطاعت سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے کہ یہ اس کی "عبادت" ہے۔

امام حافظ ابن کثیرؒ نے اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا :۔

هٰذا تقریع من الله تعالیٰ للکفرة من بنی آدم الذین اطاعوا الشیطان وهو عدو لهم مبین وعصوا الرحمٰن وهو الذی خلقهم ورزقهم ولهذا قال تعالیٰ (وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ) ای قد امرتکم فی دار الدنیا بعصیان الشیطان و امرتکم بعبادتی وهذا هو الصراط المستقیم فسلکتم غیر ذلك واتبعتم الشیطان فی ما امرکم به

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۂ یٰس)

اس آیت میں تنبیہ اور مذمت ہے کفار بنی آدم کی، جنھوں نے شیطان کی اطاعت کی ـــــ حالانکہ وہ ان کا کھلا ہوا دشمن ہے ـــ اور رحمٰن کی نافرمانی کی حالانکہ وہی ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور انھیں رزق دیا، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ) یعنی میں نے تم کو دنیا میں شیطان کی نافرمانی اور اپنی عبادت کا حکم دیا تھا۔ اور یہی صراطِ مستقیم ہے ـــ تو تم اس راہ پر چلنے کے بجائے دوسری راہ پر چلے اور شیطان نے تمھیں جو احکام دیے تم نے ان میں شیطان کی پیروی کی۔

یعنی شیطان کی اطاعت اس کی "عبادت" کے ہم معنیٰ ہے اور خدا کی نافرمانی اس کی عدمِ "عبادت" ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

قوله (لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ) معناه لا تطیعوه بدلیل ان المنهی عنه لیس هو السجود له فحسب بل الانقیاد لامره والطاعة له فالطاعة عبادة لا یقال فنکون نحن مامورین بعبادة الامراء حیث امرنا بطاعتهم فی قوله تعالیٰ (اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ) لانّا نقول طاعتهم

اللہ کے ارشاد (لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ) کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کی اطاعت نہ کرو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کو صرف سجدہ کرنا ہی منع نہیں ہے بلکہ اس کے حکم کی پیروی کرنا اور اس کی اطاعت کرنا منع ہے تو اطاعت عبادت ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ اس طرح تو ہم (اپنے) امراء کی عبادت کے لیے مامور ہیں کیونکہ ہمیں ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اطیعوا اللہ .... اولی الامر منکم

إذا كانت بامر الله لاتكون الّا عبادة
لله الاترىٰ انّ الملائكة سجدوا لِآدمَ ولَمْ
يكن ذلك الّا عبادة الله وانّما عبادة
الامراء هو طاعتهم فی مالم يأذن به
الله فيه فان قيل بماذا نعلم طاعة
الشيطان من طاعة الرحمٰن مع انا لا
نسمع من الشيطان خبرًا ولَا نرىٰ منه
اثرًا نقول عبادة الشّيطان فی مخالفة
امر الله او الاتيان بما امر الله لالآنه
امربه ففی بعض الاوقات الشيطان يامرك
وهو فی غيرك وفی بعض الاوقات يامرك
وهو فيك جاءك شخص يامرك بشیٔ فانظر ان
كان ذلك موافقًا لامر الله اوليس
موافقًا فان لم يكن موافقًا فذلك
الشخص معه الشيطان يامرك بما
يامرك فان اطعته فقد عبدت
الشيطان وان دعتك نفسك الىٰ فعل
فانظر اهُو مأذون فيْهِ من جهة
الشرع اوليس كذلك فان لم يكن
ماذونا فيه فنفسك هی الشيطان او معها
الشيطان يدعوك فان اتبعته فقد
عبدته ثمّ انّ الشيطان يامر بمّا لا مخالفة
الله ظاهرًا فمن اطاعه فقد عبده

(اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور
اولی الامر کی) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ان کی اطاعت جب
اللہ کے حکم سے ہو تو وہ اللہ ہی کی عبادت ہوگی کیا
تم نہیں دیکھتے کہ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا اور یہ
اللہ ہی کی عبادت تھی، امراء کی عبادت اُن کی

ان امور میں اطاعت ہے جن کی اللہ نے اجازت
نہیں دی۔ اگر کہا جائے کہ ہم کیسے شیطان کی اطاعت
کو رحمٰن کی اطاعت سے الگ جانیں جبکہ ہم شیطان
کی نہ کوئی خبر سنتے ہیں اور نہ اس کا کوئی اثر نہیں دکھائی
دیتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شیطان کی عبادت اللہ کے
احکام کی مخالفت میں ہے یا اللہ نے جو احکام دیے
ہیں، اُن کو بجا لایا جائے مگر اس لیے نہیں کہ اللہ نے ان
کو حکم دیا ہے تو بعض اوقات شیطان تمھیں حکم دیتا
اور وہ دوسرے شخص کے اندر ہوتا ہے اور بعض اوقات
وہ تمھیں حکم دیتا ہے اور وہ خود تمھارے اندر ہوتا
ہے۔ تو جب کوئی شخص تمھارے پاس آئے اور
تمھیں کوئی شے کا حکم دے تو یہ دیکھو کہ یہ حکم خدا کے
حکم کے موافق ہے یا نہیں، اگر موافق نہیں ہے تو اُس
شخص کے ساتھ شیطان ہے جو تمھیں اُس کام کا حکم
دے رہا ہے جس کا حکم دے رہا ہے تو اگر تم نے
اس کی اطاعت کی تو تم نے شیطان کی عبادت
کی اور اگر تمھارا نفس تمھیں کسی کام کی طرف
بلائے تو دیکھو کہ شریعت کی رو سے اس کی اجازت

ومن لم يطعه فلا يرجع عنه بل يقول له اعبد الله كى لا تهان وليرتفع عند الناس شأنك وينتفع بك اخوانك واعوانك فان اجاب اليه فقد عبده

ہے یا نہیں۔ اگر اجازت نہیں ہے تو تمھارا نفس ہی شیطان ہے یا اس کے ساتھ شیطان ہے جو (خدا کی نافرمانی کی) تمھیں دعوت دے رہا ہے تو اگر تم نے اس کی پیروی کی تو تم نے اس کی عبادت کی۔ پھر شیطان پہلے کھل کر اللہ کی مخالفت کا حکم دیتا ہے تو جس نے اس کی اطاعت کی اس نے اس کی عبادت کی اور جو شخص شیطان کی اطاعت نہیں کرتا شیطان اسے بھی نہیں چھوڑتا، اس سے کہتا ہے "اللہ کی عبادت کرتا کہ تو ذلیل نہ ہو اور (لوگوں میں تیرا مرتبہ بلند ہو اور تیرے بھائی اور مددگار تجھ سے فائدہ پائیں تو اگر شیطان کی بات مان لی تو اس نے شیطان کی عبادت کی۔

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۂ یٰس)

امام رازیؒ کی اِس طویل مگر نفیس بحث کا خلاصہ یہ ہے :-

۱۔ عبادت کے معنیٰ ہیں اطاعت۔

۲۔ حکام کی اطاعت اللہ کے حکم کے تحت ہو تو وہ اُن کی نہیں، خدا کی عبادت ہے جس طرح کہ فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ، آدمؑ کی نہیں، خدا کی عبادت تھی۔

۳۔ اللہ کی نافرمانی میں حکام کی اطاعت، حکام کی عبادت ہے۔

۴۔ کسی شخص کے کہنے سے اگر وہ کام کیا جائے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی تو یہ شیطان کی عبادت ہے، وہ شخص خود شیطان ہے یا شیطان اس کے ساتھ ہے

۵۔ انسان کا نفس اگر ایسے کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی تو نفس شیطان ہے یا شیطان اس کے ساتھ ہے اور نفس کی اِس طرح کی بات ماننا شیطان کی عبادت ہے

۶۔ یہ بھی شیطان کی عبادت ہے کہ انسان خدا کی بندگی اور نیکی کا کوئی کام اللہ کی رضا کے لیے

نہیں، عزت و شہرت اور اپنے یا اپنے اعزہ و احباب کے دنیوی مفادات کی خاطر کرے۔

سورۃ ذاریات میں اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی تخلیق کا مقصد اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ — اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں

(ذاریات، ۵۶)

تفسیر ابوحیان میں لِيَعْبُدُوْنِ (تاکہ میری عبادت کریں) کی تفسیر حضرت عکرمہؓ سے یہ منقول ہے:۔

لِيُطِيْعُوْنِ (۱۳۳:۸) — تاکہ وہ میری اطاعت کریں۔

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اُس نے اُن کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کی عبادت و اطاعت کا حق ادا کر کے سعادت و کمال کے مدارج حاصل کریں جو اس نے ان کے لیے مقدر کر رکھے ہیں۔ اِس مقصد کی یاد دہانی کے لیے اس نے اپنے رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر اصل حقیقت واضح ہو جائے۔" (تدبر قرآن، جلد ششم ص۶۳۰، ۶۳۱)

"اِس آیت میں لفظِ "عبادت" اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے یعنی رب کی بندگی اور اس کے احکام کی اطاعت، مقصود اس حقیقت کا پتہ بتا دینے سے زندگی کے اصل نصب العین کو سامنے رکھ دینا ہے تاکہ ہر انسان یہ جان لے کہ اسے کس مقصد کے لیے جینا اور کس مقصد کے لیے مرنا ہے۔"

(تدبر قرآن جلد ششم ص۶۳۲)

اس تفسیر سے واضح ہوا کہ:۔

- انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت ہے۔
- اسی مقصد کے لیے انسان کو جینا اور مرنا ہے۔
- اسی مقصد کی یاد دہانی کے لیے انبیاء و رسل بھیجے گئے۔
- اللہ کی عبادت کا مطلب ہے، اس کی بندگی اور اس کے احکام کی اطاعت۔

تفسیر قرطبی میں "عبادت" کی تعریف اِس طرح کی گئی ہے :-

اَلْعِبَادَۃُ الطاعۃ والتذلل	عبادت اطاعت اور تذلل کو کہتے ہیں۔
(۱ : ۱۲۶)	

تفسیر فتح البیان میں ہے :-

معنی العبادۃ فی اللغۃ الذل والخضوع والانقیاد	لغت میں عبادت کے معنی ہیں، پستی، خضوع، (عاجزی) اور اطاعت

معلوم ہوا کہ اطاعت "عبادت" کے مفہوم کا لازمی جزء ہے۔

یہ ہیں مفسرین کی تصریحات، اب آئیے، کچھ محدثین، اکابر اہلِ علم اور کچھ محقق صوفیاء کی تصریحات بھی جان لیں۔

صحیح بخاری کے مشہور شارح علامہ بدرالدین عینی کا ارشاد ہے :-

العبادۃ هی الطاعۃ مع خضوع و تذلل (عمدۃ القاری ۱ : ۳۳۱)	"عبادت" عاجزی و پستی کے ساتھ اطاعت کو کہتے ہیں۔

صحیح بخاری کے ایک اور شارح علامہ قسطلانی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

الاسلام ان تعبد اللہ ای تطیعہ مع خضوع وتذلل	"اسلام یہ ہے کہ خدا کی عبادت کرو" کا مطلب یہ ہے کہ خضوع اور تذلل کے ساتھ اس کی اطاعت کرو

مشہور محدث اور صوفی بزرگ امام نووی شرحِ صحیح مسلم میں فرماتے ہیں :-

العبادۃ هی الطاعۃ مع خضوع	عبادت نام ہے عاجزی کے ساتھ اطاعت کا۔

معلوم ہوا کہ عبادت کے معنی ہیں عاجزانہ اطاعت!

امام ابن تیمیہ کی عبادت کی حقیقت پر ایک مستقل کتاب "العبودیۃ" کے نام سے ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں :-

العبادۃ اسم جامع لِکُل مایحبہ اللہ ویرضاہ من الاقوال والاعمال الباطنۃ	عبادت ایک لفظ ہے جو اُن باطنی وظاہری تمام اعمال اقوال کے لیے جامع ہے جو اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہوں

والظاهرة كالصلوٰة والزكوٰة والصيام
والحج وصدق الحديث واداء الامانة
وبر الوالدين وصلة الارحام والوفاء
بالعهود والامر بالمعروف والنهي عن
المنكر والجهاد بالكفار والمنافقين
والاحسان الى الجار واليتيم والمسكين
والمملوك من الآدميين والبهائم والدعاء
والذكر والقراءة وامثال ذلك من العبادة
وكذلك حب الله ورسوله وخشية
الله والانابة اليه واخلاص الدين
له والصبر لحكمه والشكر لنعمه
والرضاء لقضاءه والتوكل عليه
والرجاء لرحمته والخوف لعذابه
وامثال ذلك هي من العبادات لله
وذلك ان العبادة لله هي الغاية
المحبوبة والمرضية له التي خلق الخلق
لها كما قال تعالى (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) بها ارسل جميع
الرسل كما قال نوح لقومه (اعْبُدُوا
اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ) وكذلك
قال هود وصالح وشعيب وغيرهم
وجعل ذلك لازمًا لرسله الى الموت

(العبودية: ۲)

جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، راست گوئی، امانت
کی ادائیگی، ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی، صلہ رحمی،
معاہدوں کا ایفاء، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، کفار و
منافقین سے جہاد، پڑوسی، یتیم، غریب، مملوک
— آدمی ہوں یا جانور — سے حسن سلوک، دعا، ذکر،
قراءت اور اس طرح کے تمام اعمال عبادت ہیں، اسی
طرح اللہ اور اس کے رسول سے محبت، اللہ کا ڈر،
اللہ کی طرف انابت، دین کو اس کے لیے خالص کرنا،
اس کے احکام پر جم جانا، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا،
اس کے فیصلہ پر راضی رہنا، اس پر بھروسہ کرنا،
اس کی رحمت کی امید رکھنا، اس کے عذاب سے
ڈرنا، یہ اور اس طرح کے سب امور اللہ کی عبادات
میں داخل ہیں اور یہ اس لیے کہ اللہ کی عبادت ہی
وہ غایت ہے جو اللہ کو محبوب اور پسند ہے
جس کے لیے اس نے خلق کو پیدا کیا جیسا کہ اللہ نے
فرمایا (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ)
اور اسی عبادت کے مقصد کے لیے اس نے تمام رسول
بھیجے جیسا کہ نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ کی عبادت
کرو اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے" اور یہی بات
ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور دوسرے انبیاء ورسل
نے کہی اور اس "عبادت" کو اللہ نے اپنے رسولوں
کے لیے موت تک لازم قرار دیا۔

امام ابن تیمیہؒ جیسے عظیم اسلامی محقق و مجدد کی مندرجہ بالا تصریحات سے حسب ذیل امور سامنے آئے۔

۱۔ "عبادت" ان تمام اقوال، اعمال اور جذبات کا نام ہے جو اللہ کو پسند اور محبوب ہیں۔

۲۔ "عبادت" میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے لے کر حقوق العباد کی ادائگی، اخلاقی اقدار کی پابندی، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد، ذکر، خشیت، انابت، اخلاص، رضا، توکل، خدا کی رحمت کی امید، خدا کے عذاب کا خوف، سب اعمالِ خیر، اقوالِ خیر اور جذباتِ خیر شامل ہیں —— بالفاظِ دیگر پورے دین کے اتباع کا نام "عبادت" ہے۔

۳۔ "عبادت" اِس مفہوم میں جن و انس کی تخلیق کی غرض و غایت ہے۔

۴۔ انبیاء و رسل کی دعوت کے مرکزی نقطہ "اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔" میں "عبادت" سے یہی جامع تصور مراد ہے۔

امام شاطبیؒ، جن کی تصنیف "الموافقات" حکمتِ شریعت اور اصولِ فقہ پر بے مثال کتاب ہے، وہ انسانی تخلیق کا مقصد "عبادت" بتاتے ہوئے اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں :۔

کلّ طاعۃ ھی من حیث ھی طاعۃ اللہ عبادۃ (الموافقات ۲ — ۳۱۶)

ہر اطاعت، اِس حیثیت سے کہ وہ خدا کی اطاعت ہے، عبادت ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

عبادتہ امتثال اوامرہ واجتناب نواھیہ بالاطلاق (موافقات ۲ — ۳۱۷)

خدا کی عبادت یہ ہے کہ اس کے جملہ احکام کی بجاآوری کی جائے اور اس کے تمام منہیات سے بچا جائے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

لأنّ المکلّف خلق لعبادۃ اللہ وذٰلك راجع الی العمل علیٰ وفق القصد فی

(مکلّف (انسان) کو خدا کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور "عبادت" مقاصد شریعت کے

وضع الشريعة هٰذا لحصول العبادة — مطابق عمل سے عبارت ہے۔ یہی عبادت کا ماحصل اور اصل مفہوم ہے۔

(موافقات ۲ - ۱۳۲۱)

شریعت کے وضع کرنے سے شارع کا منشا کیا ہے، اس سے بحث کرتے ہوئے امام شاطبیؒ فرماتے ہیں :۔

المقصد الشرعي من وضع الشريعة اخراج المكلف عن داعية هواه حتى يكون عبداً لله اختياراً كما هو عبد الله اضطراراً والدليل على ذلك امور احدها النص الصريح الدال على ان العباد خلقوا للتعبد لله والدخول تحت امره ونهيه كقوله تعالى وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ وقوله يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ثم شرح هذه العبادة في تفاصيل السورة كقوله تعالى لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ

شریعت کے وضع کرنے کا مقصد مکلّف (انسان) کو اس کی خواہشات کی غلامی سے نکالنا ہے تاکہ وہ اختیاری طور پر بھی خدا کا بندہ بن جائے جیساکہ وہ طبعی زندگی میں خدا کا بندہ ہے، اس کے لیے بہت سے دلائل ہیں، ایک تو وہ صریح نصوص ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے خدا کی بندگی اور اس کے اوامر ونواہی کے تحت زندگی گزارنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ مثلاً وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اور یہ ارشاد یا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُم ..... تَتَّقُوْنَ (اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا امید ہے کہ تم (اس کی نافرمانی سے بچو گے) پھر اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کی شرح سورۂ بقرہ کی تفصیلات میں کی ہے مثلاً لَيْسَ الْبِرَّ .... هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (نیکی اور حق شناسی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، نیک اور حق شناس لوگ وہ ہیں جو اللہ، یوم آخر، فرشتوں، (اللہ کی) کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائیں اور (دولت کی) محبت کے باوجود

بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ وهكذا الى تمام ما ذكر فى السورة من الاحكام وقوله وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا الى غير ذلك من الآيات الأمرة بالعبادة على الاطلاق وبتفاصيلها على العموم فذلك كلّه راجع الى الرجوع الى الله فى جميع الاحوال والانقياد إلى احكامه على كلّ حال وهو معنى التعبد لله

(الموافقات، ۲ : ۱۴۸ ، ۱۶۹)

مال عزیزوں، یتیموں، غریبوں، مسافروں، اور سوال کرنے والوں کو دیں اور غلاموں کے سلسلے میں خرچ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، عہد کریں تو اسے پورا کریں، فقر و فاقہ، مصیبت اور جنگ کے بیچ پر صبر و استقامت اختیار کریں، یہی لوگ (دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں اور یہی متقی ہیں اور اسی طرح سورت کے آخر تک جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ سب عبادت ہیں اور اللہ کا ارشاد وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو) اور اسی طرح کی دوسری بہت سی آیات ہیں جو علی الاطلاق (خدا کی) عبادت کا حکم دیتی ہیں اور جن میں عموماً عبادت کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تمام حالات میں اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور ہر حال میں اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے، خدائے تعالیٰ کے تعبد (عبادت) کا مفہوم یہی ہے۔

امام شاطبیؒ کی اِن تشریحات سے حسب ذیل امور واضح ہوئے :-

۱۔ انسان کی تخلیق کا منشا خدا کی ”عبادت“ ہے۔

۲۔ خدا کی ”عبادت“ کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح انسان تکوینی اور طبعی طور پر خدا کا بندہ ہے، اسی طرح اپنی اختیاری زندگی میں بھی خدا کا بندہ بن کر رہے،

۳۔ ”عبادت“ کا حاصل اور اس کا اصل مفہوم ہے، ہر حال میں خدا کی طرف رجوع اور تمام حالات میں اس کے احکام کی پیروی۔

۴۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں جو احکام بیان ہوئے ہیں، وہ ”عبادت“ ہی کی

شرح ہیں۔

امام ابن قیمؒ، جو اسلام کے ایک عظیم محقق ہونے کے ساتھ ایک عظیم صوفی بھی ہیں۔ اور ان کی ضخیم کتاب "مدارج السالکین" جو کئی جلدوں میں ہے اور اسلامی اور غیر اسلامی تصوف پر معرکۃ الآرا کتاب ہے، اس کی شاہدِ عدل ہے۔ سورۂ فاتحہ کی طویل اور نفیس تفسیر میں "الٰہ" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

الثانی الٰهية وكونه الٰهاً فات ذلك مستلزم لكونه معبوداً مطاعاً ولا سبيل الى معرفة ما يعبد به ويطاع الا من جهة رسله

(تفسیر قیم للامام ابن قیمؒ ص۵۹)

اور دوسری بات اس کی "الوہیت" اور اس کا "الٰہ" ہونا ہے، کیونکہ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ معبود و مطاع ہو اور اس کی عبادت و اطاعت کے طریقہ کی معرفت صرف اس کے رسولوں ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے "الٰہ" ہونے کا مطلب ہے اس کا معبود و مطاع ہونا "رب" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

الثالث كونه ربًّا فات الربوبية تقتضى امر العباد ونهيهم وجزاء محسنهم باحسانه ومسيئهم باساءته هذا حقيقة الربوبية

(تفسیر قیم ص۵۹)

تیسری صفت خدا کا "رب" ہونا ہے اور "ربوبیت" کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کو حکم دیا جائے اور انھیں منع کیا جائے، ان میں سے نیکوکار لوگوں کو ان کی نیکی کا اور ان میں کے بدوں کو ان کی بدی کا بدلہ دیا جائے۔ یہ "ربوبیت" کی حقیقت ہے۔

اس تشریح سے واضح ہوا کہ "رب" کا مفہوم ہے، آمر و ناہی، حاکم و فرماں روا

اس کے بعد وہ تقریباً پچاس صفحات میں إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی تشریح فرماتے ہیں، اس پوری نفیس بحث کا یہاں نقل کرنا ممکن نہیں، البتہ جستہ جستہ اس کے کچھ حصے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

والعبادة تجمع اصلين، غاية الحب بغاية الذل والخضوع والعرب

"عبادت" میں دو بنیادی باتیں جمع ہیں، انتہائی محبت اور انتہائی پستی و عاجزی عرب کہتے ہیں طریق معبّد

تقول طریق معبد ای مذلل والتعبد التذلل والخضوع فمن احببته ولم تکن خاضعًا له لم تکن عابدًا له ومن خضعت له بلا محبة لم تکن عابدًا له حتّٰی تکون محبًا خاضعًا

(تفسیر قیم صـ۶۵)

مَعَبَّد یعنی پامال راستہ اور تعبد کے معنٰی ہیں تذلل اور عاجزی تو اگر تم کسی سے محبت کرو اور تم اس کے آگے عاجزی نہ کرو تو تم اس کی "عبادت" کرنے والے نہ ہوگے اور اگر تم محبت کے بغیر کسی کے آگے عاجزی کرو تب بھی اس کی عبادت کرنے والے نہ ہوگے یہاں تک کہ تم محبت اور عاجزی کرنے والے بنو۔

معلوم ہوا کہ "عبادت" کہتے ہیں " انتہائی محبت کے ساتھ انتہائی عاجزی کو"۔ "عبادت" کی حقیقت واضح کرتے ہوئے وہ مزید فرماتے ہیں :۔

اذا عرف ھٰذا فلا یکون العبد متحققًا باِیاك نعبد اِلّا باصلین عظیمین احدھما متابعة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والثانی الاخلاص للمعبود فھٰذا تحقیق اِیَّاكَ نَعْبُدُ

(تفسیر قیم صـ۴۳)

جب تم نے یہ جان لیا تو (سمجھ لو کہ) بندہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی حقیقت سے متصف نہیں ہو سکتا جب تک دو عظیم بنیادی باتیں اُس میں نہ ہوں، ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے اور دوسری بات معبود (اللہ) کے لیے اخلاص ہے۔ یہ حقیقت ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی!

گویا اِیَّاكَ نَعْبُدُ (خدا ہی کی عبادت) اطاعتِ رسول اور خدا کے لیے اخلاص کا دوسرا نام ہے۔ اس کے بعد وہ مزید تفصیل میں جاتے ہیں :۔

والنّاس منقسمون بحسب ھٰذین الاصلین الی اربعة اقسام احدھا اھل الاخلاص والمتابعة وھم اھل ایاك نعبد حقیقةً فاعمالھم کلّھا للہ واقوالھم للہ وعطاءھم للہ ومنعھم للہ وحبّھم للہ وبغضھم للہ فمعاملتھم ظاھرًا وباطنًا لوجہ

اور ان دو بنیادی باتوں (اطاعتِ رسول اور اخلاص للہ) کے تحت انسانوں کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ لوگ جو اخلاص اور اطاعت والے ہیں اور یہی لوگ حقیقتًا اِیَّاكَ نَعْبُدُ والے ہیں تو ان کے سب اعمال اللہ کے لیے ہیں، ان کے اقوال بھی اللہ کے لیے ہیں، ان کا دینا اور نہ دینا دونوں

لله وحده لا يريدون بذلك جزاء ولا
شكورا ولا ابتغاء الجاه عندهم ولا
طلب المحمدة والمنزلة فى قلوبهم ولا
هربا من ذمهم بل قد عدوا الناس
بمنزلة اصحاب القبور لا يملكون لهم
ضرا ولا نفعا ولا موتا ولا حيوة ولا
نشورا........ ومن عرف الله
اخلص له اعماله واقواله وعطاءه
ومنعه وحبه وبغضه...... والا
فاذا عرف الله وعرف الناس آثر
معاملة الله على معاملتهم وكذلك
اعمالهم كلها وعباداتهم موافقة
لامر الله ولما يحبه ويرضاه وهذا
هو العمل الذى لا يقبل الله من
عامل سواه وهو الذى بلا عباده
بالموت والحياة لاجله قال الله تعالى
(۶۷ : ۲) اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ
لِیَبْلُوَکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا...... وهذا
هو المذكور فى قوله تعالى (۱۸ : ۱۱۰)
فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا
صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا
وفى قوله (۴ : ۱۲۵)، وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا
مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَا

اللہ کے لیے ہے'' ان کی محبت اللہ کے لیے ہے،
ان کی دشمنی بھی اللہ کے
لیے ہے تو ان کا ظاہری و باطنی معاملہ صرف اللہ کی
رضا کے لیے ہے، وہ ان کاموں کا (کسی سے)
کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے۔ نہ انسانوں کے
نزدیک جاہ، تعریف اور ان کے دلوں میں قدر و
منزلت کے طالب ہیں، نہ اُن کی مذمت سے بچنا
چاہتے ہیں، انھوں نے انسانوں کو اصحابِ قبور
(مُردوں) کی طرح سمجھ رکھا ہے، جو اُن کے لیے
نقصان، نفع، موت، زندگی اور دوبارہ اٹھائے
جانے میں سے کسی کا اختیار نہیں رکھتے.....
اور جب اللہ کی معرفت حاصل ہوگی۔ وہ اپنے
اعمال، اقوال، اپنے دینے نہ دینے، محبت دشمنی، ہر چیز
کو خدا کے لیے خالص کرے گا...... ورنہ
وہ جب اللہ کو جان لے گا اور انسانوں کو جان
لے گا تو لوگوں کے معاملہ پر اللہ کے معاملہ کو ترجیح
دے گا اور اس طرح ان کے سارے اعمال
اور ان کی عبادات اللہ کے حکم کے موافق اور
اس کی پسند اور رضا کے مطابق ہوں گی۔ اور یہی
وہ عمل ہے کہ اللہ کسی عمل کرنے والے سے اس
کے سوا کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور یہی وہ چیز
ہے، جس کی وجہ سے موت اور حیات کے ذریعے
اس نے اپنے بندوں کو آزمایا ہے، اللہ نے

یقبل اللہ من العمل الا ما کان خالصًا لوجھہ علی متابعۃ امرہ ...... وکلّ عمل بلا اقتداء فانہ لا یزید عاملہ من اللہ اِلّا بُعْدًا فانّ اللہ انّما یعبد بامرہ لا بالآراء والاھواء

(تفسیر قیم، ص ۴۳، ۴۴)

فرمایا (۶۷ : ۲) "جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمھیں آزمائے کہ کون تم میں بہتر عمل کرنے والا ہے۔" اور اِسی بات کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد میں ہے (۱۸ : ۱۱۰) "تو جو کوئی اپنے رب سے ملنے کا امیدوار ہو تو وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے" اور اس ارشاد میں بھی ہے (۴ : ۱۲۵) "اس شخص سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا اس حال میں کہ وہ نیکوکار ہے" تو اللہ تعالیٰ عمل میں سے اُسی کو قبول فرماتا ہے جو خالصۃً اُسی کے لیے ہو، اُس کے احکام کی پیروی کرتے ہوتے ہو...... جو عمل پیروی کے بغیر ہو، اُس کے کرنے والے کی، اللہ سے دوری اس عمل کی وجہ سے اور بڑھے گی کیونکہ اللہ کی عبادت اس کے حکم کے تحت ہو گی نہ کہ (اپنی) آراء و اھواء کے تحت۔

اِس نفیس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

۱۔ اللہ کی عبادت کا مطلب ہے، اُس کے رسول کی پیروی اور خالصۃً اللہ ہی کے لیے عمل۔
۲۔ یہ عمل عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ سارے اعمال و اقوال کو محیط ہے۔
۳۔ نہ صرف ظاہری بلکہ باطنی اعمال بھی اللہ ہی کے لیے ہونے چاہئیں۔
۴۔ اللہ نے انسان کا اِس امر میں امتحان لیا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں اور اُسی کی رضا کے لیے سارے کام بجا لاتا ہے یا نہیں۔
۵۔ اللہ کی عبادت کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر عمل خالصۃً اس کی رضا کے لیے

ہو اور اس کے احکام کے تحت ہو۔

کچھ صفحات کے بعد وہ "عبادت" پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے پھر لکھتے ہیں :-

فالله تعالیٰ انما خلق الخلق لعبادته الجامعة لكمال محبته مع الخضوع له والانقياد لامره فاصل العبادة محبة الله بل افراده بالمحبة وان يكون الحب كله فلا يحب معه سواه وانما يحب لاجله وفيه .... واذ كانت المحبة له حقيقة عبوديته وسرها فهي انما تتحقق باتباع الامر واجتناب نهيه فعند اتباع الامر واجتناب النهي تتبين حقيقة العبودية والمحبة ولذا جعل تعالیٰ اتباع رسوله علمًا عليها وشاهدًا لمن ادعاها فقال تعالیٰ (۳:۳۱) : قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) فجعل اتباع رسوله مشروطًا بمحبتهم لله وشرطًا لمحبة الله لهم ووجود المشروط ممتنع بدون وجود شرطه وتحققه بتحققه فعلم انتفاء المحبة عند انتفاء المتابعة .... ودل على ان متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم

تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی "عبادت" کے لیے پیدا کیا ہے جو کمالِ محبت، خدا کے حضور عاجزی اور اس کے احکام کی اتباع کو جامع ہے۔ تو عبادت کی اصل یہ ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے بلکہ اسی سے کی جائے اور یہ محبت ساری کی ساری اس کے لیے ہو تو اس کے ساتھ اس کے سوا کسی سے محبت نہ کرے بلکہ صرف اسی کی وجہ سے اور اس کی راہ میں محبت کرے...... اللہ کی عبودیت کی حقیقت اور اس کا راز یہ ہے کہ اس سے محبت کی جائے مگر یہ محبت اس کے احکام کے اتباع اور ممنوعات کے اجتناب ہی کے ذریعہ متحقق ہوتی ہے اور احکام کے اتباع اور ممنوعات سے اجتناب کے وقت ہی عبودیت اور محبت کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی پیروی کو خدا سے محبت کی علامت قرار دیا اور جو محبت کا دعویٰ کرے اس کے لیے اتباع کو شاہد بنایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ ..... اللّٰهُ دیکھو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا تو اللہ نے ان کی، اللہ سے محبت کو اپنے رسولؐ کے اتباع کے

هي حب الله ورسوله وطاعة امره
ولا يكفى ذالك فى العبودية حتى يكون
الله ورسوله احب الى العبد مما سواهما
.... ومتى كان عنده شيئ
احب اليه منهما فهذا هو الشرك
الذى لا يغفر الله لصاحبه البتة
ولا يهديه الله، قال الله تعالى
(۹: ۲۴) قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥) فكل من قدم طاعة
احد من هؤلاء على طاعة الله ورسوله
اوقول احد منهم على قول الله ورسوله
اومرضاة احد منهم على مرضاة الله و
رسوله اوخوف احد منهم ورجاءه
والتوكل عليه على خوف الله ورجاءه
والتوكل عليه اومعاملة احدهم
على معاملة الله فهو ممن ليس الله
ورسوله احب اليه مما سواهما
وان قاله بلسانه فهو كذب منه

مشروط کیا اور ان سے اپنی محبت کے لیے اسے
شرط قرار دیا اور شرط کے وجود کے بغیر مشروط
کا وجود ناممکن ہے اور شرط کے متحقق ہونے ہی
سے مشروط متحقق ہوگا...... اس سے یہ
بات واضح ہوئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیروی ہی اللہ اور رسول سے محبت اور اللہ
کے احکام کی پیروی ہے اور عبودیت میں صرف
محبت کافی نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ اور اس کے
رسول بندے کو ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں
..........اور اگر بندے کو کوئی چیز اللہ
اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہو تو یہی وہ
شرک ہے جس کے مرتکب کی کسی حال میں مغفرت
نہ ہوگی اور اللہ اسے ہدایت نہ دے گا، اللہ نے
فرمایا قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ...... الْفَاسِقِينَ
(۹: ۲۴) کہو، اگر تمھارے باپ تمھارے بیٹے،
تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا خاندان،
وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، تجارت جس کے مندہ
ہونے کا تمھیں ڈر ہے اور وہ گھر جو تمھیں پسند
ہیں، تمھیں زیادہ محبوب ہوں اللہ سے، اس کے
رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے، تو انتظار
کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے اور
اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں بخشتا، تو ہر وہ شخص
جو ان میں سے کسی کی اطاعت کو اللہ اور اس کے

واخبار بخلاف ما هو عليه وكذلك من قدّم حكم احد على حكم الله و رسوله فذلك المقدّم عنده احب من الله و رسوله ......

(تفسیر قیم ص ۹۰٬۸۹)

پر مقدّم رکھے یا ان میں سے کسی کے قول کو اللہ اور اس کے رسول کے قول پر مقدّم رکھے یا ان میں سے کسی کی خوشنودی کو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی پر یا اُن میں سے کسی کے خوف یا اس سے امید یا اس پر بھروسہ کو اللہ کے خوف، اس سے امید اور اس پر بھروسہ پر یا کسی سے معاملہ کو خدا کے معاملہ پر مقدّم رکھے تو وہ ان میں سے ہے جنھیں اللہ اور اس کا رسول ماسوا سے زیادہ محبوب نہیں ہیں، اگر وہ زبان سے محبّت کا دعویٰ بھی کرے تو وہ اس کی جانب سے دروغ گوئی ہے اور جو اس کی حالت ہے اس کے خلاف وہ اطلاع دے رہا ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کے حکم کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر مقدّم رکھے تو یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں اسے زیادہ محبوب ہے۔

اِس طویل عبارت سے واضح ہوا کہ :۔

۱۔ "عبادت" کمالِ محبّت، خضوع اور خدا کے احکام کی اطاعت کے جامع تصور کا نام ہے۔

۲۔ "عبادت" کی بنیادی حقیقت یہ ہے کہ خدا سے اور صرف خدا سے محبّت کی جائے کُل محبّت اس سے کی جائے اور اس کے سوا جس سے بھی محبّت کی جائے خدا ہی کے لیے اور خدا کی راہ میں کی جائے۔

۳۔ خدا کی محبّت کا تحقق اس کے اوامر کے اتباع اور اس کی ممنوعات سے اجتناب سے ہوتا ہے، یہی مطلب ہے خدا کی عبادت اور محبّت کا۔

۴۔ خدا کی محبّت، عبادت اور اطاعت رسول کی اطاعت پر موقوف ہے، جو رسول

کی اطاعت نہیں کرتا وہ خدا کی عبادت نہیں کرتا اور اس کا محبتِ خدا اور رسول کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

۵۔ خدا کی عبادت کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ خدا اور رسول بندے کو ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

۶۔ جو شخص خدا کے قول پر کسی کے قول کو، خدا کے حکم پر کسی کے حکم کو، خدا کی اطاعت پر کسی کی اطاعت کو، خدا کی خوشنودی پر کسی کی خوشنودی کو، خدا سے خوف، اس سے امید اور اس پر بھروسہ پر کسی کے خوف، امید اور بھروسہ کو مقدم رکھے، اس کا محبتِ خدا و رسول کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

۷۔ جو شخص خدا اور رسول سے زیادہ کسی اور سے محبت کرتا ہے، وہ خدا کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتا ہے، وہ ایسے شرک کا ارتکاب کرتا ہے جس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی۔

اس کے بعد امام ابن قیم انسانی اعضاء کے لحاظ سے "عبادت" کی چار بنیادی قسمیں بیان فرماتے ہیں:-

وبنى اياك نعبد على اربع قواعد: التحقق بما يحبه الله ورسوله ويرضاه من قول اللسان والقلب وعمل القلب والجوارح فالعبودية اسم جامع لهذه المراتب الاربع فاصحاب اياك نعبد حقاً هم اصحابها فقول القلب هو اعتقاد ما اخبر الله سبحانه به عن نفسه وعن اسمائه وصفاته وافعاله وملائكته ولقاءه على لسان رسله وقول اللسان الاخبار

اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی بنیاد چار باتوں پر ہے، اللہ اور اس کے رسول جس بات کو محبوب رکھتے اور پسند کرتے ہیں، وہ متحقق ہو جائے یعنی زبان اور دل کا قول اور دل اور اعضاء کا عمل، تو عبودیت ان چاروں مراتب کی جامع ہے۔ تو "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" والے حقیقۃً وہی ہیں جو ان مراتب والے ہیں تو دل کا قول یہ ہے کہ وہ اس چیز پر اعتقاد رکھے جس کی خبر اللہ سبحانہٗ کے بارے میں اور اپنے اسماء، اپنی صفات، اپنے افعال، اپنے ملائکہ اور اپنے سے ملاقات کے بارے میں اپنے رسولوں کی زبانی دی ہے اور زبان کا

عنہ بذلك والدعوة اليہ والذب عنہ وتبيين بطلان البدع المخالفة لہ والقيام بذكره وتبليغ اوامره وعمل القلب كالمحبة لہ والتوكل عليہ والانابة اليہ والخوف منہ والرجاء لہ واخلاص الدين لہ والصبر على اوامره وعن نواهيہ وعلى اقداره والرضى بہ وعنہ والموالاة فيہ والمعاداة فيہ والذل لہ والخضوع والاخبات اليہ والطمانينة بہ وغير ذلك من اعمال القلوب التى فرضها افرض من اعمال الجوارح ومستحبها احب الى الله من مستحبها وعمل الجوارح بدونها اما عديم المنفعة اوقليل المنفعة واعمال الجوارح كالصلوٰة والجهاد ونقل الاقدام الى الجمعة والجماعات ومساعدة العاجز والاحسان الى الخلق ونحو ذلك فاياك نعبد التزام لاحكام هذا الاربعة واقرار بها

(تفسیر قیم ص۹۱)

قول یہ ہے کہ وہ اِن باتوں کی خبر دے، ان کی طرف دعوت دے، جو نئی باتیں (بدعات) ان کے خلاف ہیں ان کا باطل ہونا واضح کرے، اس کے ذکر کا اہتمام کرے اور اس کے احکام کی تبلیغ کرے اور دل کا عمل مثلاً یہ ہے کہ اس سے محبت کرے، اس پر بھروسہ کرے، اس کی طرف رجوع کرے، اس سے ڈرے، اس سے امید لگائے، دین کو اس کے لیے خالص کرے، اس کے احکام پر استقامت اختیار کرے، اس کی ممنوعات سے بچنے پر جارہے، اس کی اقدار اور اس کی خوشنودی پر قائم رہے، اس سے راضی رہے، اس کی راہ میں محبت اور دشمنی کرے، اس کے آگے پست اور عاجز ہو، اس کی طرف مائل ہو، اس کے ساتھ طمانیت حاصل کرے وغیرہ وغیرہ وہ اعمالِ قلب، جن میں کے فرض اعمال اعضاء کے اعمال سے زیادہ فرض ہیں اور جن میں کے مستحب اعمال اعضاء کے مستحب اعمال سے زیادہ اللہ کو محبوب ہیں اور ان قلبی اعمال کے بغیر عملِ جوارح غیر نفع بخش یا معمولی نفع بخش ہیں اور اعمالِ جوارح مثلاً نماز، جہاد، جمعہ اور جماعتوں کے لیے قدم بڑھانا، ناتوانوں کی امداد، مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک وغیرہ اور اس طرح کے سب احکام تو اِیَّاكَ نَعْبُدُ ان چاروں قسم کے احکام کے التزام اور ان کے اقرار کا نام ہے۔

امام ابنِ قیم کی اِن تصریحات سے معلوم ہوا کہ :-

کہ جو امور اسے پسند اور محبوب ہیں ان کو بجا لایا جائے ۔

۱۔ اللہ کی عبادت یہ ہے کہ جو امور اسے پسند اور محبوب ہیں ان کو بجا لایا جائے ۔
۲۔ خدا کے اِن پسندیدہ اور محبوب اعمال کا تعلق دل، زبان اور اعضار تینوں سے ہے۔
۳۔ خدا کی ذات، اسمار، صفات اور افعال کے بارے میں صحیح اعتقاد رکھنا، اور فرشتوں اور آخرت میں خدا کے حضور حاضری اور ملاقات پر ایمان یہ دل کا قول اور دل کی عبادت ہے۔
۴۔ زبان سے ان ایمانیات کا اقرار، ان کا ذکر، ان کے خلاف افکار و خیالات کا ابطال اور احکامِ خداوندی کی تبلیغ یہ زبان کا قول اور زبان کی عبادت ہے۔
۵۔ اللہ سے محبت، اس سے امید، اس سے خوف، اس پر بھروسہ، اس کی طرف انابت، اس کے حضور جھکاؤ، عاجزی، خضوع، اس کی رضا جوئی، اس کی رضا پر راضی رہنا، اس کی راہ میں محبت اور دشمنی، اس کے احکام پر صبر و استقامت، اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے شدت کے ساتھ اجتناب، اس کی نازل کردہ اقدار پر مضبوطی کے ساتھ جماؤ، اس کی راہ اور اس کے دین کے سلسلے میں طمانیت وغیرہ یہ دل کے اعمال اور دل کی عبادت ہیں اور یہ اعضار کے اعمال سے بڑھ کر ہیں۔
۶۔ اعضار اور جوارح کی عبادت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ خدا کے پسندیدہ کام کی بجا آوری ہو جیسے نماز، جہاد، ناتوانوں کی امداد، مخلوقات سے حسنِ سلوک وغیرہ۔

بالفاظِ دیگر پورا دین ایمان، عمل، خدمتِ خلق، باطل پر تنقید، اسلام کا دفاع، دعوت و تبلیغ، راہِ خدا میں صبر و استقامت، قربانی اور جہاد سمیت، سب "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" میں داخل ہے۔ سب خدا کی "عبادت" ہے اور "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" میں ہم ان سب امور کے التزام کا اقرار کرتے ہیں۔

اس کے بعد امام ابن قیمؒ "عبودیت" کی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں :-

العبودية نوعان عامة وخاصة	"عبودیت" کی دو قسمیں ہیں، عامؔ اور خاصؔ۔
فالعبودية العامة عبودية اهل السماوات والارض كلهم لله	تو عام عبودیت، سب اہلِ سماوات وارض کی اللہ کے لیے ہے۔ اس میں نیک و بد، مومن و کافر

بزهم وفاجرهم مؤمنهم وكافرهم فهذه
عبودية القهر والملك........
وقال تعالى (٢٥ : ١٧) وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَقُولُ
ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ، فَسَمَّاهُمْ
عِبَادَهُ مَعَ ضَلَالِهِمْ........ وَأَمَّا
النوع الثاني فعبودية الطاعة والمحبة
واتباع الاوامر، قال تعالى (٤٣ : ٦٨)
يَا عِبَادِيْ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا
أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ....... فالخلق كلهم
عبيد ربوبيته واهل طاعته وولايته
هم عبيد الهيته .... وانما
انقسمت العبودية الى خاصة
وعامة لان اصل معنى اللفظة
الذل والخضوع يقال طريق مُعَبَّد
اذا كان مذللا بوطئ الاقدام و
وعبّده الحب اذا ذلّله لكن اولياءه
خضعوا له وذلوا طوعا واختيارا
وانقيادا لامره ونهيه واعداءه
خضعوا له قهرا ورغما

سب شامل ہیں، یہ غلبہ اور بادشاہت کی عبودیت
(تکوینی عبودیت) ہے ..... اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا
(۲۵: ۱۷) " وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ..... هٰؤُلَاءِ
(اور وہ دن یاد کرو جب اللہ انھیں جمع کرے گا اور
اللہ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے، انھیں بھی
اور ان سے فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں
کو گمراہ کیا تھا) تو اللہ نے ان کی گمراہی کے باوجود
انھیں اپنا بندہ کہا (کہ تکوینی اعتبار سے وہ خدا کے بندے
ہیں) دوسری قسم، اطاعت، محبت اور خدا کے
احکام کے اتباع کی عبودیت ہے، اللہ تعالیٰ نے
فرمایا (۴۳: ۶۸) "یَا عِبَادِی ... تَحْزَنُوْنَ (اے
میرے بندو! آج تمھیں کوئی خوف لاحق نہ ہوگا اور نہ
تم غمگین ہوگے) .... تو مخلوق سب کی
سب اس کی ربوبیت (حاکمیت) کے تحت بندہ ہے
اور جو اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتے ہیں وہ
اس کی اُلوہیت کے بندے ہیں ...... اور عبودیت
دو قسموں، عام اور خاص میں اس لیے منقسم ہوئی
کہ لفظ کے اصل معنیٰ پستی اور عاجزی کے ہیں، کہا
جاتا ہے "طریق معبّد" جب پیروں کے روندنے
سے راستہ پامال ہوگیا ہو اور عَبَّدَهُ الْحُبُّ (محبت
نے اسے پامال اور پست کر دیا) جب محبت نے اسے
پامال و پست کر دیا ہو لیکن خدا کے دوست اس کے
آگے جھکے اور پست ہوئے اپنی خوشی اور اپنے اختیار

ہے اور اس کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرتے ہوئے
اور خدا کے ضمن اس کے آگے جھکے جیسا ٹھہرا۔

(تفسیر قیم ص۹۵-۹۷)

اس تشریح سے واضح ہوا کہ:

۱. عبادت کا اصل مفہوم ہے جھکنا اور عاجزی اختیار کرنا۔
۲. عبادت یا عبودیت کی دو قسمیں ہیں، عام اور خاص۔
۳. عام عبودیت یہ ہے کہ تکوینی اور طبعی طور پر خدا کی اطاعت کی جائے۔
۴. خدا کے تکوینی و طبعی قوانین کی اطاعت کائنات کی ہر شے کر رہی ہے۔ اس لیے کہ وہ تکوینی طور پر چار و ناچار خدا کی بندگی میں مصروف ہے۔
۵. خاص عبودیت یہ ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار سے خدا کی اطاعت اور محبت کی راہ اختیار کی جائے اور اس کے اوامر و نواہی کی پیروی کی جائے۔

اس کے بعد امام ابن قیمؒ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" کے علمی و عملی مراتب بیان فرماتے ہیں:

للعبودية مراتب بحسب العلم والعمل، فاما مراتبها العلمية فمرتبتان احداهما العلم بالله والثانية العلم بدينه... ...ومراتبها العلمية فمرتبتان، مرتبة لاصحاب اليمين ومرتبة للسابقين المقربين فاما مرتبة اصحاب اليمين فاداء الواجبات وترك المحرمات مع ارتكاب المباحات وبعض المكروهات وترك بعض المستحبات واما مرتبة المقربين فالقيام بالواجبات والمندوبات وترك المكروهات زاهدين فى مالا ينفعهم فى معادهم متورعين

علم اور عمل کے اعتبار سے "عبودیت" کے کئی مرتبے ہیں، جہاں تک علمی مراتب کا تعلق ہے تو یہ دو مرتبے ہیں، ایک اللہ کی معرفت، دوسرے اس کے دین کا علم..... عملی مرتبے بھی دو ہیں، ایک اصحاب الیمین کا مرتبہ ہے اور دوسرا سابقون المقربون کا مرتبہ ہے۔ اصحاب الیمین کا مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کی ادائیگی ہو، حرام چیزوں کو ترک کیا جائے، مباحات اور کچھ مکروہات کا ارتکاب ہو اور بعض مستحب چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔ مقربین کا مرتبہ یہ ہے کہ فرائض و سنن، دونوں کا اہتمام ہو، مکروہات کو ترک کر دیا جائے، جو چیز انھیں آخرت میں فائدہ نہ بخشے اس سے وہ بے رغبت ہوں، جس سے نقصان کا خوف

عما یخافون ضرر • (تفسیر قیم ص۹۰) ہو اس سے بچیں۔

گویا عبودیت پورے دین کی پیروی کے ہم معنیٰ ہے جو علم و عمل، فرائض، سنن، محرمات مکروہات اور مباحات کے احکام پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں:۔

وھی العبودیة تدور علی خمس عشرة قاعدة، من کملها کمّل مراتب العبودیة وبیانها ان العبودیة منقسمة علی القلب واللسان والجوارح وعلیٰ کل منها عبودیة تخصه والاحکام التی للعبودیة خمسة واجب ومستحب وحرام ومکروہ ومباح وھی لکل واحد من القلب واللسان والجوارح....	اور عبودیت کی چکی پندرہ اصولوں پر چلتی ہے، جس نے ان اصولوں کی تکمیل کی۔ اس نے عبودیت کے مراتب کی تکمیل کر دی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبودیت کا تعلق دل، زبان اور اعضاء و جوارح سے ہے اور ان میں سے ہر ایک کی ایک خاص عبودیت ہے، پھر عبودیت کے پانچ احکام ہیں، واجب، مستحب، حرام، مکروہ اور مباح اور یہ احکام، دل، زبان اور اعضاء سب سے متعلق ہیں۔

...... (تفسیر قیم للامام ابن قیمؒ ص۱۰)

اس کے بعد وہ گیارہ صفحات میں دل، زبان اور اعضاء و جوارح سے متعلق احکام عبودیت کی تفصیل بیان فرماتے ہیں جو بعینہٖ احکام دین ہیں:

یہ ہے "عبادت" اور "عبودیت" کی تشریح اسلام کے ایک عظیم محقق اور عظیم صوفی کی نظر میں، عبادت کے معنیٰ، پوری زندگی میں احکام الٰہی کا اتباع!

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ "تفسیر قیم"[1] کے مرتب مولانا محمد اویس ندویؒ نے اس پوری بحث

---

[1] "تفسیر قیم" امام ابن قیمؒ کی تصنیف کردہ کسی تفسیر کا نام نہیں ہے، مولانا محمد اویس ندویؒ نے جو دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک اہم استاد تھے، مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ارشاد کے تحت امام ابن قیمؒ کی مختلف تصانیف میں سے — جن میں ایک مدارج السالکین بھی ہے — امام ابن قیمؒ کی مختلف سورتوں اور آیتوں سے متعلق تفاسیر — جن میں سب سے طویل تفسیر سورۂ فاتحہ اور آیت "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کی ہے — یکجا کر دی ہیں اور تفاسیر جن اس مجموعہ کو اہم ترین مقام دیا ہے، مولانا سید ابو الحسن ندوی کا مشورہ بھی اس ترتیب میں شامل رہا ہے۔

کے لیے "مدارج السالکین" جلد اول صفحہ ۴ تا ۶۶ کا حوالہ دیا ہے جو تصوف پر امام ابن قیمؒ کی ضخیم اور معرکۃ الآرار کتاب[1] ہے۔

اکابر صوفیائے کرام بھی عبادت کے مفہوم کو پرستش تک محدود نہیں رکھتے، وہ عبادت کا وسیع مفہوم لیتے ہیں جو پوری انسانی زندگی پر حاوی ہے۔ علامہ ابن السراجؒ نے جن کی کتاب اللمع تصوف کی اولین تصنیف خیال کی جاتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے "عبادت" کی حسب ذیل تشریح نقل کی ہے:-

قال وجدت العبادة فی اربعة اشیاء اولها اداء فرائض اللہ تعالیٰ والثانی اجتناب محارم اللہ تعالیٰ والثالث الامر بالمعروف ابتغاء ثواب اللہ تعالیٰ والرابع النہی عن المنکر اتقاء غضب اللہ

فرمایا، میں نے "عبادت" کو چار چیزوں میں پایا، اوّل اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی، دوم اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز، سوم اللہ کے اجر کی طلب میں نیکی کا حکم کرنا، اور چہارم خدا کے غضب سے بچنے کے لیے برائیوں کو روکنا اور منع کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ "عبادت" چار امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ اللہ کے عائد کردہ تمام احکام کی بجاآوری
۲۔ اللہ کی حرام کردہ اشیاء سے اجتناب
۳۔ اجرِ خداوندی کے حصول کے لیے امر بالمعروف
۴۔ غضبِ الٰہی سے بچنے کے لیے نہی عن المنکر

رسالہ "قشیریہ" امام ابوالحسن قشیریؒ کی تصنیف ہے اور تصوف کی بنیادی اور اہم کتب میں اس کا شمار ہے۔ اس کتاب میں امام قشیریؒ عبودیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

العبودیۃ ان تکون عبدہ فی کل حال

"عبودیت" یہ ہے کہ تم ہر حال میں اس کے

[1] کاش تصوف کی جا و بیجا حمایت کرنے والے اس معرکۃ الآرا کتاب کا مطالعہ کر لیتے۔

كما انه ربك فی کل حال — "بندے" بن کر رہو جیسا کہ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہر حال میں تمہارا "رب" ہے۔

(رسالہ قشیریہ : ۱۹)

گویا "عبودیت" کا مفہوم ہے، پوری زندگی میں خدا کا بندہ بن کر رہنا۔

رسالہ قشیریہ کے شارح صوفی ابویحییٰ زکریا انصاریؒ "عبودیت" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

واصلها العبادة وهی القیام بالفعل المطلوب شرعًا وهی محمودة ومطلوبة — "عبودیت" کی اصل "عبادت" ہے اور "عبادت" اسے کہتے ہیں کہ ہر وہ فعل انجام دیا جائے جو شرعًا مطلوب ہے اور یہی "عبادت" مطلوب محمود ہے۔

یعنی "عبادت" جو مطلوب و محمود ہے، یہ ہے کہ جو افعال خدا کو پسند ہیں، ان کو بجالایا جائے۔

مشہور شیخ طریقت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں :-

"ہمیشہ احکام الٰہی کا اتباع کر، اور اس کی منہیات سے اجتناب کر، خدا کے مقدرات اسی کے اختیار و رضا پر رہنے دے اور مخلوقات میں کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرے، تیرے ارادے اور تیری آرزوئیں سب اسی کی مخلوق ہیں، پس تیرا ارادہ اور خواہش کرنا گویا مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اس حال میں تو مشرک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو شخص اللہ کے دیدار کی توقع رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور مخلوقات میں سے کسی کو بھی خدا کی عبادت میں شریک نہ ٹھہرائے[1]۔ واضح ہو کہ صرف بت پرستی ہی شرک نہیں ہے بلکہ خواہشاتِ نفس کی اندھا دھند پیروی کرنا اور دنیائے فانی میں کسی بھی ہستی یا کسی بھی شے سے قلب و دماغ کو بدرجہ عشق وابستہ کرلینا بھی صریحًا شرک ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "(اے نبیؐ) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے ہوائے نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے[2]"۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ غیر اللہ ہے اور جب تو غیر اللہ میں محو اور مشغول ہوا تو بلاشبہ تو نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اور تو مشرک ہوگیا؟" (ترجمہ فتوح الغیب، مضمون اطمینان کا راز)

[1] فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ، (سورہ کہف، آیت ۱۱۰) [2] أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (فرقان، ۴۳)

گویا توحیدِ الٰہی یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کا اتباع کیا جائے اور خدا کی مقدرات پر راضی رہا جائے اور یہ صریح شرک ہے کہ ہوائے نفس کی پیروی کی جائے یا غیر اللہ سے دل کو والہانہ وابستہ کیا جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جو ہندوستان میں علمِ حدیث عام کرنے والے اہم فرد اور فتنۂ اکبری کو ختم کرنے والے عظیم مصلح ہونے کے ساتھ صوفی باصفا بھی ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی "فتوح الغیب" کی شرح میں ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

خلاصۂ کار مسلمانی ہمیں دو چیز است، امتثالِ امرِ تشریعی و تسلیم حکمِ ارادی، آنچہ بگوید بکن آں چنانچہ دارد باش، اوّل عبادت است و ثانی عبودیت۔

اسلام کا خلاصہ بس یہی دو چیزیں ہیں، شریعتِ الٰہی کے احکام کی تکمیل اور خدا کے ارادی (تکوینی) فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا۔ جو کچھ خدا فرماتا ہے اس کو کرو اور جس حال میں وہ رکھتا ہے اس حال میں رہو، پہلی "عبادت" ہے اور دوسری "عبودیت"

یعنی "عبادت" نام ہے "احکامِ خداوندی کی تعمیل" کا اور "عبودیت" کا مفہوم ہے، خدا کے مقدرات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ جن کا مقام ایک مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، صوفی اور مجدد کی حیثیت سے علمائے اُمت میں بہت اونچا ہے، اپنی معرکۃ الآراء کتاب "حجۃ اللہ البالغہ میں" باب فی بیان حقیقۃ الشرک" کا آغاز "عبادت" کی تعریف سے کرتے ہیں :۔

اعلم انّ العبادة هو التذلّل الاقصیٰ وکون تذلل اقصیٰ من غیره لا یخلو اِمّا ان یکون بالصورة مثل کون هٰذا قیاماً وذالک سجوداً او بالنیة بان نوی بهٰذا الفعل تعظیم العباد لمولاهم وبذالک تعظیم الرعیة للملوک او التلامذة

جان لو کہ عبادت انتہائی عاجزی و پستی کا نام ہے اور عاجزی و پستی کا دوسری عاجزی و پستی کے مقابلہ میں انتہائی ہونا یا صورت و شکل سے ہو گا مثلاً قیام اور سجود یا نیت سے کہ اِس فعل سے یہ مقصود ہے کہ بندے اپنے مالک و آقا کی تعظیم کریں اور اُس فعل سے یہ مقصود ہے کہ رعیت بادشاہوں کی

للاستاذ لا ثالث لهما و لمّا ثبت سجود التحية من الملائكة لآدم عليه السلام ومن اخوة يوسف ليوسف عليه السلام وانّ السجود اعلیٰ صوَر التعظيم وجب ان لايكون التميز الّا بالنية

اور شاگرد استاد کی تعظیم کریں — اِن دو کے علاوہ تیسری کوئی شکل نہیں، اور فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کے لیے سجدۂ تحیت چونکہ ثابت ہے اور سجدہ تعظیم کی بلند ترین صورت ہے، فرق و امتیاز صرف نیت ہی سے ہو سکتا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ :-

۱۔ عبادت انتہائی عاجزی و پستی کا نام ہے۔

۲۔ قیام اور سجدہ وغیرہ انتہائی عاجزی کی شکلیں ہیں۔

۳۔ حضرت آدمؑ کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے ، یہ سجدۂ عبادت نہیں، سجدۂ تحیت تھا۔

۴۔ عبادت میں فیصلہ کن چیز نیت ہے، کسی ہستی کو معبود سمجھ کر اس کے حضور عاجزی و پستی اختیار کی جائے۔ یہ عبادت ہے۔

اس کے بعد وہ "باب اقسام الشرک" کے عنوان کے تحت شریعتِ محمدیؐ میں شرک کی مختلف قسموں اور شکلوں میں سجدہ لغیر اللہ، استعانت لغیر اللہ اور کچھ ہستیوں کو خدا کا بیٹا اور بیٹی بنانے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

ومنها انهم كانوا يتخذون احبارهم ورهبانهم اربابًا من دون الله تعالٰى بمعنى انهم كانوا يعتقدون انّ ما احلّه هؤلاء حلال لا باس به فى نفس الامر وانّ ما حرّمه هؤلاء حرام يؤاخذون به فى نفس الامر، لمّا نزل قوله تعالٰى اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ

اِن میں سے ایک امر یہ تھا کہ وہ اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا "رب" بناتے تھے، اس مفہوم میں کہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جس چیز کو یہ حلال کر دیں، وہ حلال ہے، اور اُسے کرنے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور جسے یہ حرام کر دیں وہ فی نفسہ حرام ہے اور اس پر مؤاخذہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ

وَرُهْبَانَهُمْ الایۃ سأل عدی بن حاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال کانوا یحلون لہم اشیاء فیستحلونہا ویحرمون علیہم اشیاء فیحرمونہا (حجۃ اللہ، ۶۲)

(یہ آیۃ نازل ہوا تو عدی بن حاتمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا، آپؐ نے فرمایا، وہ ان کے لیے چیزوں کو حلال کرتے تو وہ انھیں حلال سمجھتے اور ان پر چیزوں کو حرام کرتے تو وہ انھیں حرام قرار دیتے۔)

"رب" کی بحث میں اس آیت اور اس روایت پر بہت تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے اور حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی آچکا ہے، فتلک عبادتہم" (یہی ان کی عبادت ہے) معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی ہستی کو تحلیل و تحریم کا حق دینا اس کی "عبادت" کے اور خدا کے ساتھ شرک کرنے کے مترادف ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے، شاہ عبدالقادرؒ کے اردو ترجمۂ قرآن کی خوبیوں اور نزاکتوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، وہ "عبادت" اور اس کے مشتقات کا ترجمہ کبھی کبھی "پوجنا" اور اس کے مشتقات سے کرتے ہیں، مثلاً سورۂ یونس میں ہے :۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ (یونس، ۱۸)

شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں :۔

"اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے، جو نہ برا کرتے اُن کا، نہ بھلا"

لیکن بالعموم وہ "عبادت" اور اس کے مشتقات کا ترجمہ "بندگی کرنا" اور اس کے مشتقات سے کرتے ہیں، مثلاً سورۂ فاتحہ میں ہے :۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٥ تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے ہم مدد چاہیں۔

سورۂ بقرہ میں نوعِ انسانی کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥ (بقرہ، ۲۱)

شاہ عبدالقادرؒ صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں :۔

"لوگو بندگی کرو اپنے رب کی، جس نے بنایا تم کو اور تم سے اگلوں کو شاید تم

پرہیزگاری پکڑو۔"

حضرت نوحؑ کی دعوت کا ذکر سورۂ اعراف میں اس طرح ہے :۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (اعراف، ۷۰)

شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ اِس طرح ہے :۔

"ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف تو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمھارا صاحب اس کے سوا۔"

مختلف انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ذیل میں شاہ صاحبؒ نے اُعْبُدُوا اللّٰهَ" کا ترجمہ" بندگی کرو اللہ کی" کیا ہے۔ اور "بندگی کرو" اور پوجو" ، دونوں ترجموں میں جو فرق ہے وہ واضح ہے، "بندگی" کا لفظ "پرستش اور اطاعت" دونوں کو حاوی ہے اور بعض اوقات میں وہ صرف "اطاعت" کے معنیٰ میں آتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے :۔

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ٥ (بقرہ، ۱۷۲)

اِس کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے اس طرح کیا ہے :۔

"اے ایمان والو! کھاؤ ستھری چیزیں جو تم کو روزی دی ہم نے اور شکر کرو اللہ کا، اگر تم اس کے بندے ہو۔"

اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو) کا ترجمہ کیا ہے "اگر تم اس کے بندے ہو" یعنی اُس کی بندگی و غلامی کرتے ہو! اُس کے مطیعِ فرمان ہو!

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اِس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :۔

"اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں، ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گذاری کرو، اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی رکھتے ہو۔"

گویا "عبادت" کا مفہوم ہے، "غلامی رکھنا"، "غلام بن کر رہنا" سورۂ بقرہ میں

ہے :۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (بقرہ ۱۳۸)

مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں :-

"ہم اُس حالت میں رہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور ہم اسی کی غلامی اختیار کیے ہوتے ہیں"

(تفسیر بیان القرآن)

نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں) کا ترجمہ "ہم اسی کی غلامی اختیار کیے ہوئے ہیں" کر کے مولانا تھانویؒ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ "عبادت" کا مفہوم ہے، بندگی و غلامی، اطاعت و فرماں برداری۔

قرآنِ مجید کے عظیم مفسر و محقق مولانا حمید الدین فراہیؒ تفسیر سورۃ فاتحہ میں سورۃ فاتحہ کے مضامین کا انجیل میں حضرت مسیحؑ کی دعا سے تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"یہ انجیل کے فقرات کی شرح تھی جس کی تائید قرآن کی ان آیات سے ہوتی ہے جن میں جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کی ترجمانی کی گئی ہے مثلاً :-

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ — بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمھارا رب ہے، پس اسی کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

یعنی اللہ واحد کی بندگی کرو جو اس کی بھیجی ہوئی شریعت کی اطاعت پر شامل ہے ۔۔۔۔۔۔ ہم اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں ہر اچھے کام کے کرنے اور ہر بُرے کام سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔"

(مجموعہ تفاسیر فراہیؒ، ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی ص ۱۳۵)

معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت و بندگی کا مطلب ہے شریعتِ الٰہی کی پیروی، امورِ خیر کی بجاآوری اور بُرے کاموں سے اجتناب!

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوتی تقریر، جو انھوں نے جیل کے ساتھیوں کے سامنے کی تھی، مختصر ہونے کے باوجود "دعوتِ توحید" کا شاہ کار ہے۔ اس میں خدا کی لاشریک

معبودیت کا بھی ذکر ہے اور لاشریک حاکمیت کا بھی، مولانا اسماعیل شہیدؒ اپنی کتاب "تقویت الایمان" میں جو اُردو میں توحید پر بے مثال کتاب[1] ہے، اِن آیات کو نقل کر کے ان کا ترجمہ کرتے ہیں:۔

"وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝"

اور کہا اللہ صاحب نے یعنی سورۂ یوسف میں کہ حضرت یوسفؑ نے قید خانے میں اور قیدیوں سے کہا "اے رفیقو قید خانے کے! کیا کئی مالک جدی جدی بہتر ہیں یا اللہ ایک زبردست، نہیں مانتے ہو تم ورے اُس کے مگر کئی ناموں کو، کہ ٹھہرائے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے ان کی کچھ سند، نہیں حکم کسی کا سوائے اللہ کے، اس نے تو یہی حکم کیا ہے کہ کسی کو اس کے سوائے مت مانو، یہی ہے دین مضبوط مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔"

پھر وہ ان آیات کی مفصل تشریح فرماتے ہیں، جس کے بعض حصے یہ ہیں:۔

"یعنی اول تو غلام کے حق میں کئی مالک ہونا بہت نقصان کرتا ہے، بلکہ ایک مالک زبردست چاہیئے کہ سب مُرادیں اس کی پوری کر دے اور سب کاروبار اس کے بنا دے اور دوسرے یہ کہ اِن مالکوں کی کچھ حقیقت بھی نہیں...... ایسا حقیقت میں کوئی شخص نہیں، بلکہ محض اپنا خیال ہے، سو اس قسم کے خیالات باندھنے کا اللہ نے تو حکم نہیں دیا اور کسی کا حکم اس کے مقابلے میں معتبر نہیں، بلکہ اللہ نے تو ایسے خیالات باندھنے سے منع کیا ہے اور وہ کون ہے کہ اس کے کہنے سے اِن باتوں کا اعتبار ہووے۔ یہی اصل دین ہے کہ اللہ ہی کے حکم پر چلیے اور کسی کا حکم اس کے مقابل ہرگز نہ مانیے،

---

[1] مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

لیکن اکثر لوگ یہ راہ نہیں چلتے، بلکہ اپنے پیروں کی رسموں کو اللہ کے حکم پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی راہ و رسم کو ماننا اور اس کے حکم کو اپنی سند سمجھنا، یہ بھی انھیں باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائی ہیں۔ پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے، اصل حاکم اللہ ہے اور پیغمبر خبر دینے والا ہے پھر جو کسی کی بات اس کی خبر کے موافق ہو تو مانیے اور جو موافق نہ ہو تو نہ مانیے۔"

یہ آیات مع ترجمہ و تشریح " الفصل الرابع، ذکر رد الاشراک فی العبادۃ (ترجمہ فصل چوتھی اشراک فی العبادت کی برائی کے بیان میں) میں نقل کی گئی ہیں۔ ان آیات اور ان کی تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ اصل دین اور اصل عبادت یہ ہے کہ خدا کا حکم مانا جائے، وہی اصل حاکم و مالک ہے، حاکمیت اسی کا حق ہے، اُس کے علاوہ کسی کا حکم ماننا اور اُسے سند سمجھنا، مالکیت، حاکمیت اور عبادت میں اُسے خدا کا شریک ٹھہرانا ہے۔

اور ایک بات یہ کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعض آیات میں "عبادت" کا مفہوم واضح فرما دیا ہے، سورۂ نساء میں ہے:۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ه	مسیحؑ اس بات میں عار محسوس نہیں کرتے اور نہ مقرب فرشتے کہ وہ خدا کے "عبد" (بندے) بنیں اور جو اس کی عبادت میں عار محسوس کریں گے اور استکبار و سرکشی اختیار کریں گے ان سب کو اللہ اپنے پاس (سزا کے لیے) جمع کرے گا۔

(نساء، ۱۷۲)

اس آیت سے واضح ہوا کہ "عبادت" اور "عبد" بننا، دونوں ایک ہی ہیں، "عبادت" کا مفہوم ہے "بندہ بن کر رہنا" بندگی، غلامی اور اطاعت کرنا۔

"سیرت النبیؐ" جو سات ضخیم جلدوں میں اسلام کی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ شبلیؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق و کاوش کا ثمرہ ہے،

سیرت النبیؐ کی جلد پنجم "عبادات" کے لیے وقف ہے۔ اس جلد میں مولانا سید سلیمان ندویؒ پہلے باب "عملِ صالح" کو ختم کرتے کرتے آخر میں رقم طراز ہیں :۔

"اسلام میں لفظ عبادت کو بڑی وسعت حاصل ہے، اس کے اندر ہر وہ کام داخل ہے جس کی غرض خدا کی خوشنودی ہو، اس لیے اخلاق و معاملات بھی اگر اس خوش نیتی کے ساتھ کئے جائیں تو وہ عبادات میں داخل ہیں۔" (سیرت النبی، جلد پنجم، ص۲۷)

اِس کے بعد اگلا باب ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے، یہ باب "عبادات" کے عنوان اور آیت یَا اَیُّہَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ (بقرہ ۳) کے تحت ہے، اس کا آغاز کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں :۔

"عبادات کے معنی عام طور سے وہ چند مخصوص اعمال سمجھے جاتے ہیں۔ جن کو انسان خدا کی عظمت اور کبریائی کی بارگاہ میں بجالاتا ہے لیکن یہ عبادات کا نہایت تنگ مفہوم ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانوں پر جو حقیقت ظاہر فرمائی اس کا اصل جوہر یہ نہیں ہے کہ گزشتہ مذاہب کی عبادت کے طریقوں کے بجائے اسلام میں عبادت کے دوسرے طریقے مقرر ہوئے بلکہ یہ ہے کہ انسانوں کو یہ بتایا گیا کہ عبادت کی حقیقت اور غایت کیا ہے، ساتھ ہی عبادت کے گزشتہ ناقص طریقوں کی تکمیل، مبہم بیانات کی تشریح اور مجمل تعلیمات کی تفصیل کی گئی۔" (ص۳۱)

اسی عنوان کے تحت، آگے وہ "اسلام میں عبادت کا مفہوم" کا ذیلی عنوان قائم کرتے ہیں اور اِس موضوع پر ایک طویل مگر نفیس بحث رقم فرماتے ہیں، یہ بحث اوّل سے آخر تک قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ سے ماخوذ ہے، طویل ہونے کے باوجود اس کی افادیت کے باعث ہم اُسے ذیل میں درج کر رہے ہیں :۔

"اوپر کی تفصیلات سے یہ واضح ہوا ہوگا کہ اسلام میں عبادت کا وہ تنگ مفہوم نہیں جو دوسرے مذہبوں میں پایا جاتا ہے، عبادت کے لفظی معنیٰ اپنی عاجزی و درماندگی کا اظہار ہے اور اصطلاحِ شریعت میں خدائے عزّ و جل کے سامنے اپنی بندگی اور

عبودیت کے نذرانہ کو پیش کرنا اور اس کے احکام کو بجالانا ہے ، اس لیے قرآن پاک
میں عبادت کا مقابل اور بالضد لفظ استکبار اور غرور استعمال ہوا ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ○ (مومن، ۶)	جو میری عبادت سے غرور کرتے ہیں، وہ جہنم میں جائیں گے ۔

فرشتوں کے متعلق فرمایا :-

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ	جو اُس کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے غرور نہیں کرتے ۔

سعادت مند اور باایمان مسلمانوں کے متعلق فرمایا :-

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ (سجدہ، ۲)	میری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں جن کو ان آیتوں سے سمجھایا جائے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے ۔

اِس قسم کی اور آیتیں بھی قرآن پاک میں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت اور غرور و استکبار باہم مقابل کے متضاد معنی ہیں ، اِس بنا پر اگر غرور و استکبار کے معنی خدا کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھنا ، اپنی ہستی کو بھی کوئی چیز جاننا اور خدا کے سامنے اپنی گردن جھکانے سے عار کرنا ہے تو عبادت کے معنی خدا کے آگے اپنی عاجزی و بندگی کا اظہار اور اس کے احکام کے سامنے اپنی گردنِ اطاعت کو خم کرنا ہے ۔ اِس بنا پر صحیفۂ محمدیؐ کی زبان میں "عبادت" بندہ کا ہر ایک وہ کام ہے جس سے مقصود خدا کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار اور اس کے احکام کی اطاعت ہو ، اگر انسان بظاہر کیسا ہی اچھے سے اچھا کام کرے لیکن اس سے اس کا مقصود اپنی بندگی کا اظہار اور خدا کے حکم کی اطاعت نہ ہو تو وہ عبادت نہ ہوگا ۔ اِس سے ثابت ہوا کہ کسی اچھے کام کو عبادت میں داخل کرنے کے لیے پاک اور خالص نیت کا ہونا شرط ہے اور یہی چیز عبادت اور غیر عبادت میں امرِ فارق ہے ۔

قرآنِ پاک میں یہ نکتہ جابجا ادا ہوا ہے :۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ه الَّذِيْ	وہ دوزخ سے وہ پرہیزگار بچالیا جائے گا جو
يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ه وَمَا لِاَحَدٍ	اپنا مال دل کی پاکی حاصل کرنے کو دیتا ہے،
عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ه	اس پر کسی کا احسان باقی نہیں جس کا بدلہ
اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى	اُسے دینا ہو، بلکہ صرف خدائے برتر کی
وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ه (لیل۔۱)	ذات اس کا مقصود ہے، وہ خوش ہوگا۔
وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ	صرف خدا کی ذات کی طلب کے لیے جو تم
اللّٰهِ (بقرہ)	خرچ کرو۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ (انسان، ۹) ہم تو صرف خدا کے لیے تم کو کھلاتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ه الَّذِيْنَ	پھٹکار ہو اُن نمازیوں پر، جو اپنی نماز سے
هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ه	غافل رہتے ہیں اور جو دکھاوے کے لیے
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ ه (ماعون۔۱)	کام کرتے ہیں۔

قرآن کی اِن آیتوں کی جامع و مانع تفسیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن مختصر لیکن بلیغ فقروں میں فرما دی ہے :۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ	اعمال کا ثواب نیّت پر موقوف ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اسی کی تشریح آپ نے اُن لوگوں سے کی جو اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر کر کے مدینہ منوّرہ آرہے تھے :۔

لکل امرء مانوی فمن کانت	ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیّت
ھجرتہ الی اللہ و رسولہ	کی اگر ہجرت سے مقصود خدا اور رسول
فاجرہ علی اللہ ومن کانت ھجرتہ	تک پہنچنا ہے تو اس کا ثواب خدا دے گا
الی دنیا یصیبھا او امرءۃ	اگر کسی دنیاوی غرض کے لیے ہے یا کسی
ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر	عورت کے لیے ہے تو اس کی ہجرت اسی

الیہ — کی طرف ہے جس کی نیت سے اس نے ہجرت کی۔

(بخاری، باب اول)

اِس تشریح سے یہ ثابت ہوگیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا جو مفہوم دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس میں پہلی چیز دل کی نیت اور اخلاص ہے، اس میں خاص کام اور طرز و طریقہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ انسان کا ہر وہ کام جس سے مقصود خدا کی خوشنودی اور اس کے احکام کی اطاعت ہے، عبادت ہے۔ اگر تم اپنی شہرت کے لیے کسی کو لاکھوں دے ڈالو تو وہ عبادت نہیں، لیکن خدا کی رضا جوئی اور اس کے حکم کی بجا آوری کے لیے چند کوڑیاں بھی کسی کو دو تو یہ بڑی عبادت ہے۔

تعلیمِ محمدیؐ کی اِس نکتہ رسی نے عبادت کو درحقیقت دل کی پاکیزگی، روح کی صفائی اور عمل کے اخلاص کی غرض و غایت بنا دیا ہے اور یہی "عبادت" سے اسلام کا اصلی مقصود ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ۔۳)	اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

اِس آیت سے ظاہر ہوا کہ عبادت کی غرض و غایت محض حصولِ تقویٰ ہے۔ تقویٰ انسان کے قلب کی وہ کیفیت ہے جس سے دل میں تمام نیک کاموں کی تحریک اور بُرے کاموں سے نفرت ہوتی ہے، آپؐ نے ایک دفعہ سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "تقویٰ کی جگہ یہ ہے"[۱] اور قرآن نے بھی "تقوی القلوب" "دل کا تقویٰ" کہہ کر اسی نکتہ کو کھولا ہے، اسی کیفیت کا پیدا کرنا اسلام میں عبادت کی اصلی غرض ہے، نماز، روزہ اور تمام عبادتیں سب اسی کے حصول کی خاطر ہیں، اِس بنا پر انسان کے وہ تمام مشروع افعال و اعمال جن سے شریعت کی

[۱] مسلم کتاب البر والصلہ باب تحریم ظلم المسلم

نظر میں یہ غرض حاصل ہو، سب عبادت ہیں۔"

اسی مفہوم کو ہم دوسری عبارت میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ پہلے عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ عبادت صرف چند اُن مخصوص اعمال کا نام ہے جن کو انسان خدا کے لیے کرتا ہے مثلاً نماز، دعا، قربانی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس تنگ دائرے کو بے حد وسیع کر دیا، اس تعلیم کے رو سے ہر ایک وہ نیک کام جو خاص خدا کے لیے اور اس کی مخلوقات کے فائدہ کے لیے ہو اور جس کو صرف خدا کی خوشنودی کے حصول کے لیے کیا جائے، عبادت ہے...... اس تشریح کی رو سے وہ عظیم الشان تفرقہ، جو دین اور دنیا کے نام سے مذاہب نے قائم کر رکھا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس کو دفعتہً مٹا دیا دین اور دنیا کی حیثیت اسلام میں دو حریف کی نہیں رہتی بلکہ دو دوست کی ہو جاتی ہے، دنیا کے وہ تمام کام جن کو دوسرے مذاہب دنیا کے کام کہتے ہیں، اسلام کی نظر میں اگر وہ کام اسی طرح کیے جائیں لیکن ان کی غرض و غایت کوئی مادی خود غرضی نمائش نہ ہو بلکہ خدا کی رضا اور اس کے احکام کی اطاعت ہو تو وہ دنیا کے نہیں، دین کے کام ہیں، اس لیے دین اور دنیا کے کاموں میں کام کا تفرقہ نہیں بلکہ غرض و غایت اور نیت کا تفرقہ ہے، تم نے اوپر پڑھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابہ کو، جو دن رات خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے، فرمایا کہ تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو آرام دو، تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو کچھ دیر سونے دو، تمھاری بیوی کا بھی حق ہے کہ اس کی تسلی کرو اور تمھارے مہمان کا بھی حق[1] ہے کہ اس کی خدمت کے لیے کچھ وقت نکالو۔ غرض ان حقوق کو بھی ادا کرنا خدا کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے چنانچہ پاک روزی کھانا اور اس کا شکر ادا کرنا بھی عبادت ہے:-

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، باب حق الضیف

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔
(بقرہ ، ۲۱)

اے ایمان والو! ہم نے جو تم کو پاک اور ستھری چیزیں روزی کی دی ہیں ان کو کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پاک روزی ڈھونڈھنا اور کھانا اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا عبادت ہے، ایک اور آیت میں توکل یعنی کاموں کے لیے کوشش کرکے نتیجہ کو خدا پر سپرد کر دینا بھی عبادت قرار دیا گیا ہے:۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ
(ہود۔ ۱۰)

اس کی عبادت کرو اور اس پر بھروسہ رکھو

اسی طرح مشکلات میں صبر و استقلال بھی عبادت ہے، فرمایا:۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ (مریم۔ ۴) اس کی عبادت کر اور صبر کر۔

کسی شکستہ دل سے اس کی تسکین و تشفی کی بات کرنا اور کسی گنہگار کو معاف کرنا بھی عبادت ہے، ارشاد ہے:۔

قَوْلٌ مَعْرُوْفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى
(بقرہ، ۳۶)

اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ستانا ہو

اس آیت کی تشریح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں فرمائی ہے:۔

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ
(بخاری۔ کتاب الادب)

ہر نیکی کا کام خیرات ہے۔

تبسمک فی وجہ اخیک صدقۃ واماطۃ الاذیٰ عن الطریق صدقۃ

تمہارا کسی بھائی کو دیکھ کر مسکرانا بھی خیرات ہے، راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی خیرات ہے۔

غریب اور بیوہ کی مدد بھی عبادت بلکہ بہت سی عبادتوں سے بڑھ کر ہے فرمایا:۔

الساعی علی الارملۃ والمسکین	بیوہ اور غریب کے لیے کوشش کرنے
کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ وکالذی	والے کا مرتبہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے
یصوم النہار ویقوم اللیل	والے کے برابر ہے اور اس کے برابر ہے
(بخاری، ادب)	جو دن بھر روزہ اور رات بھر نماز پڑھتا ہو۔

باہم لوگوں کے درمیان سے بغض و فساد کے اسباب کو دور کرنا اور محبت پھیلانا ایسی عبادت ہے جس کا درجہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے بڑھ کر ہے، آپؐ نے ایک دن صحابہؓ سے فرمایا:۔

الا اخبرکم بافضل من درجۃ	کیا میں تم کو روزہ، نماز اور زکوٰۃ سے بھی
الصیام والصلوٰۃ والصدقۃ	بڑھ کر درجہ کی چیز نہ بتاؤں۔

صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ، ارشاد فرمائیے، فرمایا:۔

اصلاح ذات البین[1]	وہ آپس کے تعلقات کا درست کرنا ہے

حضرت سلمان فارسیؓ ایک دوسرے صحابی حضرت ابو ذرؓ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ان کی بیوی نہایت معمولی اور میلے کپڑے پہنے ہیں، حضرت سلمانؓ نے وجہ دریافت کی تو بولیں کہ تمھارے بھائی کو دنیا کی خواہش نہیں ہے، اس کے بعد مہمان کے لیے کھانا آیا تو ابو ذرؓ نے کہا، میں روزے سے ہوں، حضرت سلمانؓ نے کہا، میں تو تمھارے بغیر نہیں کھاؤں گا، آخر انھوں نے افطار کیا، رات ہوئی تو ابو ذرؓ نماز کو کھڑے ہونے لگے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا، ابھی سو رہو، پچھلی پہر کو حضرت سلمانؓ نے ان کو جگایا اور کہا اب نماز پڑھو، چنانچہ دونوں نے تہجد کی نماز ادا کی، پھر حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا، اے ابو ذرؓ تمھارے رب کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے تو جس جس کا حق تم پر ہے۔ سب کو ادا کرو، حضرت ابو ذرؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن ابی داؤد، جلد دوم، کتاب الادب، باب اصلاح ذات البین ص ۱۹۲)

کی خدمت میں آکر حضرت سلمان رضؓ کی یہ تقریر نقل کی، آپؐ نے فرمایا کہ سلمانؓ نے سچ کہا[1]۔

لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ تمام کاموں میں سب سے بہتر کام کون ہے، فرمایا "خدا پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا" لوگوں نے پوچھا "کس غلام کے آزاد کرنے میں زیادہ ثواب ہے" ارشاد ہوا، "جس کی قیمت زیادہ ہو اور جو اپنے مالک کو زیادہ پسند ہو" انھوں نے کہا، اگر یہ کام ہم سے نہ ہو سکے تو فرمایا، پھر ثواب کا کام یہ ہے کہ کام کرنے والے کی مدد کرو یا جس سے کوئی کام بن نہ آتا ہو اس کا کام کر دو، پھر سوال ہوا کہ اگر یہ بھی نہ ہو سکے، فرمایا تو "پھر یہ کہ لوگوں کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو، یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے جو خود تم اپنے اوپر کر سکتے ہو[2]۔

ایک دفعہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا، خدا اپنے بندوں سے کہے گا کہ میں نے تم سے کھانا مانگا، تم نے نہ کھلایا، وہ عرض کریں گے، خداوند تو نے کیسے کھانا مانگا تو تو خود تمام جہان کا پروردگار ہے، فرمائے گا "کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا، تم نے کھانا اس کو نہ کھلایا، اگر تم اس کو کھلاتے تو اس کو تم میرے پاس پاتے، اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہ پلایا، وہ کہے گا اے پروردگار! میں تجھ کو کیسے پانی پلاؤں تو تو خود تمام جہان کا پروردگار ہے" وہ فرمائے گا "تم کو معلوم نہ تھا کہ میرے فلاں بندے نے پیاس میں تجھ سے پانی مانگا۔ تو نے اس کو پانی نہ پلایا۔ اگر پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔ اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ وہ کہے گا اے پروردگار! میں کیونکر تیری بیمار پرسی کروں تو تو خود تمام جہان کا پروردگار

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، باب صنع الطعام والتکلف للضیف صفحہ ۹۰۶ [2] ادب المفرد امام بخاری باب معونۃ الرجل اخاہ

ہے۔ فرمائے گا، تجھ کو خبر نہ ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو اس نے اس کی عیادت نہ کی، اگر کرتا تو اس کو میرے پاس پاتا یا مجھے اس کے پاس پاتا۔"[1]

اس مؤثر طریقۂ ادا نے خدا شناسی اور خدا آگاہی کے کتنے تو بہ تو پردے چاک کر دیئے اور دکھا دیا کہ خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے کیا کیا طریقے ہیں۔ حضرت سعدؓ جو چاہتے تھے کہ اپنی کُل دولت خدا کی راہ میں دے دیں آپؐ نے انھیں بتایا کہ اے سعد جو کچھ اس نیت سے خرچ کرو کہ اس سے خداوند تعالیٰ کی ذات مطلوب ہے، اس کا تم کو ثواب ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دو۔ اس کا بھی ثواب ہے[2]۔ ابو مسعود انصاریؓ سے ارشاد فرمایا، مسلمان اگر ثواب کی نیت سے اپنی بیوی کا نفقہ پورا کرے تو وہ بھی صدقہ ہے[3]، غریب وفادار صحابہؓ نے دربارِ رسالت میں ایک دن شکایت کی کہ یا رسول اللہ دولت مند لوگ ثواب میں بڑھ گئے۔ ہماری طرح وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی روزے رکھتے ہیں، ان کے علاوہ وہ مالی عبادت بھی بجا لاتے ہیں جو ہم نہیں بجا لا سکتے، فرمایا، کیا تم کو اللہ نے وہ دولت نہیں دی ہے جس کو صدقہ کر سکو، تمہارا سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، یہاں تک کہ جو کوئی اپنی نفسانی خواہش کو جائز طریقے سے پوری کرتا ہے وہ بھی ثواب کا کام کرتا ہے، لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ وہ تو اپنی نفسانی غرض کے لیے یہ کرتا ہے، فرمایا کہ اگر وہ ناجائز طریقہ سے اپنی ہوس پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ نہ ہوتا، پھر اس کو جائز طریقہ سے پورا کرنے کا ثواب کیوں نہ ملے گا[4]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات سے اندازہ ہوگا کہ حسنِ عمل، ثواب اور عبادت کے مفہوم میں اسلام نے کتنی وسعت پیدا کی ہے اور کتنی تو بر تو انسانی

---

[1] ایضاً باب عیادۃ المرضیٰ۔ [2] ادب المفرد باب یوجر فی کل شیئ [3] صحیح بخاری، کتاب النفقات [4] ادب المفرد امام بخاری باب کل معروف صدقہ

غلطیوں کا ازالہ کیا ہے، اس تشریح کے بعد روشن ہو جائے گا کہ وحی محمدی نے بالکل صحیح طور سے خلقتِ انسانی کی غرض و غایت عبادتِ الٰہی قرار دی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (ذاریات، ۳۰) — میں نے انسانوں اور جنوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اِس آیت پاک میں عبادت کا وہ تنگ مفہوم نہیں ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں تک وسیع ہے جن کے کرنے کا مقصد خدا کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار، اس کی اطاعت، اور اُس کی خوشنودی کی طلب ہو، اِس وسعت کے اندر انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں، جن کے حسن و خوبی انجام دینے کے لیے اس کی خلقت ہوئی ہے۔ یہ روحانیت کا وہ راز ہے جو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا کو معلوم ہوا۔

عام طور سے مشہور ہے کہ شریعت میں چار عبادتیں فرض ہیں، یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اس سے یہ شبہہ نہ ہو کہ اِن فرائض کی تخصیص نے عبادت کے وسیع مفہوم کو محدود کر دیا ہے۔ درحقیقت یہ چاروں فریضے عبادت کے سینکڑوں وسیع معنوں اور ان کے جزئیات کے بے پایاں دفتر کو چار مختلف بابوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، جن میں کا ہر ایک فریضۂ عبادت اپنے افراد اور جزئیات پر مشتمل اور ان سب کے بیان کا مختصر عنوانِ باب ہے، جس طرح کسی وسیع مضمون کو کسی ایک مختصر سے لفظ یا فقروں میں ادا کر کے اِس وسیع مضمون کے سرے پر لکھ دیتے ہیں۔ اِس طرح یہ چاروں فرائض درحقیقت انسان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں کو چار مختلف عنوانوں میں الگ الگ تقسیم کر دیتے ہیں، اس لیے اِن چار فرضوں کو بجا طور سے انسان کے اچھے اعمال اور کاموں کے چار اصول ہم کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ بندوں کے وہ تمام اچھے کام اور نیک اعمال، جن کا تعلق تنہا خالق اور مخلوق سے ہے، ایک مستقل باب ہے، جس کا عنوان نماز ہے۔

۲۔ وہ تمام اچھے اور نیک کام، جو ہر انسان دوسرے کے فائدہ اور آرام کے لیے کرتا ہے، صدقہ اور زکوٰۃ ہے۔

۳۔ خدا کی راہ میں ہر قسم کی جسمانی اور جانی قربانی کرنا، کسی اچھے مقصد کے حصول کے لیے تکلیف اور مشقت جھیلنا اور نفس کو اس تن پروری اور مادی خواہشوں کی نجاست اور آلودگی سے پاک رکھنا، جو کسی اعلیٰ مقصد کی راہ میں حائل ہوتی ہیں، روزہ ہے یا یوں کہو کہ ایثار و قربانی کے تمام جزئیات کی سرخی روزہ ہے۔

۴۔ دنیائے اسلام میں ملّتِ ابراہیمی کی برادری اور اخوت کی مجسم تشکیل و تنظیم، مرکزی رشتۂ اتحاد کا قیام اور اس مرکز کی آبادی اور کسبِ روزی کے لیے ذاتی کوشش اور محنت کے باب کا سرِ عنوان حج ہے۔

غور کر کے دیکھو، انسان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کام انہی اصول چہارگانہ کے تحت میں داخل ہیں، اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے، توحید و رسالت کا اقرار کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا۔"[1] پہلی چیز میں عقائد کا تمام دفتر سمٹ جاتا ہے اور بقیہ چار چیزیں ایک مسلمان کے تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں کو محیط ہیں، انہی ستونوں پر اسلام کی وسیع اور عظیم الشان عمارت قائم ہے۔

اس تقریر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ یہ چاروں فرض عبادتیں، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اصل مطلوب بالذات نہیں ہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ یہ چاروں عبادتیں اپنے تمام جزئیاتِ باب اور معنویات کے ساتھ فرض ہیں، جو شخص ان چاروں فرائض کو، جو عنوانِ باب ہیں، ادا کرتا ہے اور اس باب کے نیچے کے مندرجہ جزئیات سے پہلو تہی کرتا ہے، اس کی عبادت ناقص اور اس کی اطاعت نامکمل ہے اور اس کے لیے دین و دنیا کی وہ فلاح و کامیابی، جس کا خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، مشکوک ہے، یہیں سے یہ شبہہ زائل ہوتا ہے کہ ہماری نمازیں ہم کو برائیوں سے کیوں باز نہیں رکھتیں، ہمارے روزے ہم کو تقویٰ کی دولت کیوں نہیں

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الایمان

بخشتے، ہماری زکوٰۃ ہمارے دلوں کو پاک و صاف کیوں نہیں کرتی، ہمارا حج ہمارے گناہوں کی مغفرت کا باعث کیوں نہیں بنتا اور قرنِ اول کی طرح ہماری نمازیں ملکوں کو فتح اور ہماری زکوٰتیں ہمارے قومی افلاس کو دور کیوں نہیں کرتیں اور ہمارے سامنے دین و دنیا کے موعودہ برکات کا انبار کیوں نہیں لگ جاتا لیکن خدا کا وعدہ یہ ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ (نور، ۷)

اللہ نے اُن سے جو ایمان رکھتے ہیں اور تمام نیک کام کرتے ہیں، یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

ایمان کامل اور اعمالِ نیک کے بغیر اس وعدہ کی ایفار کی توقع رکھنا حماقت ہے۔ اسی طرح ان چاروں جلی عنوانات کے احکام سے قطعِ نظر کر کے صرف مندرجہ تحت جزئیات کی تعمیل ممکن ہے کہ دنیائے فانی کی بادشاہی کا اہل بنا دے مگر آسمان کی بادشاہت میں اُسے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اسلام اس لیے آیا ہے کہ اپنے پیروؤں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہان کی بادشاہیاں رکھ دے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عبادات کے مفہوم کو اُس وسعت کے ساتھ سمجھا جائے جو اسلام کا منشا ہے اور اُسی وسعت کے ساتھ ادا کیا جائے جو اسلام کا مطالبہ ہے۔"

(سیرت النبی جلد پنجم صفحہ ۳ تا ۷، طبع ششم)

کس قدر نفیس اور جامع ہے یہ بحث! یہ اسلام کے تصوّرِ عبادت کو صحیح طور پر پیش کرتی ہے۔ بحث طویل ہے، اس لیے ہم اس کے بنیادی نکات کو خلاصہ کے طور پر پیش کرتے ہیں:-

۱۔ "عبادت کا یہ مفہوم کہ وہ صرف مراسمِ پرستش کا کام ہے، اسلام کا نہیں، جاہلی مذاہب کا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام وفد قریش عند النبی صلعم جلد اول صفحہ ۲۵۲ مطبع محمد علی مصر کلمت واحدۃ یعطونیہا تملکون بہا العرب وتدین بہا العجم

کا تصور ہے۔

۲۔ "عبادت" کے لفظی معنی "عاجزی و بندگی کے اظہار کے" ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں "عبادت" کے معنی ہیں "خدا کے سامنے بندگی و عبودیت کا نذرانہ پیش کرنا اور اس کے احکام کا بجالانا۔

۳۔ "عبادت" بندہ کا ہر وہ کام ہے جس سے مقصود خدا کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار اور اس کے احکام کی اطاعت ہو۔

۴۔ "عبادت" کی اصل غرض تقویٰ پیدا کرنا ہے، تمام معروف عبادات اسی مقصد کے حصول کے لیے ہیں۔

۵۔ وہ تمام مشروع افعال و اعمال جن سے شریعت کی نظر میں یہ مقصد حاصل ہو، "عبادت" ہیں۔

۶۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عبادات مخصوص اعمال کا نام ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی رو سے ہر نیک کام جو خاص خدا کے لیے اور اس کی مخلوقات کے فائدہ کے لیے ہو اور جسے صرف خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے، "عبادت" ہے

۷۔ عبادت کی اس تشریح سے دین و دنیا کی تفریق مٹ جاتی ہے، دنیا کے تمام کام جو خدا کی رضا اور اس کے احکام کی اطاعت کے لیے کیے جائیں، دین کے کام اور "عبادت" ہیں۔

۸۔ نوعِ انسانی کی تخلیق "عبادت" کے لیے ہوئی ہے لیکن اس سے "عبادت" کا کوئی تنگ مفہوم مراد نہیں ہے "عبادت" میں انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں بشرطیکہ وہ خدا کی رضا اور اس کی اطاعت کے لیے کیے جائیں۔

۹۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج دراصل نیکیوں کی چار بنیادی قسموں کے چار عنوان ہیں جن کے تحت تمام نیکیاں اور اسلام کے تمام احکام آجاتے ہیں، یہ عبادتیں اِن تمام نیکوں کے ساتھ فرض ہیں، جو شخص عبادات تو بجالاتا ہے مگر ان نیکیوں کو انجام نہیں دیتا، اس کی عبادت ناقص، اطاعت نامکمل اور دین و دنیا کی فلاح مشکوک ہے۔

۱۰۔ اسلام دونوں جہان کی بادشاہیاں بخشنے کے لیے آیا ہے مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب "عبادت" کو اس کے وسیع مفہوم کے ساتھ سمجھا اور ادا کیا جائے۔

اطاعتِ خدا و رسول

"عبادت" کی گزشتہ تفصیلی بحث سے، جو علمائے سلف و خلف کی تصریحات پر مشتمل ہے، یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ جس "عبادت" کے لیے نوعِ انسانی کی تخلیق ہوئی اور جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی و بنیادی نقطہ تھا، اس کا مفہوم صرف خدا کی پرستش نہیں ہے بلکہ پوری زندگی میں خدا کے آگے عاجزی و بندگی اختیار کرنا اور اس کی رضاجوئی کے لیے اس کے تمام احکام کی اطاعت میں لگ جانا ہے، جس کی واحد راہ اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت اور اس کے دین کی مکمل پیروی ہے۔

لیکن مذاہب کے کم علم اور کج فہم پیرو دین کے حصے بخرے کر دیتے ہیں، وہ دین کے کچھ احکام کو تو اہمیت دیتے ہیں اور بقیہ احکام کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے کج فہم حاملانِ دین پر تنقید کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ۝ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝ فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

(حجر، ۸۹ تا ۹۳)

اور (اے نبی!) کہو! میں صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں، (یہ اسی طرح کی تنبیہ ہے) جیسی ہم نے اُن تفرقہ پردازوں کی طرف بھیجی تھی جنھوں نے (اپنے) قرآن (کتابِ الٰہی) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، تو قسم ہے تمہارے رب کی، ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔

سورۂ حجر ایک مکی سورت ہے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات واضح کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے، اس میں گزشتہ اقوام پر یہ شدید جرم عائد کیا گیا ہے کہ خدا نے ان کے پاس جو کتاب بھیجی تھی، اُسے انھوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، دین کے کچھ حصّوں کو اہم قرار دے کر واجب العمل قرار دیا اور کچھ اجزاء کو کم اہم یا غیر اہم سمجھ کر نظرانداز کر دیا۔

سورۂ انعام ایک اور مکی سورت ہے جس میں تفصیل کے ساتھ توحید کے دلائل اور اس

کے مقتضیات بیان ہوئے ہیں، سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ پوری بحث کو سمیٹتے ہوئے خلاصۂ بحث کے طور پر فرماتا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ٥ (الانعام، ۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور (اس کے نتیجہ میں) مختلف گروہوں میں بٹ گئے، تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں، ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور وہ انھیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے تھے۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ٥ (الانعام، ۱۶۰)

جو شخص خدا کے حضور نیکی کو لے کر آئے گا اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جو برائی کو لے کر آئے گا اس کا اتنا ہی بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ پوری زندگی میں نیکی (خدا کی اطاعت) اختیار کرنے اور بدی (خدا کی نافرمانی) سے بچنے کا ہے نہ کہ مخصوص اعمالِ پرستش کا۔ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ "دینِ حق" کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتا ہے :-

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ٥ (الانعام، ۱۶۲ تا ۱۶۴)

(اے نبی!) کہو! بیشک میرے رب نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، بالکل ٹھیک دین ابراہیمؑ کا طریقہ جسے اس نے یکسو ہوکر اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو! میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اور سب سے آگے بڑھ کر اطاعت کرنے والا (مسلم) ہوں۔

یعنی حق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر کنارہ کش ہوکر پوری یکسوئی کے

ساتھ خدا کے دین کو اپنایا جائے اور عبادات کی طرح پوری زندگی کو بھی خدا کی لاشریک بندگی واطاعت میں دے دیا جائے کہ خدا کی بالکلیہ اطاعت میں خود کو دے دینا ہی اسلام ہے۔

"مسائل السلوک من کلام ملک الملوک" میں مولانا اشرف علی تھانویؒ اِس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:-

قوله تعالیٰ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ الخ دلّ علی تعلیم التوحید الکامل من الاستسلام فی جمیع احوالہ التشریعیة والتکوینیة بان یفوّض جمیعها الیه تعالیٰ الطاعة لما امر به ورضیً بما قضیٰ به

(مسائل السلوک من کلام الملوک)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ الخ یہ آیت توحیدِ کامل کی تعلیم پر دلالت کرتی ہے یعنی تمام تشریعی اور تکوینی امور میں سپردگی وحوالگی، یعنی تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے، اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے جن کا اس نے حکم دیا اور ان امور پر راضی ہوتے ہوئے جس کا اس نے فیصلہ فرمایا۔

یعنی توحیدِ کامل یہ ہے کہ بندہ مکمل طور پر خود کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس نے جو شریعت نازل فرمائی ہے ـــ اور وہ پوری زندگی سے متعلق ہے ـــ اس کا کامل اتباع کرے، یہی نہیں، خدائے تعالیٰ کی مشیت اور اس کے قضا و قدر پر بھی راضی ہو، یہی توحیدِ کامل ہے، یہی اسلام ہے اور یہی ان آیات کا مفہوم۔

سورۂ بقرہ میں حج کے احکام تفصیل سے بیان کرنے کے بعد حج اور جملہ عبادات کی رُوح بتاتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْا

اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صَرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں" اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوا ور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو، واقعی وہ تمھارا کھُلا دشمن ہے، پھر اگر تم بعد اس کے

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ٥ (بقرہ، ۲۰۷ تا ۲۰۹)

کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں، لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ زبردست ہیں دسخت سزا دیں گے) حکمت والے ہیں (ترجمہ مولانا تھانویؒ)

آیات واضح ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کی روح یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے وجود کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے اور اپنا سب کچھ اس کی راہ میں صرف کر دے جس کی عملی شکل اس کے سوا کچھ نہیں کہ بندۂ مومن پورے کا پورا اسلام میں داخل ہو جائے اور اپنی پوری زندگی میں احکامِ الٰہی کی پیروی کرے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرے جو خدا کی نافرمانی پر انسان کو اُبھارتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ پوری زندگی میں نہ سہی، زندگی کے کسی ایک حصہ یا کسی ایک معاملہ میں وہ خدا کا نافرمان بندہ بن جائے اور اس طرح خدا کے غضب اور عذاب کا مستحق بن جائے

مولانا تھانویؒ اپنی تفسیر کے حاشیہ پر اس آیت کے سلسلہ میں تفسیر "روح المعانی" سے نقل فرماتے ہیں :-

ای ادخلوا فی الاسلام بکلیتکم ولا تدعوا شیئاً من ظاہرکم وباطنکم الا والاسلام یستوعبہ بحیث مابقی مکان لغیرہ من شریعۃ موسیٰ علیہ السلام (بیان القرآن، جلد اوّل)

یعنی تم پورے وجود سے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے ظاہر و باطن کا کوئی حصہ ایسا نہ ہو جو اسلام سے خارج ہو بلکہ پورے وجود کو اسلام اپنے احاطہ میں لے لے، اس طرح کہ کسی طریقہ یعنی شریعتِ موسوی کے لیے اس میں کوئی جگہ باقی نہ رہے۔

جب شریعتِ محمدیؐ کے نزول کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی شریعت کے لیے مومن کی زندگی میں کوئی گنجائش نہیں ہے تو انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی پیروی کے لیے گنجائش کہاں سے نکل سکتی ہے۔

سورۂ بقرہ ہی میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَاءَکُمْ

اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے اقرار لیا کہ اپنوں کا

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ٥ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ٥

(البقرہ ۸۴، ۸۵)

خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے، پھر تم نے ان باتوں کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو، پھر تم ہی لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو اُن کی بستیوں سے نکالتے ہو، پہلے ان کے خلاف حق تلفی اور زیادتی کر کے اُن کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو، پھر اگر وہ تمھارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں تو اُن کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ سرے سے ان کا نکالنا ہی تمھارے لیے حرام تھا۔ کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصّہ کا انکار کرتے ہو؟ جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رُسوائی کے سوا اور کچھ نہیں اور آخرت میں یہ شدید ترین عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے اللہ اُس چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو!

۲۱۵
(ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبّرِ قرآن حصّہ اوّل)

آیات اپنے مفہوم میں واضح ہیں، درحقیقت بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور نہ اپنی اُمّت کے کسی آدمی کو شہر بدر کریں گے، لیکن بنی اسرائیل کی تاریخ میں ہوا یہ کہ یہ لوگ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر اپنے ہی لوگوں سے جنگ کرتے انھیں قتل کرتے اور انھیں ان کے گھروں سے نکالتے، پھر جب ان کی اپنی قوم کے لوگ قیدی بن کر آتے تو اچانک انھیں یاد آجاتا کہ اہلِ ایمان کو قید کرنا جائز نہیں ہے اور وہ فدیہ کا لین دین کر کے انھیں چھڑا لیتے حالانکہ جس طرح اہلِ ایمان کو قید کرنا حرام ہے، اُسی طرح بلکہ اس سے بھی

زیادہ اُن سے۔ جنگ کرنا، اُنھیں قتل کرنا اور انھیں ان کی بستیوں سے نکال دینا حرام ہے۔ دراصل بنی اسرائیل کا مرض یہ تھا کہ وہ کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ پر عمل کرتے اور دوسرے حصّہ کو نظر انداز کرتے تھے۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ دو اہم اور بنیادی باتیں واضح فرماتا ہے، ایک یہ کہ ان کا یہ رویہ کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ پر ایمان اور دوسرے حصّہ کے کفر (انکار) کے ہم معنیٰ ہے۔ جو شخص خدا کی کتاب اور اس کے دین میں عملاً تفریق کرتا ہے، ایک حصّہ پر عمل کرتا اور دوسرے حصّہ کو دانستہ نظرانداز کرتا ہے وہ فی الحقیقت کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ کا انکار کرتا اور اُس کے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایمان کا صریح تقاضا یہ ہے کہ پوری کتابِ الٰہی کا اتباع اور پورے دین کی پیروی کی جائے۔

دوسری اہم بات یہ فرمائی کہ دینِ حق کے ایک حصّہ کی عدم پیروی اور حق تعالیٰ کی اس نافرمانی کا نتیجہ دنیا و آخرت میں انتہائی شدید اور ہولناک ہے۔ جس سے بچنے کی ایک ہی شکل ہے اور یہ کہ کتابِ الٰہی کا حق ادا کیا جائے اور اس کے کسی ایک حصّہ کی نہیں، کُل کتاب اور کُل دین کی پیروی کی جائے۔

اس بنیادی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں اِن الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۗ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۗ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۤءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

(مائدہ، ۶۵، ۶۶)

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن سے اُن کے گناہ جھاڑ دیتے اور اُن کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ تورات اور انجیل اور اُس چیز کو قائم کرتے جو اُن کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے قدموں کے نیچے سے خدا کا رزق وفضل پاتے، اُن میں ایک راست رو جماعت بھی ہے لیکن زیادہ ان میں سے ایسے ہیں جن کے عمل بہت بُرے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کا اِن الفاظ میں ترجمہ کرنے کے بعد ان کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں :-

"وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا سیاق وسباق دلیل ہے کہ یہاں ایمان سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے یعنی یہ اہلِ کتاب حسد و عناد کی اس روش کے بجائے جو انھوں نے اختیار کر رکھی ہے، اگر ایمان و تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتا اور ان کو اپنی نعمت کے باغوں میں داخل کرتا۔"

(تدبر قرآن، جلد دوم، تفسیر سورۂ مائدہ ص۳۲۵)

یعنی اہلِ کتاب سے اللہ تعالیٰ کا جو مطالبہ تھا اور جس پر ان کی مغفرت و نجات کا دارومدار تھا، وہ ایمان اور تقویٰ کا تھا، نہ کہ صرف خدا کی پرستش کا۔ آگے فرماتے ہیں :-

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ الآیۃ اُخروی انعام کے بعد یہ اس ایمان کی دنیوی برکات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اہلِ کتاب سمجھتے ہیں کہ اگر انھوں نے یہ دعوت قبول کر لی تو وہ اِس سیادت و قیادت سے، جو اب تک ان کو حاصل رہی ہے، محروم ہو جائیں گے حالانکہ یہ محض ان کی حماقت و بلادت ہے، اگر یہ اس کو قبول کرتے تو آسمان اور زمین، دونوں کی برکتوں کے دروازے ان کے لیے کھُل جاتے لیکن اُن میں معقول اور راست رو تھوڑے نکلے، زیادہ فاسق و بدعمل ہی ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ سے ظاہر ہے کہ قرآن مُراد ہے، اِس کے قائم کرنے کے ساتھ تورات اور انجیل کے قائم کرنے کے حوالے سے مقصود ایک تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ اِس چیز کا قائم کرنا صرف اس کو قائم نہیں کرنا ہے بلکہ یہ درحقیقت تورات وانجیل کو بھی قائم کرنا ہے، اس لیے کہ تورات وانجیل، دونوں کی اپنی پیشین گوئیوں کے مطابق اب یہی چیز ہے جو تورات اور انجیل، سب کی تکمیل کرنے والی اور سب کی محافظ و نگراں ہے، دوسرا یہ کہ اہلِ کتاب نے محض دنیا کی متاعِ حقیر کے لیے، جیسا کہ اس سورت کی آیات ۱۲ — ۱۵ میں بیان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ

کے ساتھ اپنے عہد کو توڑا اور تورات و انجیل کو برباد کیا اور اب اس دنیا کی محبت انھیں
اس قرآن کے قبول کرنے سے مانع ہے حالانکہ ان چیزوں کے قبول کرنے کے معنی اس
دنیا سے محروم ہونے کے نہیں تھے، اگر یہ تورات و انجیل کو قائم کرتے اور اب اللہ
کی اس آخری کتاب کو قبول کرتے اور اس کو قائم کرنے کی جدوجہد میں شریک بنتے
تو آسمان و زمین، دونوں اُن کے لیے اپنے خزانے اُگلتے۔ سورۂ اعراف میں یہی
مضمون اس طرح بیان ہوا ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (۹۶) (اگر بستیوں والے ایمان لاتے
اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے)

(ص۳۲۸)

معلوم ہوا کہ "اقامتِ توراۃ و انجیل و قرآن" کا مفہوم ہے، ایمان و تقویٰ۔ آگے مولانا اصلاحی خود "قائم کرنے" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"قائم کرنے سے مُراد زندگی کے معاملات سے اُن کا تعلق قائم کرنا ہے، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب اس لیے عطا فرماتا ہے کہ ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اس کے احکام و قوانین کے مطابق بسر کریں، اگر زندگی کتابِ الٰہی سے بے تعلق ہو جائے تو ــــــ خواہ زبان سے کتابِ الٰہی کی مدح میں کتنی ہی قصیدہ خوانی کی جائے نہ یہ کہ کتابِ الٰہی کا قائم کرنا ہے اور نہ اِس قصیدہ خوانی سے کسی کو قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے بلکہ یہ کھلم کھلا نقضِ میثاق اور شریعتِ الٰہی کا ہدم ہے۔" (ص۳۲۸)

یعنی کتابِ الٰہی کے نزول کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی اقامت کی جائے یعنی زندگی کے انفرادی و اجتماعی، تمام پہلوؤں میں اس کے احکام و قوانین کی اطاعت کی جائے اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ نقضِ میثاق اور شریعت کو ڈھا دینے کے مترادف ہے۔

اِن آیات کے آگے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ — اے پیغمبر! تمھارے پروردگار کی طرف سے

رَبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِی الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ
لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرَاةَ وَ
الْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ
مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى
الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصَارٰى
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(سورۂ مائدہ ۵، ۶۷ تا ۶۹)

تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اُسے (خدا کے بندوں تک)
پہنچا دو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کرو)
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا
(یعنی ادائے فرضِ رسالت میں کوتاہی کی) اور اللہ
تمہیں انسانوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔
اس گروہ پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جس نے کفر
کی راہ اختیار کی ہے۔ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے
کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ٹکنے کے لیے
کچھ بھی نہیں ہے جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو
اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل
ہوا ہے، قائم نہ کرو اور (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے
جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا
ہے (بجائے اس کے کہ اُن کے لیے تنبیہ اور نصیحت
کا موجب ہو) اور زیادہ ان کی سرکشی اور انکار
بڑھا دے گا تو تم اُس گروہ کی حالت پر افسوس نہ کرو
جو حق سے منکر ہے۔ جو لوگ (قرآن پر) ایمان لائے
ہیں، وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی اور صابی
اور نصاریٰ ہیں، کوئی ہو، لیکن (اصل دین یہ ہے
کہ) جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان
رکھے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے لیے نہ تو
کسی طرح کا اندیشہ ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی

مولانا ابوالکلام آزاد ان آیات کا اس طرح ترجمہ کرنے کے بعد ان کی تفسیر ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

"اہلِ کتاب سے خطاب کہ تم دین کے بارے میں جو کچھ بحث و کلام کرتے ہو، وہ جبھی قابلِ سماعت ہو سکتا ہے جبکہ تورات و انجیل کی تعلیم پر قائم رہو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بتلاؤ، تمھارے پاس کون سی جگہ باقی رہ جاتی ہے جس پر کھڑے ہو سکتے ہو اور دلیل و حجّت کے ساتھ کلام کر سکتے ہو۔

نیز اس اصل کا بھی اعلان کر دیا کہ قرآن کا مطالبہ اہلِ کتاب سے یہ نہیں ہے کہ تورات و انجیل کی صداقتوں سے بے پروا ہو جائیں بلکہ تمام تر یہی مطالبہ ہے کہ ان پر سچائی کے ساتھ قائم ہوں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ تمام الہامی کتابوں کی حقیقی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی و نیک عملی کی دعوت ہے، قرآن اس پر تمام نوعِ انسانی کو جمع کرنا چاہتا ہے چنانچہ آیت (۷۳) میں فرمایا کہ نجات و سعادت کا دار و مدار تمھاری بنائی ہوئی گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ ایمان و عمل کا قانون ہے اور اصل یہی ہے جس کی سب نے تعلیم دی اور خود تم سے بھی اس کا عہد لیا گیا تھا۔"

(ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۴۰۲)

یعنی دینِ حق کی بنیادی اور حقیقی تعلیم یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرو اور اللہ کے احکام کی پیروی کرو، تمام الہامی کتابوں کی اساسی تعلیم یہی ہے اور نجات و سعادت کا دار و مدار بھی اسی پر ہے، یہ نہ ہو تو انسان کی دین داری و حق پرستی بے بنیاد ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ، یہ آیت تمہید ہے اُس عظیم پیغام کی، جو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا جا رہا ہے کہ آپ بے کم و کاست یہود و نصاریٰ کو سنا دیں، یہ پیغام آگے آیت ۶۸ سے لے کر آیت ۸۶ تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں نہایت واضح طور پر ان دونوں گروہوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک تم تورات و انجیل اور اللہ کی اِس آخری کتاب، قرآن کو قائم نہ کرو، تمھاری کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ خدا کے ساتھ کسی کو کوئی نسبت کسی گروہ سے نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور عملِ صالح کی

بنا پر حاصل ہوتی ہے .... یہ تاکیدِ مزید ہے کہ اگر مخاطبوں کی رُو رعایت
وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ یا اس کے متوقع ردِّ عمل کے اندیشہ سے اِس میں کوئی کوتاہی برتی تو یہ کوتاہی عین
اس فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی جس کی ادائیگی ہی کے لیے اللہ کسی
کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اِس تاکیدِ مزید میں جو شدت ہے اگرچہ
اس کا خطاب ظاہر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے لیکن حقیقت
میں اس کا رُخ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کرنا
پسند نہیں فرمایا۔ اس وجہ سے پیغمبر کو خطاب کرکے یہ واضح فرمادیا کہ اِس پیغام
کی اہمیت کیا ہے اور کس قطعیت اور کس حتمی فیصلہ کے ساتھ اس کا بھیجا جانا
منظور ہے"۔ .... (تدبرِ قرآن، جلد دوم ص۳۳۴، ص۳۳۵)

اس اہمیت، شدت اور قطعیت کے ساتھ کوئی پیغام نہیں پہنچایا گیا، وہ اہم اور بنیادی پیغام کیا ہے، اس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیات ۶۸-۶۹ میں ہے جو قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ سے شروع ہو کر وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ پر ختم ہوتی ہیں، مولانا امین احسن اصلاحی ان کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"یہ وہ پیغام ہے جو اہل کتاب کو، عام اس سے کہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ سُنانے کا آں حضرتؐ کو حکم ہوا، وہ یہ ہے کہ جب تک تم تورات اور انجیل اور اس چیز کو، جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے قائم نہ کرو، اس وقت تک تمھاری کوئی بنیاد نہیں ہے۔ .... تورات اور انجیل اور خدا کی اتاری ہوئی چیز کو قائم کرنے کا مطلب ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ زندگی کے معاملات و مسائل سے عملاً ان کا ربط قائم کرنا ہے۔ اِس سورت میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث گزر چکی ہے کہ یہ خدا کے عہد و میثاق کے صحیفے ہیں، ان میں خدا نے اپنے احکام و قوانین دیے اور یہ عہد لیا کہ انہی کے مطابق زندگی گزاری جائے اور انہی کے مطابق باہمی نزاعات کے فیصلے کیے جائیں۔ اِسی ذمہ داری کے لیے ان کے حاملین کو قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ

اورشُهَدَاءُ اللهِ کا لقب عطا ہوا، اگر اس عہد کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں اور زندگی سے عملاً ان کا کوئی تعلق یا تو سرے سے باقی ہی نہیں رہا ہے یا باقی ہے تو صرف اس حد تک جس حد تک اپنی خواہشوں کی سند اس سے حاصل ہو سکے تو آخر دینی پیشوائی، مذہبی تقدس اور خدا رسیدگی کے یہ سارے دعوے کس بنیاد پر ہیں؟ ایسے لوگوں کو خدا سے کیا تعلق اور خدا کو ایسے لوگوں سے کیا واسطہ؟" (ص۳۲۶)

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا الاٰیۃ .... یہ درحقیقت اوپر اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے جو بات ارشاد ہوئی ہے اس کی مزید وضاحت ہوئی ہے کہ خدا کے ہاں کسی کو کوئی درجہ و مرتبہ کسی گروہ کے ساتھ نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور عملِ صالح کی بنا پر حاصل ہوتا ہے ......" (ص۳۲۷)

ایمان اور عملِ صالح اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرو اور خدا کی کتاب اور اس کے دین کو قائم کرو، یہ ہے وہ بنیادی پیغام جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ قوموں اور اُمّتوں کو ملتا ہے اور اسی پر ان کی نجات کا دار و مدار ہوتا ہے۔

بات بالکل واضح ہے، انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور دینِ حق کو مرکزی و بنیادی نقطہ یہ ہے کہ پرستش اور اطاعت، دونوں خدا کے لیے ہوں اور انسان پوری زندگی میں خدا کا بندہ اور اس کے احکام کا متبع ہو لیکن بعض اربابِ قلم، جو کتاب و سنّت کا وسیع و عمیق مطالعہ نہیں رکھتے، علمائے سلف کی تصریحات پر ان کی نگاہ نہیں ہے اور مذہب کے جاہلی تصوّر اور غیر اسلامی تصوّف سے متاثر ہیں، یہ تاثر دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی و مرکزی نقطہ "خدا کی پرستش" ہے، زندگی کے مختلف گوشوں میں احکامِ الٰہی کی اطاعت کی حیثیت ثانوی ہے۔ ان کا سارا زور لفظِ "عبادت" پر ہے، جسے انھوں نے کم فہمی کے باعث "پرستش" کے ہم معنیٰ سمجھ رکھا ہے لیکن گزشتہ مباحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ اطاعت نہ صرف یہ کہ "عبادت" کے مفہوم میں داخل ہے بلکہ وہی اس کا غالب جزء ہے، اس طرح یہ استدلال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم ذرا تفصیل میں جا کر ہم یہ دیکھنا

چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السّلام کی دعوت کا مرکزی و بنیادی نقطہ کیا تھا اور اطاعتِ خدا و رسول
کا مقام دینِ حق میں اوّلین ہے یا ثانوی!

حضرت آدمؑ | سب سے پہلے تو یہ دیکھیے کہ ہبوطِ ارضی کے وقت نوعِ انسانی کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت آدمؑ کو اور ان کے ذریعہ نسلِ انسانی کو اللہ تعالیٰ نے کیا ہدایت دی تھی :۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (بقرہ، ۳۸)	ہم نے حکم فرمایا، نیچے جاؤ بہشت سے، سب کے سب، پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت (یعنی احکامِ شرعیہ بذریعہ انبیاء علیہم السّلام کے) سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے، (ترجمہ مولانا تھانویؒ)

سورۂ طٰہٰ میں اس بات کو اس طرح فرمایا گیا ہے :۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى ۝ (طٰہٰ، ۱۲۳، ۱۲۴)	(اللہ نے) فرمایا، تم دونوں (انسان اور شیطان) یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ تو اگر میری طرف سے تمہیں ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا، نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا اور جو میرے ذکر (ہدایت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے (دنیا میں) تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

اِن آیات سے یہ بات واضح ہوئی کہ نوعِ انسانی کے سامنے دو راستے ہیں، ایک یہ کہ خدا کی طرف سے جو ہدایت اور دین آئے، اس کی بے چون و چرا پیروی کی جائے، نوعِ انسانی سے اللہ تعالیٰ کا یہی مطالبہ ہے۔ نہ کہ صرف خدا کی پرستش کا، جس کا اِن آیات میں ذکر نہیں ہے۔ اور یہی دنیا و آخرت کی کامرانی کی راہ ہے، دوسرا راستہ حدِّ بندگی سے تجاوز کرنے اور خدا کے دین اور اس کی ہدایت سے منہ موڑنے کا ہے۔ یہ دنیا اور آخرت، دونوں کی ناکامی کی

رہا ہے۔ واضح رہے کہ سورۂ طٰہٰ مکی سورت ہے۔

ابلیس کا جُرم | یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ابلیس، جو راندۂ درگاہ ہوا اور جو دنیا کا سب سے بڑا گمراہ اور تاقیامت ساری گمراہیوں کا قائد اور سرچشمہ ہے، اس لیے راندۂ درگاہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے غیر اللہ کی پرستش کی تھی یا اللہ کی پرستش میں کوتاہی برتی تھی، وہ صرف اس لیے راندۂ درگاہ ہوا کہ اس نے خدا کی حکم عدولی کی، آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور نافرمانی و سرکشی پر اصرار کیا۔ سورۂ بقرہ میں ہے :۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○

(بقرہ، ۳۴)

اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو (اور جنّوں کو بھی) کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے سب سجدہ میں گر پڑے، بجز ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہو گیا کافروں میں سے

(ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :۔

"اس پر تکفیر کا فتوی اس لیے دیا گیا ہے کہ اُس نے حکمِ الٰہی کے مقابلہ میں تکبّر کیا اور اس کو قبول کرنے میں عار کیا اور اس کو خلافِ حکمت و مصلحت ٹھہرایا جیسا دوسرے مقام پر اس کا قول مذکور ہے کہ میں ناری الاصل ہونے کی بنا پر اس ترابی الاصل سے افضل ہوں۔ اور افضل سے مفضول کی تعظیم کرانا بے موقع ہے۔

مسئلہ :۔ جو شخص اِس طرح حکمِ شرعی کے ساتھ ردّ و انکار سے پیش آوے وہ کافر ہے۔" (تفسیر بیان القرآن، تفسیر سورۂ بقرہ)

یہ خدا کی نافرمانی اور اس سے سرکشی ہی تھی جس نے عزازیل کو "ابلیس" اور ہمیشہ کے لیے خدا کا مغضوب اور راندۂ درگاہ بنا دیا۔

حضرت آدمؑ کی خطا | یہ بات بھی یاد رہے کہ آدم علیہ السلام کو جنّت سے نکلنے کا جو حکم ملا تھا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ معاذ اللہ انھوں نے غیر اللہ کی پرستش کی تھی یا خدا کی پرستش میں کوئی کوتاہی

برتی تھی، وجہ صرف یہ تھی کہ کھانے پینے سے متعلق خدائے تعالیٰ نے ایک حکم دیا تھا اور ابلیس کے بہکانے سے ان سے اس حکم کی نافرمانی ہوگئی تھی، اوپر کی آیت کے بعد ہی ہے :۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ

(بقرۃ، ۳۵)

اور ہم نے کہا، اے آدم! رہو تم اور تمھاری بیوی جنت میں اور کھاؤ دونوں جنت میں سے بافراغت جہاں سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اِس درخت کے ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے تو شیطان نے اس درخت کے ذریعہ اُن دونوں کو پھسلا دیا اور جس (جنت کے عیش) میں وہ تھے اُس سے ان کو نکلوا دیا۔

سورۂ طٰہٰ میں اِس واقعہ کا ذکر اِس طرح ہے :۔

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۝ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ

(طٰہٰ، ۱۲۱، ۱۲۲)

تو ان دونوں نے اُس درخت کا پھل کھا لیا تو اُن کے ڈھانکنے کی چیزیں عُریاں ہوگئیں اور وہ اپنے اوپر باغ کے پتّے کو تھمنے لگے اور آدمؑ نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بھٹک گئے، پھر اُس کے رب نے اُس کو نوازا، اُس کی توبہ قبول کی، اور اُس کو ہدایت بخشی۔

اِن آیات سے واضح ہوا کہ حضرت آدم کے جنّت سے نکالے جانے کی واحد وجہ کھانے پینے سے متعلق ایک حکم خداوندی کی نافرمانی تھی، جو ابلیس کے بہکانے سے ہوگئی پھر جب انھوں نے خدا کی توفیق و تلقین سے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں صراحت ہے، توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی، انھیں اپنی ہدایت سے نوازا اور انھیں رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں خدا کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرکشی ہی سب سے بڑی گمراہی ہے، ابلیس اس لیے ابلیس بنا کہ اُس نے توبہ کرنے کے بجائے نافرمانی و سرکشی پر اصرار کیا، آدم کی نافرمانی کو بھی خدا نے گمراہی قرار دیا اور اس نافرمانی سے باز آنے اور

توبہ کرنے کے نتیجہ ہی میں انھیں ہدایت و اجتبا سے نوازا، اُسی کے ساتھ آدم علیہ السلام کے ذریعہ بنی آدم تک یہ بات پہنچائی گئی کہ خدا کی ہدایت کی پیروی کرنے ہی سے وہ گمراہی اور عذابِ جہنم سے بچ سکتے ہیں، بصورتِ دیگر وہ گمراہی کا شکار ہوں گے اور دنیا و آخرت دونوں میں عذابِ خداوندی کے مستحق ہوں گے۔

غیر خدا کی پرستش اِس لیے "ظلمِ عظیم" اور ناقابلِ مغفرت گناہ ہے کہ خدا نے اور اُس کے دین نے اُس کو ایسا قرار دیا ہے اور اطاعتِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ ہم اسے ایسا ہی سمجھیں اور اُس سے کُلّی اجتناب کریں۔ معروف عبادات کو اسلام میں جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ خدا اور رسول نے ان کو یہ مقام دیا ہے اور اطاعتِ خدا و رسول کا تقاضا ہے کہ ہم بھی انھیں یہی مقام دیں۔

حضرت نوحؑ کی دعوت سورۂ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر اس طرح ہے:۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝

(شعراء، ۱۰۵ تا ۱۱۰)

قومِ نوحؑ نے (نوحؑ کو جھٹلا کر فی الحقیقت سب) رسولوں کو جھٹلایا، ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا، کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے، میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں تو اللہ کی نافرمانی سے بچو اور میری اطاعت کرو، میں اس پر تم سے کسی بدلہ کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو ربّ العالمین کے ذمہ ہے تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔

اِن آیات میں دو بار اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ کے الفاظ آئے ہیں اور حضرت نوحؑ نے دعوت کے اوّلین مرحلہ ہی میں سب سے پہلے اپنی قوم کے سامنے یہی دو مطالبے رکھے ہیں —— "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو" "تقویٰ"، کتاب و سنّت کی اصطلاح میں اس بات کا نام ہے کہ بندہ اپنی پوری زندگی خدا سے ڈر کر اُس کی نافرمانی سے بچتے ہوئے گزارے اور اس کی واحد راہ رسول کی اطاعت اور اُس دین کی پیروی ہے جو خدا کی طرف سے اس کے رسول پر نازل ہوتا ہے۔

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے جھٹلانے کو سب رسولوں کی تکذیب قرار دیا۔ سورۂ شعراء مکی سورت ہے۔

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ہودؑ کی دعوت کا تذکرہ اس طرح ہے :-

كَذَّبَتْ عَادُ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَالَمِينَ ۝ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ فَاتَّقُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝

(شعراء: ۱۲۳ تا ۱۳۱)

قوم عاد نے (ہودؑ کو جھٹلا کر سب) رسولوں کو جھٹلایا ان کے بھائی ہودؑ نے ان سے کہا، کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں تو اللہ کا تقویٰ اور میری اطاعت اختیار کرو، میں اس کام پر تم سے کسی بدلے کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا تم ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو گویا تمھیں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو، ظالم و جابر بن کر ڈالتے ہو تو اللہ کا تقویٰ اور میری اطاعت اختیار کرو۔

ان آیات میں حضرت ہودؑ کی دعوت کا مرکزی نقطہ، جسے انھوں نے بار بار دہرایا ہے، اللہ کا تقویٰ اور بحیثیتِ رسول ان کی اطاعت ہے، پوری زندگی خدا اور رسول کی اطاعت میں دو، ہر نبی کا یہی بنیادی مطالبہ ہوتا ہے۔

اس مثبت دعوت کے ساتھ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کی دنیا پرستی، اس کی مُسرفانہ زندگی اور افراد اور قوموں پر ان کے ظلم و تعدی پر بھی تنقید کی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السّلام خدا کی بندگی، تقویٰ اور اطاعتِ رسول کی دعوت کے ساتھ اخلاقی اقدار کو ابتدا ہی سے اہمیت دیتے اور اپنی قوم کی اخلاقی خرابیوں پر انگلی رکھتے ہیں، اسی کے ساتھ وہ انسانی حقوق کے تحفظ کے بھی داعی ہوتے ہیں[۱] ــــ کیا یہ سب کام وہ شخص کر سکتا ہے جو صرف

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، میری کتاب "انبیاء علیہم السّلام کی دعوت"

"پرستش" کے دائرے میں محصور ہو اور پوری زندگی میں خدا کی بندگی اور اس کے دین کی پیروی اس کی توجہات کو مرکز و محور نہ ہو۔

حضرت صالحؑ کی دعوت حضرت ہودؑ کے بعد حضرت صالحؑ کی دعوت کا ذکر اس طرح ہے:۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝

(شعراء، ۱۴۱ تا ۱۵۲)

ثمود نے (صالحؑ کو جھٹلا کر سب) رسولوں کو جھٹلایا۔ ان سے ان کے بھائی صالحؑ نے کہا، کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں تو اللہ کا تقویٰ اور میری اطاعت اختیار کرو۔ میں اس پر تم سے کسی بدلہ کا طالب نہیں، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان — ان باغوں اور چشموں میں، ان کھیتوں اور نخلستانوں میں، جن کے خوشے رس بھرے ہیں — بس یوں ہی اطمینان سے رہنے دیے جاؤ گے؟ تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو۔ تو اللہ کا تقویٰ اور میری اطاعت اختیار کرو اور "مُسرفین" (حدِ بندگی سے بڑھنے والوں) کے حکم کی اطاعت نہ کرو، یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے۔

۱۔ حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ کی طرح حضرت صالحؑ نے بھی اپنی قوم سے اللہ کے تقویٰ اور بہ حیثیت رسول اپنی اطاعت کا مطالبہ کیا۔ کہ خدا کی اطاعت کی واحد راہ اطاعتِ رسول ہے۔ یہ مطالبہ ہر نبی نے اپنی دعوت کے اولین مرحلہ میں کیا ہے اور پھر بار بار کیا ہے۔

۲۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ "مُسرفین" (اسراف کرنے والوں) کے احکام کی اطاعت نہ کریں۔ واضح رہے کہ "اِسراف" قرآنِ مجید کی یک مخصوص

اصطلاح ہے، جس کے معنی ہیں "حدِّ بندگی سے تجاوز کرنا" اور "مُسرفین" کے معنی ہیں حدِّ بندگی سے تجاوز کرنے والے یعنی خدا کے باغی و نافرمان۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ کا ترجمہ کرتے ہیں:-

"اور حدود سے گزر جانے والوں کی بات نہ مانو" (ص۶۲۳)

اور اِس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"یہاں کھُل کر یہ بات بھی فرمادی کہ اپنے اُن لیڈروں کے چکمے میں نہ آؤ جو خدا کے حدود کو لانگ کر بہت دور نکل جا چکے ہیں۔" (تدبرِ قرآن ص۶۲۵)

سورۂ اعراف میں ہے:-

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (اعراف ۳۱)

مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:-

"اے اولادِ آدم کی (جب برہنہ طواف کا فحش اور مذموم عند اللہ ہونا معلوم ہوگیا تو) تم مسجد کی ہر حاضری (یعنی عبادت) کے وقت (کہ اِس میں نماز و طواف سب آگیا) اپنا لباس پہن لیا کرو (اور جس طرح لباس کا ترک کرنا ضلالتِ شیطانیہ ہے، اس طرح حلال ماکولات و مشروبات کا حرام سمجھ کر چھوڑ دینا، جیسا کہ اہلِ جاہلیت اس میں بھی مبتلا تھے، نیز ضلالتِ شیطانیہ ہے، اُس سے بھی باز آؤ اور حلال چیزوں کو) خوب کھاؤ اور پیو اور (خواہ مخواہ ان کو حرام اعتقاد کر کے) حدِ (شرعی)[1] سے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو"

(تفسیر بیان القرآن، تفسیر سورۂ اعراف)

یعنی "اِسراف" (حدِّ بندگی سے تجاوز) یہ ہے کہ انسان بندہ بن کر قانونِ الٰہی کی پیروی

---

[1] مولانا تھانویؒ کا اِس پر حاشیہ ہے:- کذا فی روح المعانی وھو الانسب بالمقام (تفسیر روح المعانی میں ایسا ہی ہے اور یہ مفہوم اس مقام کے لحاظ سے موزوں تر ہے)۔

کرنے کے بجائے نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کرے اور تحلیل و تحریم اور قانون سازی کا کام، جو خدا کے لیے خاص ہے، خود انجام دینا شروع کر دے ــــ انبیاء علیہم السلام خدا و رسول کی دعوت کے ساتھ یہ دعوت بھی دیتے تھے کہ خدا کے باغیوں اور نافرمانوں کی اطاعت نہ کرو۔

۳۔ خدا کے باغیوں کی صفت حضرت صالحؑ نے یہ بتائی کہ "وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔" مولانا امین احسن اصلاحی اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"یہاں کھُل کر یہ بات بھی فرما دی کہ اپنے ان لیڈروں کے چکمے میں نہ آؤ جو خدا کے حدود کو لانگ کر بہت دور نکل چکے ہیں، یہ ملک میں فساد برپا کر رہے ہیں، اگرچہ یہ مدّعی اصلاح کے ہیں اور ان کی ذمہ داری بھی یہی تھی کہ یہ اصلاح کرتے لیکن یہ اصلاح نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصلاح کے نام سے افساد کر رہے ہیں، ہم تفسیر سورۂ بقرہ میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ جس طرح اِس کائنات کے بقا کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس کے اندر ایک ہی خدا کا ارادہ کارفرما ہے، اسی طرح اس زمین کی اصلاح کا انحصار اِس امر پر ہے کہ اس کے اندر اسی ایک خدا کا قانون چلے اگر خدا کے قانون کے سوا کوئی اور قانون اور نظام اس میں چلایا جائے تو یہ اِس زمین کے امن و عدل کو درہم برہم کرنا ہے اگرچہ اس کو کتنے ہی خوبصورت نام اور کتنے ہی نیک ارادے کے ساتھ چلایا جائے۔"

(تدبرِ قرآن، جلد چہارم ص۶۷۵، ص۶۷۶)

مولانا امین احسن صاحب نے سورۂ بقرہ کی تفسیر کا جو حوالہ دیا ہے وہ اِس آیت سے متعلق ہے :۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (بقرہ، ۱۱، ۱۲)	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے لوگ ہیں، آگاہ رہو کہ یہی لوگ فساد برپا کرنے والے ہیں لیکن یہ محسوس نہیں کر رہے ہیں۔

اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں :۔

"لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ :۔ اِفساد فی الارض قرآن مجید کی ایک اصطلاح

ہے جس کا مفہوم اس نظامِ حق کو بگاڑنا یا اُس کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ہے جو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکام و قوانین کی اطاعت پر مبنی ہوتا ہے اور جس کی دعوت انبیائے کرام علیہم السلام لے کر آتے ہیں، قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کا نظامِ تکوینی اِس وجہ سے قائم ہے کہ اس کے اندر ایک ہی ربِ قدیر قہار کا ارادہ کارفرما ہے، اگر اس کے اندر کسی اور کا زور و اختیار بھی چلتا ہوتا تو یہ آن کے آن میں درہم دبرہم ہو کر رہ جاتا، اسی طرح اس کے نظامِ تشریعی کے اندر اگر اور کی عبادت و اطاعت کے جواز یا دخل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مزاج بالکل ہی بگڑ کے رہ جاتا ہے اور یہ بگاڑ سارے نظامِ تمدن کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے، اس وجہ سے ہر وہ کوشش قرآن کے نزدیک فساد فی الارض کے حکم میں داخل ہے جو اس بگاڑ کا دروازہ کھولے، اگرچہ یہ کوشش بہ ظاہر اصلاح کے نیک ارادہ ہی کے ساتھ کیوں نہ کی جائے"۔

(تدبرِ قرآن، جلد اوّل ص۷۶)

چار صفحات کے بعد مولانا صلاح و فساد پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"رہا اس زمین کی صلاح و فساد تو اس کا انحصار، جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں، صرف اس چیز پر ہے کہ اس کے اندر کس کا حکم اور کس کا قانون چلتا ہے، اس کے حقیقی خالق و مالک کا یا کسی اور کا۔ اگر اس کے خالق و مالک کا حکم چلتا ہے تو اِس زمین پر امن و عدل کا صحیح نظام قائم ہو گا اور اس کی وہ تمام برکتیں ظہور میں آئیں گی جو اُس کے اندر ودیعت ہیں اور اگر صورت اس کے برعکس ہو تو اس کے ہر گوشے میں فساد رونما ہو گا، اگرچہ اِس فساد کو تہذیب و تمدن کے کتنے ہی خوش نما ناموں سے موسوم کر دیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ اس زمین میں خدا کا قانون جاری کرنا چاہتے ہیں اس وجہ سے ان کی جدّ و جہد اس زمین کی اصلاح کی حقیقی جدّ و جہد ہوتی ہے اور اس کی مخالفت کی راہ میں ہر قدم فساد کا قدم ہے خواہ وہ بظاہر کتنے ہی نیک ارادے کے ساتھ اٹھایا جائے"۔ (تدبرِ قرآن، جلد اوّل ص۸۰، ۸۱)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ صرف "خدا کی پرستش" نہیں، وہ دینِ حق اور نظامِ عدل ہوتا ہے جسے انبیاء علیہم السلام خدائے تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں۔ یہی وہ نظام ہے جسے اگر بے کم و کاست نافذ کر دیا جائے تو زمین، امن، عدل اور صلاح سے معمور ہو جاتی ہے لیکن اگر اس نظام میں غیر خدا کی پرستش یا اطاعت کی گنجائش نکال لی جائے ــــ خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے نکالی جائے ـــ تو سارا نظامِ تمدن بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی فساد فی الارض ہے جسے مٹانے اور خدائے واحد کی عبادت و اطاعت پر مبنی نظامِ حق قائم کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام آتے ہیں۔

طاغوت ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام صرف اطاعتِ خدا اور رسول کی دعوت نہیں دیتے بلکہ اس کی بھی دعوت دیتے ہیں کہ خدا کے باغیوں اور نافرمانوں کی اطاعت نہ کی جائے، یہ بات قرآن مجید میں مختلف انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار آئی ہے اور مختلف انداز اور مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ سورۂ شعراء میں خدا کے باغیوں اور نافرمانوں کے لیے "مُسرفین" کا لفظ استعمال ہوا ہے، کچھ دوسری سورتوں میں اسی مفہوم کو لفظِ "طاغوت" سے تعبیر کیا گیا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ میں آیۃ الکرسی کے بعد جو خدا کی حاکمیت و اقتدار کی وسعت و عظمت بیان کرنے والی آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥

(بقرہ، ۲۵۶)

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے تو جس نے "طاغوت" کا انکار کیا، اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط رسی پکڑی جو ٹوٹنے والی نہیں، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

"طاغوت" کے معنیٰ لوگ عموماً بُت یا شیطان کرتے ہیں، لیکن یہ اس لفظ کا لغوی اور حقیقی مفہوم نہیں ہے، اس کے کئی مصداقوں میں سے "دو مصداق ہو سکتے ہیں۔

مفسر ابو السعودؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے "طاغوت" کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

(مَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ) هُوَ بناء مبالغة من الطغيان كالملكوت والجبروت.... اى فمن يعمل اثر ما تميز الحق من الباطل بموجب الحجج الواضحة والآيات البينة ويكفر بالشيطان او بالاصنام وبكل ما عبد من دون الله اوصد عن عبادته تعالى لما تبين له كونه بمعزل من استحقاق العبادة

"طاغوت" طغیان سے مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے ملکوت اور جبروت..... یعنی جو باطل سے حق کے ممتاز ہونے کے بعد واضح دلائل اور کھلی ہوئی نشانیوں کے بموجب عمل کرے اور شیطان کا انکار کرے یا بتوں کا انکار کرے اور ہر اُس چیز کا انکار کرے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جاتی ہو یا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکتا ہو، انکار اس لیے کہ اس پر یہ واضح ہو گیا کہ یہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

امام رازیؒ اِس آیت کے ذیل میں "طاغوت" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

هى مشتقة من طغىٰ...... اذا عرفت هذا فنقول ذكر المفسرون فيه خمسة اقوال الاول قال عمر ومجاهد وقتادة هو الشيطان الثانى قال سعيد بن جبير الكاهن الثالث قال ابو العاليه هو الساحر الرابع قال بعضهم الاصنام الخامس انه مردة الجن والانس وكل ما يطغىٰ والتحقيق انه لما حصل الطغيان عند الاتصال بهذه الاشياء جعلت هذه الاشياء اسبابا للطغيان كما فى قوله رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

(تفسیر کبیر جلد ثانی ص۲۰۳ ، ص۲۰۴)

یہ طغیٰ (سرکشی کی) سے مشتق ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو ہم کہتے ہیں کہ مفسرین نے اس سلسلے میں پانچ اقوال نقل کیے ہیں اول عمر، مجاہد اور قتادہ نے کہا طاغوت شیطان ہے، دوم سعید بن جبیرؒ نے کہا طاغوت کاہن ہے، سوم، ابو العالیہ نے کہا طاغوت جادوگر ہے، چہارم، بعض لوگوں نے کہا بت ہیں، پنجم، سرکش جن و انسان اور ہر وہ چیز جو سرکشی اختیار کرے اور تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اِن چیزوں سے اتصال کے وقت (خدا سے) سرکشی حاصل ہوتی ہے اِس لیے اِن اشیاء کو طغیان کا سبب (طاغوت) قرار دیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ہمارے رب! اِن (بتوں) نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو خدا سے بغاوت و سرکشی کا ذریعہ بنے یا باغی و سرکش ہو وہ "طاغوت" ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:۔

"زور نہیں دین کی بات میں، کھل چکی ہے صلاحیت اور بے راہی، اب جو کوئی منکر ہو مفسد سے اور یقین لاوے اللہ پر اس نے پکڑی گہہ مضبوط، جو ٹوٹنے والی نہیں، اور اللہ سنتا ہے، جانتا۔"

اور "مفسد" قرآن کی اصطلاح میں خدا کے باغی و نافرمان کو کہتے ہیں۔ "طاغوت" کا لفظ سورہ نحل میں بھی آیا ہے۔ سورہ نحل مکی سورت ہے:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ	اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑدنگے سے
(نحل، ۳۶)	(ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

"طاغوت" کا ترجمہ شاہ صاحب نے "ہڑدنگا" کیا ہے، "ہڑدنگے" کی تشریح وہ اس طرح کرتے ہیں:۔

"ہڑدنگا وہ ہے جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے، کچھ سند نہ رکھے، ایسے کو "طاغوت" کہتے ہیں، بت اور شیطان اور زبردست ظالم، سب یہی ہے۔" (تفسیر موضح القرآن)

یعنی خدا کی سند کے بغیر جن کی اطاعت ہو، وہ "طاغوت" ہیں، بت، شیطان، خدا کے نافرمان و باغی حکام، سب "طاغوت" ہیں اور انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ کی بندگی کریں اور "طاغوت" کی اطاعت سے بچیں اور اس کا انکار کریں اور "طاغوت" کے انکار سے اُن کے وجود سے انکار نہیں ہے کیونکہ بت، شیاطین الانس والجن اور باطل ارباب اقتدار کا وجود ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، انکار سے مراد ان کے معبود و مطاع ہونے سے انکار ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے "طاغوت" پر بڑی عمدہ بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"طاغوت" بر وزن ملکوت و جبروت "طغیٰ" کے مادہ سے ہے جس کے معنیٰ حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں، جو چیز اپنی حدِ مناسب سے آگے بڑھ جائے، اُس کے لیے عربی میں کہیں گے طغیٰ، "طَغَى الْمَاءُ" پانی حد سے

آگے بڑھ گیا[1]، قوم ثمود جس آفت سے ہلاک ہوئی اس کے لیے "طاغیۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی حد سے بڑھ جانے والی آفت کے ہیں[2]، یہیں سے یہ لفظ حدودِ عبدیت و بندگی سے نکل جانے کے لیے استعمال[3] ہوا اور جو حدودِ بندگی سے نکل جائے اس کو "طاغوت" کہنے لگے، پھر وسعت اختیار کرکے یہ لفظ اُن چیزوں پر بھی حاوی ہوگیا جو حدودِ بندگی سے نکل جانے کا باعث یا ذریعہ بنیں۔ اہلِ لغت اسی وجہ سے اس کی تشریح عام طور پر یوں کرتے ہیں کہ الطّاغوتُ عبارۃٌ عن کل معتد وکلّ معبود من دون اللّٰہ (طاغوت سے مراد ہر وہ وجود ہے جو بندگی سے نکل جائے اور ہر وہ معبود ہے جس کی، اللہ کے سوا پرستش کی جائے)۔

قرآن نے اِس لفظ کو مختلف مقامات میں استعمال کیا ہے اور ہر جگہ اس کے مقابل کا ذکر کرکے اس کے مختلف مفہوموں پر روشنی ڈال دی ہے، مثلاً زیرِ بحث آیت میں ہے فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یہاں اللہ کے مقابلہ سے واضح ہے کہ "طاغوت" سے مراد ما سویٰ اللہ ہے، سورۂ نحل میں ہے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یہاں بھی اللہ کے سوا دوسرے معبودانِ باطل مراد ہیں، سورۂ نساء میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ، اِس کے بعد معاً فرمایا فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ، جس سے متعین ہوگیا کہ طاغوت سے مراد شیطان ہے اور شیطان کا لفظ شیاطینِ انس اور شیاطینِ جن دونوں کو شامل ہے۔ اسی

---

[1] قرآن مجید میں ہے اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ (حاقہ، ۱۱) تو جب پانی حد سے بڑھا (طغیانی آئی) تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کیا [2] فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ (حاقہ، ۵) رہے ثمود تو وہ حد سے بڑھی ہوئی آفت سے ہلاک کیے گئے [3] اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بیشک وہ حدِ بندگی سے گزر گیا)

طرح ایک دوسرے مقام میں اِس لفظ کو کتابِ الٰہی اور طریقۂ رسول کے مخالف طریقہ کے لیے استعمال فرمایا ہے، اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ○ (۶۰، ۶۱) اِس آیت میں يَتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ کے بالمقابل تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ کہہ کر یہ واضح کردیا کہ "طاغوت" سے مراد یہاں وہ چیزیں ہیں جو کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول کے خلاف ہیں۔

اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو خدا کی بندگی وطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے کا باعث اور ذریعہ ہو، وہ سب اِس لفظ کے مفہوم میں شامل ہے۔"

(تدبرِ قرآن، جلد اوّل ص۵۴۷)

مولانا امین احسن صاحب نے مذکورہ بالا تشریح کے آخر میں سورۂ نساء کی جو آیات نقل کی ہیں، ان کا ترجمہ یہ ہے :۔

"کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اُس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے اتاری گئی ہے لیکن چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انھیں اُس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انھیں نہایت دور کی گمراہی میں ڈال دے، اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ تم سے کتراجاتے ہیں۔"

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"تَحَاكَمَ اِلَى الْحَاكِم کے معنیٰ ہیں تخاصم الیہ یعنی اپنا قضیہ اور معاملہ حاکم کے سامنے پیش کیا۔ "طاغوت" کی تحقیق سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

یہاں اس کے مقابل میں فرمایا ہے، تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ
جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہاں "طاغوت" کتاب اللہ اور رسول کی ضد کے
مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں آیت کے زمانۂ
نزول تک یہ حیثیت صرف یہود کے سرداروں اور لیڈروں ہی کو حاصل تھی کہ جو
لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے بچنا چاہتے وہ اپنے معاملات ان کے پاس
لے جاتے، اس وجہ سے 'طاغوت' سے مراد وہی ہو سکتے ہیں اور ہر اعتبار سے
وہ اس لفظ کے بالکل ٹھیک ٹھیک مصداق تھے۔

یہ بہ اندازِ تعجب منافقین کا ذکر ہو رہا ہے (اور قرائن سے صاف معلوم
ہو رہا ہے کہ یہ منافقین اہل کتاب میں سے آئے ہوئے لوگ تھے) جو دعویٰ تو
یہ کرتے تھے کہ وہ قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور پچھلے صحیفوں پر بھی ایمان رکھتے
ہیں لیکن اپنے معاملات میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنے کے بجائے
یہود کے سرداروں اور ان کی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے تھے، حالانکہ
جس اللہ و رسول پر وہ ایمان کے مدعی تھے، ان کی طرف سے یہ واضح ہدایت
اُتر چکی ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان لانے کے لیے لازم ہے کہ طاغوت کا انکار
کیا جائے۔ بغیر اس انکار کے ایمان معتبر نہیں، لیکن یہ دونوں کو جمع کرنا
چاہتے ہیں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ اس طرح ان کو بھٹکا کر صراطِ مستقیم سے
اتنی دور کر دے کہ پھر اُن کے لیے اس کو پانے کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔"

(تدبر قرآن، جلد دوم ص۹۸)

شاہ عبدالقادر دہلویؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مدینے میں ایک یہودی اور ایک منافق کہ ظاہر میں مسلمان تھا، جھگڑنے لگے،
یہودی نے کہا، چل محمد پاس (صلی اللہ علیہ وسلم)، منافق نے کہا، چل کعب بن اشرف
پاس، وہ یہود کا سردار تھا، آخر کار حضرت پاس آئے۔ حضرت نے یہودی کا حق
ثابت کیا، منافق نے باہر نکل کر کہا کہ چلو عمرؓ پاس، یہ حضرت کے حکم سے مدینہ

میں قضا کرتے تھے، منافق نے جانا کہ حمیتِ اسلام کریں گے، جب گئے اُن کے آگے۔ یہودی نے کہہ دیا کہ حضرت پاس ہم جا چکے ہیں، وہ مجھ کو سچا کر چکے ہیں حضرت عمرؓ نے منافق کی گردن ماری، اس کے وارث حضرت پاس دعویٰ خون کو آئے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم گئے تھے اس واسطے کہ شاید صلح کرا دیں[1]، تب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اُن کا نام "فاروق" فرمایا۔" (تفسیر موضح القرآن)

جو شخص خدا اور رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو، وہ مسلمان نہیں منافق ہے، اسی لیے حضرت عمرؓ نے اسے قتل کر دیا اور آیات نے حضرت عمرؓ کے اس اقدام کی تائید کی، ورایمان اور نفاق میں آن جرأت مندانہ عملی فرق کرنے کے باعث ان کا لقب فاروق ہوا ـــــ اطاعتِ خدا اور رسول ایمان کی اولین کسوٹی ہے، یہ ثانوی چیز ہرگز نہیں ہے!

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کو مزید تفصیلات کے ساتھ نقل فرمایا ہے، وہ اِن آیات کی تفسیر سے پہلے "ربط" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:۔

"اوپر کی آیت میں اپنے جمیع معاملات کو اللہ و رسول کے احکام کی طرف رجوع کرنے کا حکم تھا، آگے غیر شریعت کی طرف رجوع کرنے کی مذمت ہے اور اس میں منافقین کی تقبیح ہے کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے،

پھر انھوں نے "ذمِ رجوع بسوئے غیر حکم شریعت" کی سُرخی کے تحت اِن آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مندرجہ بالا واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اس کی آخری سطور یہاں درج کی جاتی ہیں۔

"جب وہاں (حضرت عمرؓ کے پاس) پہنچے تو یہودی نے سارا قصہ بیان کر دیا کہ یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس سے فیصل ہو چکا ہے مگر یہ شخص (یعنی منافق) اس پر راضی نہیں ہوا، آپ نے اِس منافق سے پوچھا، کیا یہی بات ہے؟ اس نے کہا، ہاں! حضرت عمرؓ نے فرمایا، اچھا، ٹھیرو، آتا ہوں اور گھر سے ایک تلوار

---

[1] اگلی آیت میں اس کا ذکر ہے۔

لے کر آئے اور منافق کا کام تمام کیا اور کہا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے فیصلہ پر راضی نہ ہو، اس کا یہ فیصلہ ہے اور رد ہ فی الروح بروایۃ
الثعلبی وابن ابی حاتم عن ابن عباس اور عامۂ مفسرین نے یہ بھی لکھا
ہے کہ پھر اس منافق مقتول کے ورثہ نے حضرت عمر پر دعویٰ کیا اور اس منافق
کے کفر قولی وعملی کی تاویل کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اصل حقیقت ظاہر
فرما دی اور آیات میں ابن ابی حاتم وطبرانی وابن جریر کی روایات ابن عباسؓ
اور شعبیؒ سے، جن میں تین قصّے کاہنوں کے پاس مقدمات لے جانے کے مذکور
ہیں، نقل کی ہیں، سب کا وقوع ممکن ہے اور سب قصوں میں مصیبت کے
وقت ایسے ہی عذر کرنا ہو سکتا ہے۔

(تفسیر بیان القرآن، تفسیر سورۂ نساء)

یہ ہے اس آیت کے سلسلہ میں مفسرینِ عظام کی تصریحات! چند آیات کے بعد خود
اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (نساء، ۶۵)

تو نہیں، تمھارے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ یہ تمھیں اپنے نزاعات میں حَکَم بنائیں، پھر جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

یعنی اگر کوئی شخص اپنے معاملات میں رسول کو حَکَم نہیں بناتا اور اُن کے فیصلوں کو
خوش دلی کے ساتھ تسلیم نہیں کرتا تو وہ دعوئ ایمان کے باوجود خدا کی نگاہ میں مومن نہیں ہے۔
اگر خدا اور رسول جان و مال کی قربانی کا بھی حکم دیں تو اس حکم کی بھی تعمیل ہونی چاہیے۔

اس آیت کے آگے ارشاد ہے:۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا

اور اگر ہم نے اُن پر لکھا ہوتا کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس حکم کی

قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

(نساء، ۶۶ تا ۶۹)

تعمیل بہت کم لوگ کرتے اور اگر وہ لوگ وہ کام کرتے جن کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا اور انھیں (راہِ حق پر) بہت زیادہ جمانے والا ہوتا اور اس صورت میں ہم انھیں اپنے پاس سے اجرِ عظیم دیتے اور ہم انھیں راہِ راست دکھاتے اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ (آخرت میں) اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالح، اور بہت اچھے ساتھی ہیں یہ لوگ!

یہ ہے دین میں خدا اور رسول کی اطاعت کا مقام اور خدا کے باغیوں سے اجتناب و انکار کی اہمیت!

حضرت لوطؑ کی دعوت "طاغوت" کی بحث توضمناً آگئی تھی، اصل گفتگو تو یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ کیا تھا اور اُس میں اطاعتِ خدا اور رسول کا مقام کیا تھا۔

حضرت صالحؑ کی دعوت کے بعد سورۂ شعراء میں حضرت لوطؑ کی دعوت کا ذکر اس طرح ہے:-

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝

قومِ لوطؑ نے (لوطؑ کو جھٹلا کر سب) رسولوں کو جھٹلایا۔ ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہا کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے، بیشک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو، میں (اس سلسلے میں) تم سے کسی بدلہ کا طالب نہیں، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا تم انسانوں میں سے (شہوت رانی کے لیے) مردوں کے پاس آتے ہو

اور تمھارے رب نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا
کی ہیں انھیں چھوڑے ہوئے ہو، تم حد سے گزرنے
والے لوگ ہو!

(شعراء، ۱۶۰ تا ۱۶۶)

انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کو دعوت کے ابتدائی اور اوّلین مرحلہ میں جن الفاظ میں دعوت دی ہے، وہ ہیں اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ (اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو) لیکن جیساکہ "عبادت" کی بحث میں گذر چکا ہے، تمام انبیاء نے دعوت کے اوّلین مرحلہ میں اپنی قوم سے کہاہے "اُعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ" (اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں) اور اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنَ کی طرح یہ چیز بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ رہی ہے مگر اس میں ایک استثناء ہے اور وہ ہیں حضرت لوطؑ ان کی دعوت کا تفصیلی ذکر قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ہے مگر کہیں بھی اُعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ کے الفاظ نہیں ملتے، ان کی قوم جس عمومی اخلاقی شناعت ــــ لواطت ــــ کا شکار تھی، اُسی پر تنقید اور اُسی کی مذمت سے ان کی دعوت کا آغاز ہوتا ہے اور اسی پر ان کی دعوت کا خاتمہ ہوتا ہے اور ان کی دعوت کو رد کر دینے کے نتیجہ میں اُن کی قوم پر دردناک عذاب آتا ہے اور وہ ہلاک کر دی جاتی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ کیا ان کی قوم کافر و مشرک نہ تھی؟ کیا وہ اہلِ ایمان تھے اور اہلِ ایمان ہوتے ہوئے اِس اخلاقی خرابی کا شکار تھے؟ قرآن مجید سے ایسا بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اگر وہ کافر و مشرک تھے تو اُنھیں اللہ کی بندگی اور توحید کی طرف دعوت کیوں نہیں دی گئی، کوئی بھی اخلاقی خرابی ہو، شرک و کفر سے بڑھ کر نہیں ہوتی، پھر سارے انبیاء کی دعوت سے حضرت لوطؑ کی دعوت کا انداز مختلف کیوں ہے؟ ــ صرف سورۂ شعراء اِس سے مستثنیٰ ہے، اِس میں حضرت لوطؑ، دوسرے انبیاء کی طرح اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ سے اپنی دعوت کا آغاز کرتے ہیں اور اِس کے بعد اپنی قوم کی اخلاقی شناعت پر تنقید کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اُعْبُدُوا اللّٰہَ اور اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ مفہوم کے اعتبار سے ایک ہیں اور اُعْبُدُوا اللّٰہَ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ کی پرستش و غلامی اختیار کرو جس کی

واحد شکل خدا کا تقویٰ اور رسول کی اطاعت ہے، چنانچہ جن مواقع پر دوسری سورتوں میں اُعْبُدُوا اللہَ کے الفاظ انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیے گئے ہیں، انہی مواقع پر سورۂ شعراء میں اِتَّقُوا اللہَ وَاَطِیْعُوْنِ کے الفاظ اُن کی طرف منسوب کیے گئے ہیں، یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ ماحصل کے اعتبار سے دونوں جملے ایک ہی ہیں اور دونوں کا مفہوم ہے، اللہ کی غلامی و فرماں برداری، جس کی واحد راہ رسول کی اطاعت ہے۔

مختلف انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد سورۂ انبیاء میں اللہ نے فرمایا۔

اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ (انبیاء، ۹۲)	بیشک یہ تمھاری اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمھارا رب ہوں تو میری عبادت کرو۔

اور سورۂ مومنون میں رسولوں کو خطاب کر کے فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ (مومنون، ۵۱، ۵۲)	اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور عمل صالح کرو، جو کچھ تم کرتے ہو میں اُسے خوب جانتا ہوں اور بیشک یہ تمھاری اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمھارا رب ہوں تو میرا تقویٰ اختیار کرو۔

معلوم ہوا کہ "میری عبادت کرو" اور "میرا تقویٰ اختیار کرو" کا مفہوم ایک ہی ہے۔

اِن آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کی بندگی و اطاعت کی مجمل دعوت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دینِ حق کی اخلاقی تعلیمات کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں، اور ان کی قوم میں جو اخلاقی خرابیاں ہوتی ہیں، ان پر شدید تنقید کرتے ہیں، دین کا یہ پہلو یوں تو تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں ملتا ہے مگر سب سے زیادہ اُبھرا ہوا حضرت لوطؑ کے یہاں ہے، ان کے یہاں یہ پہلو اُن کی تمام گفتگوؤں پر چھایا ہوا ہے اور سرسری نظر میں ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ انھوں نے اس کی سوا کچھ کہا ہی نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اِتَّقُوا اللہَ وَاَطِیْعُوْنِ کی جامع دعوت کے علاوہ انھوں نے اپنی قوم کی بعض اور خرابیوں پر بھی تنقید کی ہے، سورۂ عنکبوت میں ہے:۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ	کیا تم (شہوت رانی کے لیے) مردوں کے پاس

السَّبِیْلَ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ۔ | پاس جاتے ہو، راہ زنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں علانیہ بُرے کام کرتے ہو!

(عنکبوت، ۲۹)

گویہ تنقید بھی اُن کے اخلاقی جرائم اور انسانوں کی حق تلفی اور ظلم و زیادتی پر تھی، اس سے یہ پہلو اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی دعوت میں اخلاقی قدروں اور انسانی حقوق کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔

حضرت شعیبؑ کی دعوت | حضرت لوطؑ کے بعد حضرت شعیبؑ کی دعوت کا تذکرہ اس طرح ہے :-

کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ الْمُرْسَلِیْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَوْفُوا الْکَیْلَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ۝

(شعراء، ۱۷۶ تا ۱۸۴)

اصحاب الایکہ نے (شعیبؑ کو جھٹلا کر سب) رسولوں کو جھٹلایا۔ اُن سے شعیبؑ نے کہا، کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے؟ بیشک میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں تو اللہ کا تقویٰ اور میری اطاعت اختیار کرو اور میں تم سے اس کام کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پورا ناپو اور کم دینے والے نہ ہو اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اُس خدا سے ڈرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے کی خلقت کو پیدا کیا۔

حضرت شعیبؑ کی دعوت میں بھی مرکزی چیز خدا کا تقویٰ اور رسول کی اطاعت ہے، اس کے بعد انھوں نے اپنی قوم کی اخلاقی خرابیوں پر تنقید کی ہے اور اسے اخلاقی اقدار کی پابندی اور انسانی حقوق کی ادائیگی کی تلقین کی ہے ــــ اور یہ دونوں امور، سب انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا جزء رہے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعوت | حضرت ابراہیم علیہ السلام بُت پرستی کے خلاف اپنی شدت

اور بُت شکنی کے لیے معروف ہیں اور قرآن مجید نے اُن کے اس پہلو کو خصوصیت سے اس لیے بھی اُبھارا ہے کہ اُن کی اولاد اور ان کے نام لیوا ___ مشرکینِ عرب ___ انھیں کے نام پر شرک و بت پرستی کے علم بردار تھے لیکن ان کی پوری دعوت کو اوّل سے آخر تک پڑھیے تو اُس میں اور دوسرے انبیاء کی دعوت میں سرِ مو فرق نظر نہ آئے گا بلکہ وہ زیادہ جامع اور زیادہ تفصیلی نظر آئے گی۔[1] مثلاً سورۂ مریم میں حضرت ابراہیمؑ کی دعوت کا تذکرہ اس طرح ہے:-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝

(مریم، ۴۱ تا ۴۵)

اور کتابِ (الٰہی) میں ابراہیم کی سرگزشت کو یاد کرو، بے شک وہ صدّیق (راست باز) اور نبی تھا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا، اے میرے باپ! تم ان چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی، نہ تمھارے کچھ کام آتی ہیں۔ اے میرے باپ! میرے پاس (خدا کی طرف سے) وہ علم آیا ہے جو تمھارے پاس نہیں آیا تو تم میری پیروی کرو میں تمھیں سیدھی راہ دکھاؤں گا، اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو، بیشک شیطان رحمٰن کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ تمھیں خدائے رحمٰن کا عذاب پکڑ نہ لے تو تم شیطان کے ساتھی بن جاؤ۔

ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ مجید نے نبی سے پہلے "صدّیق" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مفہوم ہے، سراپا راستی، انتہائی راست باز، سراپا کردار، کامل وفادار و اطاعت شعار

---

[1] ملاحظہ ہو میری کتاب "انبیاء علیہم السلام کی دعوت"

— یہ اِس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کہ خدا کے یہاں مطلوب کچھ مذہبی رسوم نہیں ہیں بلکہ وفاداری، اطاعت وبندگی اور راست بازی وکردار مطلوب[۵۲] ہیں۔

آئیے، اب دیکھیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے، جو صدیق ونبی تھے، اپنے باپ کو کیا دعوت دی ہے اور کس انداز میں دی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے ایک فطری ترتیب کے ساتھ اپنے باپ کے سامنے اپنی دعوت رکھی ہے اور انتہائی دل سوزی ودردمندی کے ساتھ انھوں نے فرمایا کہ جن معبودوں کو تم پوج رہے ہو، یہ اندھے، بہرے اور مجبور خدا ہیں، انھیں پوجنے کا آخر کیا فائدہ! ان کے بجائے اُس خدا کی پرستش وبندگی کرنی چاہیے جو قادرِ مطلق بھی ہے اور علیم وخبیر بھی۔ اور زندگی کی پُرپیچ وادیوں میں راہ دکھانے والا بھی، تم اِس وقت اندھیرے میں بھٹک رہے ہو، تمھیں خدائی ہدایت کا علم حاصل نہیں، خدا نے اپنے فضل وکرم سے مجھے رسول بنایا ہے، مجھ پر راہِ راست باز کی ہے، مجھے وہ یقینی علم بخشا ہے جس سے دُنیا وآخرت کی کامیابی کی راہ ملتی ہے تو اندھیرے میں بھٹکنے اور اندھے، بہرے معبودوں کی بندگی کرنے کے بجائے خدائے رحمان کی راہ اپناؤ اور مجھے اس کا رسول تسلیم کرکے میری پیروی کرو، اس طرح تم "صراطِ مستقیم" پاسکوگے اور ہدایتِ الٰہی کی نعمت سے سرفراز ہوسکوگے — "اَلْعِلْمُ" سے مراد قرآنِ مجید میں علمِ وحی ہوتا ہے، جو خدا کی طرف سے آتا ہے اور جس سے خدا کی پرستش ہی نہیں اُس کی بندگی واطاعت کی راہ واضح ہوتی ہے، اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں "ہدایت" اور "صراطِ مستقیم" کہتے ہیں اور اسی کا ایک اور نام "دینِ حق" ہے — فَاتَّبِعْنِیْٓ (میری پیروی کرو) کہہ کر حضرت ابراہیمؑ نے بعینہٖ وہی مطالبہ کیا ہے جو دوسرے انبیاء نے اَطِیْعُوْنِ (میری اطاعت کرو) کہہ کر کیا ہے، رسول کا اتباع پوری زندگی میں ہوتا ہے نہ کہ صرف پرستش میں۔

انھوں نے اپنے باپ سے یہ بھی کہا کہ وہ شیطان کی عبادت نہ کریں۔" یہ بات اس سے قبل تفصیل سے آچکی ہے کہ شیطان کی عبادت سے مراد شیطان کی اطاعت اور خدا کی

---

[۵۲] مزید تفصیل کے لیے "انبیاء علیہم السلام کی دعوت" ملاحظہ فرمایئے۔

نافرمانی ہے۔ انھوں نے شیطان کی عبادت (اطاعت) سے یہ کہہ کر اپنے ماں باپ کو روکا کہ وہ خدا کا نافرمان ہے یعنی خدا کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کر کے تم کس خیر کی توقع رکھتے ہو، سوا اِس کے کہ تم بھی اِس کے ساتھی اور شیطان بن جاؤ اور تم بھی اس کی طرح خدا کے عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔

"اسلام"، جس کے معنیٰ، جیسا کہ اگلے باب میں آتا ہے "خدا کی کامل اطاعت اور اس کے لیے مکمّل حوالگی وسپردگی" کے ہیں، اگرچہ تمام انبیاء کا دین رہا ہے مگر اس لفظ کا استعمال خصوصیت سے دینِ ابراہیمی اور ملّتِ ابراہیمی کے لیے اور اس کی تجدید کی حیثیت سے شریعتِ محمدیؐ کے لیے ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(بقرہ، ۱۳۰، ۱۳۱)

اور کون ہے جو ملّتِ ابراہیمی سے اعراض کر سکے مگر وہی جو اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کرے۔ ہم نے اس کو دنیا میں برگزیدہ کیا اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوگا۔ جبکہ اُس کے رب نے اُس سے کہا، (اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر) انھوں نے کہا، میں نے (اپنے آپ کو) (رب العالمین کے حوالے کر دیا۔

یہ ہے ملّتِ ابراہیمی! خدا کے لیے مکمّل حوالگی وسپردگی! عملِ صالح و کردار! اسی چیز کی انھوں نے اپنے لیے اور اپنی ذرّیت کے لیے خانۂ کعبہ کی تعمیر کرتے ہوئے دعا کی تھی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

(بقرہ، ۱۲۸)

اے ہمارے رب! تو ہمیں اپنا مسلم (اطاعت گذار) بنا اور ہماری اولاد میں ایک اُمّت اٹھا جو تیری مسلم (اطاعت گزار) ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور (رحمت کے ساتھ) ہم پر توجہ فرما۔ بلاشبہ تو توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

اِسی ملّت اور اِسی دین کی طرف، جو خدا کی کامل اطاعت اور مکمّل حوالگی وسپردگی

کی راہ ہے، حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ ــ آزر ــ اور اپنی قوم کو دعوت دی تھی اور اسی ملت کی تجدید کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جس کی تشریح اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ انعام میں اس طرح کی ہے:-

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

(انعام، ۱۶۱ تا ۱۶۳)

(اے محمد!) کہو! بیشک میرے رب نے مجھ کو سیدھا راستہ دکھا دیا ہے ــ بالکل ٹھیک دین، ابراہیم کا طریقہ، جو یکسو تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ کہو میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا اور سب سے آگے بڑھ کر "اسلام" لانے والا ہوں (سرِ اطاعت خم کرنے والا ہوں)

حضرت موسیٰؑ کی دعوت سورۂ نازعات میں حضرت موسیٰ کی بعثت اور دعوت کا ذکر اس طرح ہے:-

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝

(نازعات، ۱۵ تا ۱۹)

کیا تمھیں موسیٰ کی سرگزشت پہنچی، اس کے رب نے وادیٔ مقدس ــ طویٰ ــ میں اسے پکارا، جاؤ فرعون کے پاس۔ بیشک وہ حدِ بندگی سے گزر گیا ہے، تو اس سے کہو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارا تزکیہ ہو اور میں تمھارے رب کی راہ تمھیں دکھاؤں تو تم اس سے ڈرو (اور متقیانہ زندگی گزارو)

گویا فرعون کا اصل جرم یہ تھا کہ وہ حدِ بندگی سے گزر کر خدا سے بغاوت و سرکشی کی راہ پر چل رہا تھا۔ قرآنِ مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو اہلِ مصر کا

"ربِ اعلیٰ" خیال کرتا تھا۔ مذکورہ بالا آیات کے بعد ہے :۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰىۖ ٥ فَكَذَّبَ وَعَصٰىۖ ٥ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰىۖ ٥ فَحَشَرَ فَنَادٰىۖ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰىۖ ٥

(نازعات ۲۰ تا ۲۴)

تو اُس (موسیٰؑ) نے اُس کو بڑی نشانی دکھائی تو اُس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی، پھر اُس نے پیٹھ پھیری اور دوڑ دھوپ کرنے لگا اور لوگوں کو جمع کیا اور منادی کی اور کہا، میں ہوں تمھارا "ربِ اعلیٰ"۔

گزشتہ اَدوار کے دوسرے فرماں رواؤں کی طرح، جو دیوتاؤں کے نام پر فرماں روائی کرتے اور ان کے اوتار اور نمائندے بن کر اپنی پرستش و اطاعت کراتے، مصر کے فراعنہ بھی اپنی اطاعت کے ساتھ اپنی پرستش بھی کراتے اور "ربِ اعلیٰ" اور "الٰہ" ہونے کے مدعی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس فعل کو "طغیان" — حدِ بندگی سے تجاوز — قرار دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اِس "طغیان" سے باز آئے، خدائے واحد کی پرستش و اطاعت کرے اور کرائے، خدا کی رضا اور رسول کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کا "تزکیہ"[1] کرے، خدا سے ڈر کر اور اس کا بندہ بن کر اس کی ہدایت و رہنمائی کے مطابق زندگی گذارے جو حضرت موسیٰؑ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

سورۂ نحل میں ہے :۔

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ بغیر کسی مرض کے سفید (اور روشن) نکلے گا، یہ

---

[1] "تزکیہ" قرآن مجید کی ایک اور اصطلاح ہے، اِس کا مفہوم ہے "ظاہر و باطن کو ہر اُس چیز سے پاک کرنا جو خدا کو ناپسند ہو اور اپنے وجود کو اُن تمام صفات و اعمال سے آراستہ کرنا جو خدا کو مطلوب ہوں" تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح یہ مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی تھا کہ وہ اُن تمام انسانوں کا "تزکیہ" کریں جو اُن کی بات ماننے کو تیار ہوں، یہ اُن کے آنے کا بُنیادی مقصد تھا نہ کہ صرف خدا کی پرستش!

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْھُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَۃً قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

(نمل، ۱۲ تا ۱۴)

نو نشانیوں میں سے ہے، اِن کے ساتھ فرعون اور اُس کی قوم کے پاس جاؤ، وہ فاسق لوگ ہیں تو جب اُن کے پاس ہماری کُھلی کُھلی نشانیاں آئیں تو انھوں نے کہا، یہ تو کھلا جادو ہے اور انھوں نے ظلم اور سرکشی اور بڑائی کی بنا پر ان کا انکار کیا حالانکہ وہ دل سے ان پر یقین رکھتے تھے، تو دیکھو کیسا انجام ہوا مُفسدین کا!

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور قومِ فرعون کا بنیادی جُرم یہ بتایا ہے کہ وہ "فاسق" تھے۔ قرآنِ مجید کی اصطلاح میں "فاسق" نافرمان اور باغی کو کہتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر خدا کی نافرمانی و بغاوت اُن کا اصل مرض تھا جس سے انھیں نجات دلانے اور خدا کی بندگی و اطاعت کی دعوت دینے کے لیے موسیٰ علیہ السّلام آئے تھے۔

قرآنِ مجید نے اُن کا دُوسرا جُرم یہ بتایا کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات اور روشن و واضح آیاتِ الٰہی کو دیکھنے اور اُن کے مِن جانب اللہ ہونے پر دل سے یقین کرنے کے باوجود اُن کا انکار کر دیا اور انکار کی بنیادی وجہیں دو تھیں، ظلم[۱]، علو[۲]۔ ظلم حق تلفی کو کہتے ہیں اور قرآنِ مجید کی اصطلاح میں خدا کی نافرمانی "ظلم" ہے کیونکہ وہ خدا کی بھی حق تلفی ہے، بندوں کی حق تلفی بھی اور انسان کی خود اپنی حق تلفی بھی۔ "علو" کا مفہوم ہے، اقتدار، بڑائی، سرکشی، بالفاظِ دیگر فرعون اور قومِ فرعون نے خدا کے آگے عاجزی سے جھکنے کے بجائے انانیت، بڑائی اور اقتدار کے نشہ سے بدمست ہو کر خدا کی نافرمانی و بغاوت کی راہ اختیار کی۔

اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون کا تیسرا جُرم یہ بتایا کہ وہ "مُفسد" تھے "مُفسد" قرآنِ مجید کی مخصوص اصطلاح ہے جس کی تشریح گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے، "مُفسد" اُس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کے قانون کی پیروی کے لیے تیار نہ ہو، جو دین کی دعوت کی راہ میں مزاحم ہو اور خدا کے قانون کے بجائے، جو نوعِ انسانی کی اصلاح کا واحد ضامن

نظام ہے، اندھی خواہشات، آبائی رسم و رواج اور خود ساختہ قوانین کا پیرو اور علم بردار ہو اور اس طرح زمین میں "فساد" پھیلانے کا مرتکب ہو۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قوم فرعون کے امراض تھے طغیان، خدا کی نافرمانی، استکبار اور فساد فی الارض اور ان سب امراض کا علاج تھا خدا کی بندگی، اس کی اطاعت، اس کے حضور عجز و نیاز، اس کے قانون کی پیروی و علم برداری!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت | حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی دعوت کا تذکرہ سورۂ آل عمران میں اس طرح ہے :-

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝	اور اللہ اسے کتاب و حکمت، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا) میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل کی چیز بناؤں گا پھر اس میں پھونک ماروں گا تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن جائے گا اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مُردے کو زندہ کروں گا اور میں تمھیں بتاؤں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ رکھتے ہو، اس میں تمھارے لیے نشانی ہے اگر تم یقین کرنے کو تیار ہو اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے موجود ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ بعض ان چیزوں کو جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں حلال کردوں، دیکھو، میں تمھارے رب کی طرف

سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ بلاشبہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا رب بھی، لہذا اسی کی بندگی اختیار کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

(آلِ عمران، ۴۸ تا ۵۱)

اِن آیات کو بغور پڑھیے، ان میں ایک حصہ تو وہ ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تربیت فرما کر انھیں بنی اسرائیل کی طرف رسول بھیجا۔ دوسرے حصہ میں ان کے اُن معجزات کا ذکر ہے جو انھیں بخشے گئے۔ تیسرے حصہ میں اُن کی دعوت ہے، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (اللہ کا تقویٰ اور میری اطاعت اختیار کرو) پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے یہ بھی فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝	بلاشبہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب، لہذا اسی کی بندگی اختیار کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہ وہی "عبادتِ رب" کی دعوت ہے جو تمام انبیاء نے دی ہے، یہ بات گزشتہ اوراق میں تفصیل سے آچکی ہے کہ "عبادت" کا مفہوم صرف پرستش نہیں ہے، وہ پرستش اور اطاعت دونوں حاوی ہے اور یہاں حضرت مسیحؑ نے فَاعْبُدُوْهُ (اس کی بندگی کرو) کہنے سے قبل اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ کہہ کر یہ واضح فرما دیا ہے کہ "عبادت" کے معنیٰ صرف پرستش کے نہیں ہیں بلکہ وہ پرستش و اطاعت دونوں کو حاوی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت | اب آئیے دیکھیں، آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا بنیادی نقطہ کیا تھا۔ صرف خدا کی پرستش، یا پوری زندگی میں خدا کی بندگی و اطاعت؟

قرآنِ مجید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا تفصیلی اور جامع ریکارڈ ہے، مزید تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں، اس سب کو اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ ہم یہاں "اطاعت خدا اور رسول" کے عنوان کے تحت کچھ آیات کو پیش

کریں گے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی وحی سورۂ علق کی درج ذیل آیات ہیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ (علق: ۱ تا ۵)	پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو ایک لوتھڑے سے، پڑھ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

ان آیات میں اللہ کے خالق، رب، اور کریم ہونے کا ذکر ہے، ساتھ ہی اس حقیقت کا اظہار ہے کہ انسان جاہل تھا، خدا نے اس کو علم بخشا اور قلم کو علم کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا۔ اس پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خدا کی نازل کردہ وحی کو پڑھیں۔ اِن آیات میں پرستش وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

سورۂ علق کی بعد کی آیات کچھ عرصہ بعد، جب دعوتِ اسلامی کی مخالفت شروع ہو چکی تھی، نازل ہوئیں، وہ آیات یہ ہیں:-

كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ؕ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ؕ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ؕ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ؕ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ؕ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ؕ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ۙ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ ۙ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ السجدۃ	ہرگز نہیں، انسان حدِ بندگی سے گزرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ خود کو مستغنی دیکھتا ہے، یقیناً تیرے رب ہی کی طرف (تجھے) پلٹنا ہے، کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جو ایک بندے کو، جب وہ نماز پڑھتا ہے، (نماز پڑھنے سے) روکتا ہے۔ کیا تم نے غور کیا، اگر وہ ہدایت پر ہو یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو، کیا تم نے غور کیا، اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا، کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے۔ اس پیشانی کو جو جھوٹی اور خطا کار ہے تو وہ

بلالے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم عذاب کے
فرشتوں کو بلا لیں گے، ہرگز نہیں! اس کی
اطاعت نہ کرو، سجدہ کرو، اور اپنے رب کا
قرب حاصل کرو۔

(سورۂ علق ۶ تا ۱۹)

اِن آیات میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ انسان مال و دولت پاکر آپے سے باہر ہوگیا
ہے اور اس نے سرکشی اختیار کرکے خدا کی بندگی کی حدود سے تجاوز کیا ہے جبکہ اُسے خدا کا بندہ
بن کر رہنا چاہیے تھا۔ وہ بھول گیا ہے کہ یہ دولت و اقتدار چند روزہ ہے، اُسے بالآخر اپنے رب کے
حضور پلٹ کر جانا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ وہ سرکشی میں اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ
خدا کے ایک سچے بندے کو نماز پڑھنے نہیں دیتا اور اس کی دعوتِ حق کو جھٹلاتا اور اس سے
منہ موڑتا ہے جبکہ یہ داعی خدا کی ہدایت کا حامل ہے اور لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے بچنے
اور تقویٰ کی زندگی گزارنے کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ شخص اگر اپنی سرکشی اور تکذیب کی روش
سے باز نہ آیا تو خدا کے فرشتے اس کی گردن دبوچ لیں گے اور پیشانی کے بال پکڑ کر اسے
گھسیٹیں گے، اس لیے نبی کو اس کی مخالفت سے متاثر نہ ہونا چاہیے اور نہ اُس کا کہنا ماننا چاہیے۔

کیا اِن آیات میں صرف خدا کی پرستش کا ذکر ہے؟ یا سرکشی و نافرمانی سے باز
آنے، خدا کی بندگی کی راہ اختیار کرنے، ہدایتِ الٰہی کو اپنانے، نبی اور اس کے لائے ہوئے
دین پر ایمان لانے، تقویٰ کی روش اختیار کرنے اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہوکر
اُس کا قرب حاصل کرنے کی تلقین ہے۔ اس کے ساتھ اس بات کی یاددہانی بھی ہے کہ جو
خدا انسانوں کا خالق ہے، وہی ان کا رب ہے اور وہ انسان کی پوری زندگی اور اس کی تمام
حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے فرشتے، جب اس کا حکم ہوگا دنیا ہی میں باغیوں
اور نافرمانوں کی گردن دبوچ لیں گے اور بال پکڑ کر انہیں گھسیٹیں گے کیونکہ یہ لوگ
جھوٹے اور خدا کے نافرمان ہیں، پھر ان سب کو خدا کے پاس واپس جانا ہے جو اُن سے ان کی
پوری زندگی کا حساب لے گا۔ کتنی مؤثر اور کس قدر جامع دعوت ہے جو اِن آیات میں پیش
کی گئی ہے، بلاشبہ یہ صرف خدا کی پرستش کی دعوت نہیں ہے۔

اب سورۂ فاتحہ کو لیجیے، جو اُمّ القرآن ہے، یہ پہلی سورت ہے، جو روایات کے مطابق مکمل طور پر نازل ہوئی اور خلاصۂ قرآن ہونے کے باعث نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (فاتحہ)	شکر و ثنا اللہ، رب العالمین، رحمٰن، رحیم، روزِ جزا کے مالک کے لیے! ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں! ہمیں سیدھی راہ دکھا! ان کی راہ، جن پر تو نے انعام کیا، نہ اُن کی راہ جو تیرے غضب کا شکار ہوئے اور نہ ان کی راہ جو گمراہ ہیں۔

علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مختصر سورت جامع ترین سورت ہے، یہ اجمالی ہے، بقیہ قرآن اِس کی تفصیل ہے، یہ متن ہے، باقی قرآن اس کی شرح ہے۔ آیئے، دیکھیں اس سورت میں کیا بنیادی باتیں کہی گئی ہیں۔

شکر و ثنا سے اس سورت کی ابتدا ہوتی ہے، خدائے تعالیٰ کی صفاتِ کمال و جمال کے اعتراف اور اس کے بے پایاں احسانات کے شکر ہی پر پورے دین کی بنیاد ہے اور یہی حمد ہے۔ خدائے تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اگر دل و دماغ پر چھا جائیں اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں — اور سب کچھ اس کا بخشا ہوا ہے — کا صحیح احساس ہونے کے نتیجہ میں اگر دل خدا کے حضور جذبۂ شکر سے لبریز ہو جائے تو انسان خدا کا شکر گزار بندہ بنے گا اور زندگی میں اس کے احکام کی اطاعت کرے گا اور اپنا سب کچھ اس کی رضا کے لیے لگا دے گا۔

اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی چار اہم صفات الوہیت، ربوبیت، رحمت اور مالکِ روزِ جزا ہونے کا ذکر ہے۔ یہ صفات اگر ذہن نشین ہو جائیں تو انسان خدا ہی کے آگے جھکے، اسی کو اپنا محسن اور مالک و حاکم مانے، اسی کی بندگی و اطاعت کرے، اسی سے محبت کرے اور آخرت کی جزا و سزا کو ذہن میں رکھ کر ذمہ دارانہ اور متقیانہ زندگی گزارے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں خدا سے اس بات کا عہد ہے کہ بندہ اسی کی عبادت کرے گا۔ گزشتہ اوراق میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ یہاں "عبادت" سے مراد صرف پرستش

نہیں، پرستش و اطاعت دونوں ہیں اور "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" میں پرستش و اطاعت دونوں میں خدا کی مدد چاہی گئی ہے۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں جس "صراطِ مستقیم" کی طرف رہنمائی کی خدا سے دعا مانگی گئی ہے اس سے مراد بلا اختلاف دینِ حق — اسلام — ہے، قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اسلام کو "صراطِ مستقیم" سے تعبیر کیا گیا ہے، مثلاً سورۂ انعام کے آخر میں ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

کہو، بے شک مجھے میرے رب نے "صراطِ مستقیم" کی طرف رہنمائی کی ہے یعنی "دینِ قیم" کی طرف، جو ابراہیم حنیف کا دین ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، کہو، بیشک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر "اسلام" لانے والا ہوں۔

(انعام، ۱۶۱ تا ۱۶۳)

ان آیات میں پورے دینِ اسلام کو، جس کا انسان کی پوری زندگی سے تعلق ہے، "صراطِ مستقیم" کہا گیا ہے، اِس صراطِ مستقیم کی معرفت، اس کو قبول کرنے کی توفیق، پوری زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی پیہم جدوجہد اور زندگی کی آخری سانس تک اس پر استقامت، یہ ہے وہ "ہدایت" جس کی دعا "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" میں کی گئی ہے۔

"صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" میں اس "صراطِ مستقیم" کی مزید تشریح ہے، انبیاء و رسل پر خدا نے خصوصی فضل و کرم کر کے انہیں اپنی ہدایت — دینِ حق — سے نوازا اور ان کے سچے پیروؤں کو توفیق دی کہ وہ اس دین کو خلوص و یکسوئی سے اپنائیں، اس کی طرف انسانوں کو دعوت دیں اور دنیا میں اُسے نافذ و غالب کرنے کی جدوجہد

کریں۔ یہی لوگ "اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ" ہیں اور خدا اور رسول کی مخلصانہ اطاعت کرکے ہی ہم ان لوگوں کی راہ پر چل سکتے ہیں۔ سورۂ نساء میں ہے:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا○	اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالح اور بہت اچھے رفیق ہیں یہ لوگ!

اس آیت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کے مصداق کون لوگ ہیں، وہیں یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ان کی محبت اور ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق اُن لوگوں کو ہوگی جو اللہ و رسول کی اطاعت کریں۔

سورۂ فاتحہ کے آخر میں یہ دعا بھی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ اور ضَآلِّیْن کی راہ پر چلنے سے بچائے، قرآنِ مجید اور احادیثِ نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ مغضوب علیہم کا مصداق یہود ہیں جنہوں نے جان بوجھ کر شریعتِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی اور اس کے نتیجہ میں خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے اور "ضالین" کا مصداق نصاریٰ ہیں جنہوں نے اپنی غفلت و جہالت سے راہِ حق گم کر دی اور گمراہیوں میں بھٹکنے لگے۔ اِس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو ہم معرفتِ حق سے محروم ہوں کہ گمراہیوں میں بھٹکتے پھریں اور نہ ایسا ہو کہ شیطان کے بہکانے سے ہم دانستہ خدا و رسول کی نافرمانی کریں اور خدا کے غضب کے حق دار ہو جائیں۔

یہ ہے سورۂ فاتحہ کے مطالب کا مجمل تعارف! یہ سورت بھی خدا کی صرف پرستش پر زور نہیں دیتی بلکہ خدا کی بندگی و طاعت اور اُس "صراطِ مستقیم" پر چلنے کی تلقین کرتی ہے جو دینِ حق کی صورت میں انسان پر نازل کی گئی ہے اور اس راہ کو کھو دینے یا دینِ حق کی خلاف ورزی کرنے سے بچنے کی ہدایت کرتی ہے۔

اب کچھ مکّی سورتوں کو لیں، اُن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانوں کو کیا دعوت دی گئی ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے:۔

المّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(اعراف، ۱ تا ۳)

الف، لام، میم، ص، یہ ایک کتاب ہے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے — تو تمہارے دل میں اس کے سلسلے میں کوئی تنگی نہ ہو۔ تاکہ تم اس کے ذریعہ (لوگوں کو ان کے انجام بد سے) ڈراؤ اور یاد دہانی ہے اہل ایمان کے لیے۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف جو کچھ اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا "اولیاء" کی پیروی نہ کرو، تم کم ہی سمجھتے ہو!

ان آیات میں دعوتِ محمدی اِن الفاظ میں پیش کی گئی ہے "تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا "اولیاء" کی پیروی نہ کرو"۔ اس میں سارا زور دینِ الٰہی کی پیروی اور اللہ کی اطاعت اور غیر اللہ کی عدم اطاعت پر ہے۔

اِن آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کو چھوڑ کر جو لوگ غیر الٰہی احکام و قوانین کی پیروی کرتے ہیں وہ اُن احکام و قوانین کے دینے والوں کو "اولیاء" (خدا) بناتے ہیں۔

سورۂ انعام میں، جو ردِّ شرک اور اثباتِ توحید کی مکی سورت ہے، توحید، ملتِ ابراہیمی اور دعوتِ محمدی کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا

(اے نبی!) کہو! آؤ، میں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی، اور بے حیائیوں کے

وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ
حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ
بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ
حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ
وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَھَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی وَبِعَھْدِ اللّٰہِ اَوْفُوْا
ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝
وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ
عَنْ سَبِیْلِہٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ
لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی
الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْ اَحْسَنَ
وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً
لَّعَلَّھُمْ بِلِقَآءِ رَبِّھِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَھٰذَا
کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَ
اتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

قریب نہ جاؤ، جو اُن میں سے ظاہر ہیں اور
جو پوشیدہ ہیں اور جس متنفس کو اللہؐ نے
حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔
یہ ہے وہ چیز جس کی تاکید خدا نے تم کو کی ہے،
امید ہے کہ تم سمجھ سے کام لوگے اور یتیم کے
مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے
جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ پختہ عمر کو
پہنچ جائے اور ماپنے اور تولنے کو پورا کرو انصاف
کے ساتھ۔ ہم کسی شخص کو ذمّہ دار نہیں بناتے
مگر اس کی وسعت بھر۔ اور جب کہو تو
انصاف کرو، اگرچہ وہ رشتہ دار ہو اور
اللہؐ کے عہد کو پورا کرو، یہ ہے وہ جس کی اس نے
تاکید کی ہے امید ہے کہ تم نصیحت حاصل
کروگے۔ اور یہ میری سیدھی راہ ہے تو
اس کی پیروی کرو اور دوسری راہوں کی
پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے
ہٹا دیں، یہ ہے وہ جس کی تاکید اس نے
تمہیں کی ہے امید ہے کہ تم تقویٰ اختیار کروگے۔
پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی جو بھلائی کی
روش اختیار کرنے والے انسان پر نعمت
کی تکمیل اور (دین کی) ہر شے کی تفصیل
اور ہدایت اور رحمت تھی امید ہے کہ وہ
لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں گے

اور یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے (قرآن)
بابرکت ہے تو اس کی پیروی کرو اور تقویٰ
اختیار کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔
(سورۂ انعام ۱۵۱ تا ۱۵۵)

ان آیات میں توحید کی تلقین حقوق اللہ کی ادائیگی اور اخلاقی اقدار کی پابندی کی ہدایت کے ساتھ اللہ سے کیے ہوئے عہد بندگی و اطاعت کے ایفاء پر بھی زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسی طرح کے تفصیلی احکام تورات میں بھی تھے اور اس سے قبل ملتِ ابراہیمی اور دوسرے انبیاء کی شریعتوں میں بھی اور یہی وہ صراطِ مستقیم ۔ دین حق ہے جس کی کامل یکسوئی کے ساتھ پیروی سے ہدایت مل سکتی ہے اور انسان دنیا و آخرت میں خدا کی رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کتابِ الٰہی اور دین حق کا مکمل اتباع اور غیر الٰہی ادیان، قوانین اور راہوں سے کامل اجتناب، یہی وہ بنیادی دعوت ہے جو تمام انبیاء نے دی ہے۔

یہ غلط فہمی معلوم نہیں کیسے پیدا ہو گئی کہ مکی سورتوں میں صرف توحید کا ذکر ہے۔ دین کے تفصیلی احکام بیان نہیں ہوئے ہیں یا ان کی طرف عام انسانوں کو دعوت نہیں دی گئی ہے۔ سورۂ انعام کی طرح دوسری بہت سی مکی سورتوں میں بھی توحید کے ساتھ ہی حقوق العباد کی ادائیگی، اخلاقی اقدار کی پابندی اور خدا سے کیے ہوئے عہد طاعت کے ایفاء کی تلقین ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ رعد آیت ۱۹ تا ۲۵۔ سورۂ نحل آیت ۸۹ تا ۹۱۔ سورۂ مومنون آیت ۱ تا ۱۱، سورۂ فرقان آیت ۶۳ تا ۸۷، سورۂ لقمان آیت ۱۲ تا ۱۹۔ سورۂ معارج آیت ۲۰ تا ۳۵۔ اور سورۂ بنی اسرائیل میں تو بہت تفصیل سے حقوق العباد اور اخلاقی احکام بیان ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو آیات ۲۳ تا ۳۹، یہی نہیں ایسی مکی سورتیں بھی ہیں جن میں اصل زور بندوں خصوصاً غریبوں کے حقوق کی ادائیگی اور اخلاقی اقدار پر ہے مثلاً سورۂ دہر، سورہ مطففین، سورۂ بلد، سورۂ ضحیٰ، سورۂ ماعون وغیرہ، اس سلسلے میں سورۂ عصر مختصر مگر انتہائی جامع سورت ہے جس میں خسران سے بچنے اور فلاح و کامرانی سے ہم کنار ہونے کے لیے ایمان، عملِ صالح (اطاعت خدا اور رسول)،

تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی چار بنیادی صفات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ تواصی سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ اہلِ ایمان میں اجتماعیت و اخوت اور تعاون ہے۔

جہاں تک مدنی سورتوں کا تعلق ہے، وہ اطاعتِ خدا اور رسول اور اتباعِ دینِ الٰہی کی تلقین وتاکید سے بھری ہوئی ہیں، ہم صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ کے آخر میں ہے:-

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

(بقرہ - ۲۸۵)

ایمان لائے رسول اس دین پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا اور ایمان لائے اہلِ ایمان۔ ہر ایک ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم رسولوں کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا، ہم نے سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب ہمیں معاف فرمادے، تیرے ہی طرف لوٹنا ہے۔

یعنی ایمان کے بعد جو چیز فوری طور پر مطلوب ہے، وہ سمع وطاعت ہے۔

سورۂ آل عمران میں ہے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(آل عمران، ۳۱، ۳۲)

(اے نبی!) کہو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اللہ مغفرت کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے، کہو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، تو اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (کہو) اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کی کسوٹی یہ ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے اور یہی راستہ اللہ کے محبوب بننے کا ہے، یہی نہیں، یہی انبیاء علیہم السلام کی بنیادی دعوت ہے، بلکہ جو اسے قبول نہیں کرتا، وہ خدا کی نظر میں مومن نہیں، کافر ہے۔

سورۂ نساء کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝

اے انسانو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم سب کو ایک متنفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کی تم ایک دوسرے کو دہائی دیتے ہو اور رشتوں کا پاس ولحاظ کرو، بیشک اللہ تم پر نگراں ہے۔

سورتوں کے آغاز میں بالعموم پوری سورت کا مجمل مضمون ہوتا ہے، پھر اسی کی تفصیل سورت میں بیان ہوتی ہے اور سورت ختم ہوتے ہوتے پھر اس کو سمیٹ کر بیان کر دیا جاتا ہے۔ سورۂ نساء کی اس ابتدائی آیت میں اللہ کے تقویٰ پر زور دیا گیا ہے اور تمام انسانوں کو اس کی دعوت دی گئی ہے کیونکہ وہ سب کا خالق اور رب ہے اور اس کے بعد نوعِ انسانی کو ایک خاندان بتا کر خاندان اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائگی پر زور دیا گیا ہے پھر پوری سورت میں اس کی تفصیل ہے، چنانچہ کچھ آیات کے بعد وراثت کے احکام بیان فرمائے، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَ

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، اور یہی عظیم الشان

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

(نساء ۴: ۱۳، ۱۴)

کامرانی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اُسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

یعنی عظیم الشان کامرانی — جنت — کے حصول کی راہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں جو احکام دیے ہیں اور جو حدود متعین کی ہیں ان میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ بصورتِ دیگر خدا اور رسول کی نافرمانی اور اس کی حدود سے تجاوز کا نتیجہ دوزخ کا رسوا کن اور ابدی عذاب ہے۔ کتنی زیادہ ہے اطاعتِ خدا اور رسول کی اہمیت!

آگے چل کر اسی سورت میں بہت تفصیل سے اطاعتِ خدا اور رسول اور غیر الٰہی قوانین کے اتباع سے اجتناب کی اہمیت اور منافقین کے اس مرض کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ خدا و رسول کی اطاعت نہیں کرتے، ملاحظہ ہو، آیات ۵۹ تا ۷۰، و آیت ۱۱۵، ۱۱۶۔ اس سلسلۂ بیان کی صرف دو آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

(نساء، آیت ۶۴-۶۵)

اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی رسول کو مگر اس لیے کہ اللہ کے اِذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ جب انہوں نے (نافرمانی کرکے) اپنے اوپر ظلم کیا تھا، (اے نبی!) تمہارے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ کرنے والا، مہربان پاتے۔ تو نہیں، تمہارے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہوں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ اپنے نزاعات میں وہ (اے نبی!) تمہیں اپنا حکم بنائیں، پھر تم جو

فیصلہ کردو اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سر تسلیم خم کر دیں۔

پہلی آیت سے واضح ہوا کہ تمام رسولوں کے آنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان کی اطاعت کی جائے اور خدا کا جو دین وہ لائے ہیں اس کا اتباع کیا جائے، دوسری آیت نے یہ واضح کیا کہ کوئی شخص اسی وقت مومن ہوسکتا ہے جب وہ اپنے نزاعات و معاملات میں رسول کو اپنا حکم بنائے پھر رسول کے فیصلہ کو دل کی پوری خوشی و آمادگی کے ساتھ مان لے اور اپنے آپ کو عملاً رسول کے حوالے کر دے اس کے بغیر وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

سورۂ توبہ میں منافقین اور ان کی صفات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سچے اہل ایمان کی صفات بیان فرماتا ہے:۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(توبہ - ۷۱)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ اپنی رحمت ضرور نازل فرمائے گا۔ بیشک اللہ سب پر غالب حکیم و دانا ہے۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کی بنیادی صفات امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور اطاعتِ خدا و رسول بیان کی گئی ہیں۔

سورۂ نور میں ہے:۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے اطاعت کی، پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد (اطاعت سے) منہ موڑ لیتا ہے، یہ لوگ مومن نہیں ہیں جب

وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝
وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ
مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ
يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اِنَّمَا
كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا
اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ۝

(سورۂ نور، ۴۸ تا ۵۲)

انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو ان میں کا ایک گروہ اعراض کرتا ہے اور اگر حق ان کی موافقت میں ہو تو وہ رسول کے پاس بڑے اطاعت کیش بن کر آتے ہیں، کیا ان کے دلوں کو (منافقت کا) روگ لگا ہوا ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا، اصل بات یہ ہے کہ ظالم تو یہ لوگ خود ہی ہیں، ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور جو لوگ اللہ اور رسول کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں وہی (دنیا و آخرت میں) کامیاب و کامراں ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اطاعتِ خدا و رسول ایمان کی بنیادی کسوٹی ہے، جو اطاعتِ خدا اور رسول کے لیے تیار ہے اور اس پر قائم و دائم ہے، وہ خدا اور رسول کی نگاہ میں مومن ہے اور جو اطاعتِ خدا و رسول کے لیے تیار نہیں ہے یا اس کا دعویٰ کرنے کے بعد اپنے دنیوی مفادات کے تحت اس سے اعراض کرنے والا ہے وہ خدا اور رسول کی نگاہ میں مومن نہیں منافق ہے۔

اِن آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی اطاعتِ خدا اور رسول، خشیتِ الٰہی اور تقوٰی سے وابستہ ہے۔

اِن آیات کے بعد مزید دو آیات میں اطاعتِ خدا اور رسول کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

(نور۔ ۵۵-۵۶)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، جو لوگ اس کے بعد کفر کریں گے تو وہی فاسق (نافرمان) ہیں۔ اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے استخلاف فی الارض اور غلبۂ دین کا وعدہ ان لوگوں سے کیا ہے جو ایمان اور عملِ صالح سے متصف ہوں اور عملِ صالح اِس کے سوا کچھ نہیں کہ پوری زندگی خدا کی رضا کے لیے اس کے دین کے مطابق اسوۂ رسول کی پیروی کرتے ہوئے گزاری جائے، چنانچہ آخری آیت میں اس کی تشریح اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ اور اطاعتِ خدا و رسول سے کی گئی ہے۔

مدنی سورتوں میں سے شاید ہی کوئی سورت ہو جس میں اطاعتِ خدا و رسول کی بنیادی اہمیت واضح نہ کی گئی ہو، ہم اب بس ایک اقتباس پر بس کرتے ہیں سورۂ طلاق کے آخر میں ہے:۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝

(طلاق ۔ ۸ تا ۱۱)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی اختیار کی تو ہم نے ان کا سخت حساب لیا اور انھیں بدترین عذاب دیا، انہوں نے اپنے معاملے (سرکشی) کے وبال کا مزا چکھا اور ان کے معاملے کا انجام خسران ہوا، اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے تو اے دانشمندو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ نے تمہاری طرف ایک یاددہانی کرنے والا یعنی رسول نازل فرمایا ہے جو تمہیں اللہ کی واضح آیات سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اسے وہ ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ان کے لیے بہترین سامانِ زیست فراہم کیا ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ گزشتہ قوموں پر جو عذاب آیا اور آخرت میں وہ جو عذابِ شدید کی مستحق ہوں گی اس کی بنیادی وجہ خدا اور رسول کے احکام سے سرتابی و سرکشی ہے اور اس عذاب سے بچنے اور گمراہیوں کے اندھیروں سے ہدایت کے خدائی نور میں آنے اور ابدی کامرانی سے ہم کنار ہونے کی واحد راہ، تقویٰ، اطاعتِ خدا و رسول اور ایمان و عملِ صالح ہے۔

اسلام اور مسلم کا مفہوم

امت کا اس بات کا اتفاق ہے کہ جس دین کو مسلمان اختیار کیے ہوئے ہیں اور جو اللہ کے نزدیک واحد مقبول دین ہے، اس کا نام "اسلام" ہے :۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

بیشک (مقبول اور صحیح) دین اللہ کے نزدیک "اسلام" ہے۔

تمام انبیاء کا یہی دین رہا ہے لیکن خصوصیت سے "اسلام" اور "مسلم" کا استعمال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے ہوا ہے، سورۂ بقرہ میں ہے :۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥

(بقرہ - ۱۲۷-۱۲۸-)

اور یہ بات یاد کرو کہ ابراہیمؑ (اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور اسماعیلؑ بھی۔ (دونوں دعا کر رہے تھے) اے ہمارے رب! ہمارے اس کام کو قبول فرما، بیشک تو سننے والا، جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے "مسلم" بنا، ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما، بیشک تو توبہ قبول فرمانے والا، مہربان ہے۔

چند آیات کے بعد پھر ہے :۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

اور یہ بات یاد کرو کہ اس سے اس کے رب نے کہا تھا، "اسلام لا" اس نے کہا، "میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے "اسلام" کا اور اُس کے پیرو کے لیے "مسلم" کا لفظ اختیار کیا ہے، سوال یہ ہے کہ "اسلام" کا لغوی و قرآنی مفہوم کیا ہے۔؟ "مسلم" کسے کہتے ہیں اور اِن الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے بطورِ اصطلاح کیوں اختیار کیا ہے۔

"المفردات فی غریب القرآن" میں، جو قرآنِ مجید کی ایک بیش قیمت لغت ہے امام راغبؒ "اسلام" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

والاسلام الدخول فی السلم وهو ان یسلم کل واحد منهما ان ینالہ من الم صاحبه ومصدر اسلمت الشیئ الیٰ فلان اذا اخرجته الیه ومنه السلم فی البیع والاسلام فی الشرع علیٰ ضربین احدهما دون الایمان وهو الاعتراف باللسان وبه یحقن الدم حصل معه الاعتقاد اولم یحصل والیاه قصد بقوله (قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا) والثانی فوق الایمان وهو ان یکون مع الاعتراف اعتقاد بالقلب ووفاء بالفعل واسلام للّٰه فی جمیع ما قضیٰ وقدّر کما ذکر عن ابراهیم علیه السلام فی قوله (اِذْ قَالَ لَهٗ

اسلام کے معنیٰ ہیں "سِلم" میں داخل ہونا اور وہ یہ ہے کہ دو ساتھیوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی اذیت و رنج سے محفوظ رہے اور یہ مصدر ہے اَسْلَمْتُ الشیئ الیٰ فلان (میں نے چیز کو فلاں کے حوالے کر دیا) کا جبکہ تم اُس چیز کو نکال کر اُسے دے دو اور اسی سے بیع میں "سلم" ہے اور شریعت میں اسلام دو طرح پر ہے، ایک قسم ایمان سے کم تر ہے اور وہ زبان سے اقرار ہے اور اسی سے (آدمی کا) خون محفوظ ہوتا ہے خواہ اس کے ساتھ اعتقاد ہو یا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا (بدو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، کہو، تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے) میں "اسلام" سے یہی مراد ہے۔ اور دوسری قسم ایمان سے برتر ہے اور وہ یہ کہ اقرار کے ساتھ قلبی اعتقاد

رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ) وقوله تعالیٰ (اِنَّ
الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ)
وقوله (تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا) ای اجعلنی
ممن اسلم لرضاك ويجوز ان
يكون معناه اجعلنی سالمًا عن
اسر الشيطان حيث قال (لَاُغْوِيَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ)
وقوله (اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ
بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ) ای منقادون
للحق مذعنون له وقوله (يَحْكُمُ
بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا)
ای الذین انقادوا من الانبیاء
الذین لیسوا من اولی العزم
لاولی العزم الذین یهتدون
بامر الله ویأتون بالشرائع
(مفردات ص ٢٤٠، ٢٤١)

اور عمل سے اس کا ایفا اور اللہ کے تمام
احکام اور مقدرات کے لیے خود کو حوالے کر دینا
ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِذْ قَالَ لَهٗ
رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
(جب اس سے اس کے رب نے کہا، "اسلام
لاؤ"، اس نے کہا، میں نے خود کو رب العالمین
کے حوالے کر دیا) میں ابراہیم علیہ السلام کے
سلسلہ میں مذکور ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد
ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ
(اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے) اور
اللہ کا ارشاد ہے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (مجھے
اسلام ہی کی حالت میں موت دے) یعنی مجھے
اُن لوگوں میں بنا جو خود کو تیری رضا کے
حوالے کر دیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے
معنیٰ ہوں "مجھے شیطان کے پھندے سے
محفوظ رکھ" جیسے کہ اس نے کہا لَاُغْوِيَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ
(شیطان نے کہا "میں ان کو ضرور بہکاؤں گا
سوا اُن کے، جو اُن میں سے تیرے خالص
کیے ہوئے بندے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ
بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (تم نہیں
سُناتے مگر اُن کو جو ہماری آیات پر

ایمان لاتے ہیں تو وہ "مسلم" ہیں) یعنی حق کا
اتباع کرنے والے اور اس کے آگے جھکنے والے
ہیں اور اللہ کا ارشاد ہے یَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ
الَّذِينَ أَسْلَمُوا (اس سے فیصلہ کرتے
ہیں وہ نبی جو مسلم ہیں) یعنی وہ انبیاء جو اولی العزم
نہیں ہیں اُن انبیاء کے مطیع ہوئے جو اولی العزم
ہیں، جو اللہ کے حکم کے ذریعہ ہدایت پاتے
اور شریعتیں لاتے ہیں۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اسلام کے تین مفہوم ہیں:۔

۱۔ سلامتی میں داخل ہونا، محفوظ ہونا، شیطان کے پھندے سے محفوظ ہونا۔
۲۔ زبان سے اسلام کا اقرار کرنا۔
۳۔ خود کو خدا کی رضا، اس کے احکام اور اس کی قضا و قدر کے حوالے کر دینا۔

بہ الفاظِ دیگر "اسلام" کا مفہوم ہے اطاعت، انقیاد اور خود سپردگی، اور اللہ کے دین کا نام "اسلام" اس لیے ہے کہ اس کا جوہر خدا اور رسول کی مکمل اطاعت، احکامِ الٰہی کا کامل اتباع اور خدا کے لیے خود سپردگی و حوالگی ہے۔

عصرِ حاضر کے عظیم ترین محقق و مفسر مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنی مختصر مگر انتہائی بیش قیمت تصنیف "مفردات القرآن" میں "اَلْاِسْلَام" پر طویل مگر بہت قیمتی بحث کی ہے، ہم اُسے ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

الاسلام معناه ظاهر بيّن و هو الطاعة والخضوع ولكن القرآن رفع هذه الكلمة فخصّها لطاعة الله مثل كلمة الدين فانه الطاعة في	اسلام کے معنیٰ ظاہر و واضح ہیں اور وہ ہیں "اطاعت و خضوع" لیکن قرآن نے اس لفظ کو اوپر اٹھا کر اللہ کی اطاعت کے لیے خاص کر دیا جیسے دین کا لفظ کہ اصل لغت میں اُس کا مفہوم "اطاعت" ہے پھر عرب بولنے

اصل اللغة وقد استعمله
العرب لطاعة الله ثم لهذا المعنى
البيّن وجوه ونتائج وتاريخ
والقرآن دلّ على كل ذلك فنذكر
مايتعلق بهذه الكلمة من وجوهها،
الاسلام هو العبودية وهو تسليم
النفس لرضى الله تعالىٰ بالكلية
وبه يتقرّب العبد الى مولاه
ويرفع منزلته حسب كماله
فى الاسلام قال تعالىٰ (وَمَنْ
يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا
مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ
فِى الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ o اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ
اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
وَوَصّٰى بِهَآ (اى بملة الاسلام)
اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ اى وصّى
بها يعقوب بنيه قائلين لابناءهما
يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
لَكُمُ الدِّيْنَ (اى القيام بالدين
وخدمته وتعليمه للناس فَلَا
تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ)
فذكرهما طرفًا من تاريخ

اسے اللہ کی اطاعت کے لیے استعمال کیا ہے
پھر اس واضح معنیٰ کے وجوہ ہیں، نتائج ہیں اور
تاریخ ہے، اور قرآن نے ان میں سے ہر ایک
کو بتایا ہے تو ہم اس کلمہ سے متعلق وجوہ کا
تذکرہ کریں گے، اسلام "عبودیت" کا
نام ہے اور وہ کلیۃً اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ
کی رضا کے حوالے کر دینا ہے اور اسی سے
بندہ اپنے آقا کا تقرب حاصل کرتا ہے اور
اسلام میں اُس کے کمال کے مطابق اس کا
مرتبہ بلند ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ .....
مُّسْلِمُوْنَ o (بقرہ ۱۳۰ تا ۱۳۲)
(اور کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقہ سے روگردانی
کر سکتا ہے سوا اس کے، جو اپنے آپ سے نادانی
کرے اور ہم نے اُسے (ابراہیمؑ کو) دنیا
میں (نبوت کے لیے) چنا اور آخرت میں
وہ صالحین میں سے ہوگا جبکہ اس سے اس کے
رب نے کہا "اسلام لاؤ" کہا میں نے
خود کو رب العالمین کے حوالے کیا، اور اس
(ملّتِ اسلام کی) وصیت کی ابراہیمؑ نے
اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے، (یعنی انھوں نے
بیٹوں کو وصیت کی، دونوں نے اپنے بیٹوں سے کہا اے
میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے دین چنا ہے (یعنی تمہیں

الاسلام وهو عهده بالله على القيام به ووصية لذريته اى جعلهم الله مخصوصة لخدمة الدين وهذا هو معنى الاسلام لله ويقرب منه معنى القربان والنذر كما يتبيّن لك من القرآن حيث ذكر طرفاً آخر من تاريخ اسلام ابراهيم ودلّ على كمال معنى الاسلام وسماه احساناً فقال تعالى (فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○) فهٰذا هو كمال الاسلام المسمّٰى بالاحسان ثم ذكر طرفاً آخر من اسلام ابراهيم حين دعا لأُمة مسلمة وارثة لملّة ولان يبعث فيهم نبياً منهم كما قال تعالى (وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا

دین کو قائم کرنے، اس کی خدمت کرنے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کے لیے چاہیے") تو تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم "مسلم" ہو" تو یہاں اسلام کی تاریخ کا ایک حصہ بیان کیا اور وہ ابراہیمؑ کا اللہ سے عہد تھا اس دین پر قائم رہنے اور اپنی ذریت کو اس کی وصیت کرنے کا، یعنی اللہ نے ان کی ذریت کو دین کی خدمت کے لیے مخصوص کیا ہے اور یہی اللہ کے لیے "اسلام" کے معنیٰ ہیں اور اسی کے قریب قربانی اور نذر کا مفہوم ہے جیسا کہ تم پر قرآن سے واضح ہو گا جبکہ اس نے ابراہیمؑ کی تاریخ کے ایک اور حصے کا ذکر کیا اور اسلام کے کامل مفہوم کو واضح کیا اور اس کا نام "احسان" رکھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا أَسْلَمَا ..... الْمُحْسِنِينَ (صٰفٰت ۱۰۳ تا ۱۰۵) (تو نے جب دونوں "اسلام" لائے (حوالگی و قربانی کی راہ اختیار کی) اور ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کو کنپٹی کے بل لٹایا اور ہم نے آواز دی، اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، بیشک ہم "محسنین" کو یوں ہی بدلہ دیتے ہیں) تو یہ کمالِ "اسلام" ہے جس کا نام "احسان" ہے پھر اللہ نے ابراہیمؑ کے اسلام کا ایک اور پہلو بیان فرمایا جبکہ انہوں نے ایک "امت مسلمہ"

وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ٥) ههنا علينا من
جانب تلك الامة وكذلك
قوله اَرِنَا مناسكنا اى أرِ
هذه الامة بوسيلة نبى
منهم كما صرّح بذلك فقال
(رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ٥) ليعلم انّ هذه
الامور ليست وقائع متبددة
بل كلّ ذلك يجتمع حول نقطة
واحدة وهى واقعة القربان
وحفظه الله لشريعة الحج
ومناسكه لنعلم تاريخ
القربان واسلام ابراهيم و
اسماعيل واخبر الله عن
حالة الذين حققوا حجّهم
بقوله عزّ من قائل (وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ
مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ
بِالْعِبَادِ) فاسلام النفس

کے لیے دعا کی جو اُن کے دین کی وارث ہو اور
یہ کہ اللہ اُن میں ایک نبی انہی میں سے بھیجے جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ...
.... التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (بقرہ، ۱۲۷، ۱۲۸)
"اور جب ابراہیمؑ اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھا
رہے تھے اور اسماعیل بھی (دونوں کہہ رہے تھے)
اے ہمارے رب! ہم سے (اس عمل کو) قبول
فرما، بیشک تو سننے والا، جاننے والا ہے،
اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے "مسلم" (فرمانبردار)
بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک امت بنا جو
تیری "مسلم" (فرمانبردار) ہو اور ہمیں ہماری
عبادت کے طریقے دکھا اور ہم پر رحمت کے ساتھ
توجہ فرما، بیشک تو توّاب اور رحیم ہے" یہاں
"عَلَيْنَا" امت کی جانب سے ہے اور اسی طرح اَرِنَا
مَنَاسِكَنَا یعنی اس امت کو اُن کے نبی کے
وسیلہ سے عبادت کے طریقے بتا جیسا کہ اس نے اگلی
آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ.... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ (بقرہ ۱۲۹)
میں اس کی صراحت فرمائی ہے (اے ہمارے رب!
اُن میں ایک رسول انہی میں سے بھیج جو انہیں تیری
آیات پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم
دے اور اُن کا تزکیہ کرے، بیشک تو زبردست
اور حکیم و دانا ہے) یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ
یہ متفرق واقعات نہیں ہیں بلکہ سب ایک ہی نقطے

لمرضاة الله هو معنى الحج و الاسلام ثم علمنا الله تعالیٰ سعة معنى هٰذا الاسلام حيث قال (اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ٥) فدلّ على اربعة امور الاوّل انّ كلّ شيئٍ اسلم لله والثانى ان كلهم يرجعون اليه وهٰذا الامر للاسلام فان رجعوا الى غيره كان الاسلام باطلاً فدل على المعاد والثالث ان الاسلام يتحقق باطاعة رسله لما يظهر من سياق هٰذه الاٰية والرابع ان الاسلام لاخلاف فيه فانّ كلهم اسلموا لله فدينهم واحد فلا مشاجرة فيه كما صرّح فى قوله (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

گرد جمع ہوتے ہیں اور وہ (اسماعیلؑ کی) قربانی کا واقعہ ہے اور اللہ نے اِس (قربانی) کو حج اور اس کے مناسک کو مشروع کرکے محفوظ کر دیا ہے تاکہ ہم قربانی اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے اسلام کی تاریخ جانیں اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی حالت کو، جنہوں نے حقیقی حج کیا، اِس طرح بیان فرمایا (وَمِنَ النَّاسِ .... بِالْعِبَادِ ٥ (بقرہ - ۲۰۷) تو اللہ کی رضا کے لیے خود کو حوالے اور قربان کر دینا یہی حج اور اسلام کے معنیٰ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس اسلام کے مفہوم کی وسعت سے آگاہ فرمایا چنانچہ اس کا ارشاد ہے اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ .... يُرْجَعُوْنَ (آل عمران، ۸۳) (کیا وہ اللہ کے دین کے سوا اور کوئی دین چاہتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب طوعاً و کرہاً اُسی کی اطاعت کر رہے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اِس آیت سے چار باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ہر شئے اللہ کی "مسلم" (مطیع و فرماں بردار) ہے۔ دوسری یہ کہ سب لوٹ کر اُسی کے پاس جائیں گے اور یہ "اسلام" (خود سپردگی و حوالگی) کے لیے ضروری ہے کیونکہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف پلٹتے تو اسلام (خدا کے لیے حوالگی) باطل قرار پاتا۔ اس طرح اس سے معاد پر دلالت ہوئی، تیسری بات یہ کہ اسلام رسولوں کی اطاعت ہی سے متحقق ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت کے سیاق سے واضح ہے اور چوتھی بات یہ کہ اسلام کے

فَإِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ٥
فَإِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ
وَجْهِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ
لِلَّذِیْنَ أُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْأُمِّیِّیْنَ
ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوْا فَقَدِ
اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا
عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ
بِالْعِبَادِ) ثم دل فیه علی طرف
آخر من معنی الاسلام وهو
السلم کما صرح به فی قوله (یَا
أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ
کَافَّةً الخ) ثم الاسلام ینافی
الشرك فالمسلم هو الموحد
لان من اشرك بالله لم یسلم
نفسه لله تعالی قال تعالی (قُلْ
یَا أَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰی
کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِكَ
بِهٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا
بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ٥) ای انتم لستم
بمسلمین فانتم خلاف ملّة ابراهیم

سلسلے میں (انبیاء کے مابین) کوئی اختلاف نہیں کیونکہ
سارے انبیاء اللہ کے "مسلم" (مطیع) ہوئے تو ان کا دین
ایک ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے
اس آیت میں صراحت فرمائی، اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ
..... بِالْعِبَادِ۔ (آل عمران ۱۹-۲۰) (بیشک دین اللہ
کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جنہیں کتاب (الٰہی) دی
گئی تھی انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے
پاس علم آچکا تھا باہم سرکشی و زیادتی کی وجہ سے اور
جو آیات الٰہی کا انکار کرے گا (وہ سزا پائے گا) بیشک
اللہ جلد حساب کرنے والا ہے، تو اگر وہ تم سے حجت کریں
تو کہو، میں نے خود کو اللہ کے حوالے کر دیا (اسلام) اور
اہل کتاب اور امیین سے کہو، کیا تم بھی (اس طرح اسلام
لاتے ہو) تو اگر وہ اسلام لائیں تو وہ ہدایت پالیں گے
اور اگر وہ اعراض کریں تو تم پر (اے نبی!) صرف
پہنچانے کی ذمہ داری ہے اور اللہ بندوں کو خوب
دیکھ رہا ہے) پھر قرآن نے اسلام کے مفہوم کے ایک
اور پہلو کو واضح فرمایا اور وہ "سِلم" (سلامتی) ہے
جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں صراحت ہے
یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّةً
(اے ایمان لانے والو! "سِلْم" میں پورے کے
پورے داخل ہو جاؤ) پھر اسلام شرک کے بھی منافی
ہے پس مسلم وہی ہے جو موحد ہو کیونکہ جس نے اللہ کے
ساتھ شرک کیا اس نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے نہیں کیا۔

الذی وصّٰی بنیہ بالاسلام کما مرّ
ولذلک قال بعد اٰیتین (مَا كَانَ
اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَ انِيًّا
وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥) فبيّن
معنی الاسلام ویشبہ ھٰذہ
الایات قولہ تعالیٰ (وَقَالُوْا
لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ
هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ٥ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ
لِلّٰهِ) ای تولّٰی عن الشرک واقبل
الی ربّہ کالعبد (وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ)
وھو محسن ای احسن اسلامہ
بالاستقامۃ وبالاعمال الصلحۃ
ورضی القلب فدلّ علیٰ تمام معناہ
لا علیٰ امر زائد فان من اسلم
وجہہ للہ لابد ان یکون محسنًا
وفی ھذا التوضیح فائدتان
بیان ان العمل الحسن یلزم الاسلام
والثانیۃ ان البقاء علی الاسلام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ .....
مُسْلِمُوْنَ ٥ (آل عمران، ۶۴) (کہو، اے اہلِ کتاب!
آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے
درمیان یکساں (مشترک) ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا
کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ
ٹھہرائیں، اور ہم میں ایک، دوسرے کو اللہ کے سوا رب
نہ بنائے لیکن اگر وہ اعراض کریں تو کہو، گواہ رہو ہم تو
"مسلم" ہیں یعنی تم "مسلم" نہیں ہو کیونکہ تم ملّتِ ابراہیمی
کے خلاف ہو جنہوں نے اپنی اولاد کو اسلام کی وصیت
کی تھی جیسا کہ اس سے قبل گزر چکا، اسی واسطے دو
آیتوں کے بعد فرمایا "ابراہیمؑ یہودی تھے، نہ نصرانی،
وہ تو حنیف (خدا کی بندگی کے لیے یکسو) اور "مسلم"
تھے اور مشرک نہ تھے تو اس طرح اسلام کے معنیٰ واضح
فرمائے اور ان آیات کے مشابہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد
بھی ہے وَقَالُوْا..... يَحْزَنُوْنَ ٥ (بقرہ، ۱۱۱، ۱۱۲)
اور انہوں نے کہا، جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا مگر
وہ جو یہودی ہو یا عیسائی ہو، یہ ان کی خوش فہمیاں
ہیں، کہو، لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو، ہاں جو اپنے
آپ کو اللہ کے حوالے کر دے (اسلام) یعنی شرک سے
منہ موڑے اور اپنے رب کی طرف بندے کی طرح
متوجہ ہو (اور وہ نیکوکار ہو تو اس کا اجر اس کے
رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا
اور نہ وہ غمگین ہوں گے) وہ "محسن" (نیکوکار) ہو

لازم فمن اسلم مرۃ فکانہ عابد بالطاعۃ ولذلک قال تعالیٰ (فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥)
(مفردات القرآن ص۲۴ تا ۲۵)

یعنی اُس نے اپنے اسلام کو استقامت و اعمالِ صالحہ اور دل کی رضا سے "مُحسن" بخشا ہو۔ تو "محسن" میں اسلام کا پورا مفہوم بیان کیا گیا ہے، کوئی زائد بات نہیں کہی گئی ہے کیونکہ جس نے خود کو خدا کے حوالے کر دیا (اسلام) ضروری ہے کہ وہ "مُحسن" ہو۔ اس توضیح میں دو مفید باتیں اور ہیں، ایک یہ کہ نیک عمل اسلام کے لیے لازم ہے، دوسرے یہ کہ اسلام پر قائم رہنا ضروری ہے کیونکہ جو ایک بار اسلام لے آیا، وہ اس کی اطاعت کر کے اُس کا عبادت گزار ہے، اس واسطے اللہ نے فرمایا "فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (آلِ عمران، ۱۰۲) تو تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اِس حال میں کہ تم "مسلم" ہو۔

یہ ہے "اسلام" کے مفہوم کے سلسلے میں مولانا حمید الدین فراہیؒ کی نفیس اور بیش بہا بحث! یہ بحث چونکہ طویل ہے اور کچھ دقیق بھی، اس لیے ہم ذیل میں اُس کا خلاصہ درج کرتے ہیں:-

۱- "اسلام" کے لغوی معنی ہیں، اطاعت و خضوع۔

۲- قرآن میں "الاسلام" کے معنیٰ ہیں "خدا کی اطاعت" جس طرح دین ہے دین کا لغوی مفہوم "اطاعت" ہے لیکن اصطلاح میں اُس سے مراد "خدا کی اطاعت" ہے

۳- "اسلام" اور "عبودیت" کا ایک ہی مفہوم ہے اور وہ ہے خود کو اللہ کی رضا کے حوالے کر دینا۔

۴- "اسلام" کا مفہوم "قربانی" سے قریب ہے یعنی خود کو خدا کے لیے قربان کر دینا، قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی اور حضرت اسماعیلؑ کی اپنی جان کی قربانی کے لیے "اسلام" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہی مفہوم ہے کہ انسان اپنا سب کچھ خدا کے لیے قربان کر دے، یہی "اسلام" کا پورا "احسان" ہے۔

۵۔ "حج اور" "اسلام" دونوں کی حقیقت ہے، اپنے آپ کو خدا کی رضا کے حوالے کر دینا، یہی عبادت کی حقیقت ہے۔

۶۔ "اسلام" کا ایک اور مفہوم ہے "توحید"، موحدّ ہی "مسلم ہوتا ہے"، خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والا خود کو خدا کے حوالے نہیں کرتا، اس لیے وہ "مسلم" نہیں ہے۔

۷۔ ساری کائنات خدا کی مطیع ہے، اس لیے پوری کائنات "مسلم" ہے، اس کا دین "اسلام" ہے۔ اس لیے نوعِ انسانی کا دین بھی اسلام ہونا چاہیے۔

۸۔ اسلام (خدا کے لیے خود کو حوالے کرنا) کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سب کو لوٹ کر خدا ہی کے پاس جانا اور جزا و سزا پانا ہے۔

۹۔ "اسلام" کا مفہوم "سلامتی" بھی ہے، اسلام سلامتی کا دین ہے۔

۱۰۔ "اسلام" تمام انبیاء علیہم السلام کا دین رہا ہے، اس بارے میں اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، سب انبیاء "مسلم" یعنی خدا کے "مطیعِ فرمان" بندے تھے۔

اوپر امام راغبؒ اور مولانا حمید الدین فراہیؒ جیسے ائمۂ لغت و تفسیر نے "اسلام" کی جو تشریح کی ہے، قرآنی آیات کی واضح روشنی ہی میں کی ہے لیکن بہتر ہے کہ ہم خود ایک ترتیب سے قرآنی آیات سے اسلام کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔

اسلام کا مفہوم ہے، اطاعت و فرماں برداری، سورۂ آلِ عمران میں ہے:۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ (آلِ عمران ۔ ۸۳)	کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب طوعًا و کرہًا اس کے فرماں بردار ہیں اور سب کو لوٹ کر اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

یعنی ساری کائنات خدا کے بنائے ہوئے قانون کی پابند ہے، اس لیے اُس کا دین "اسلام" ہے۔ یہی اسلام سب انسانوں کا صحیح دین ہے، اس سے اگلی آیت میں تمام انبیاء پر ایمان کے تذکرہ کے بعد ہے:

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (آلِ عمران ۔ ۸۴)	اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔

"مسلم" کے معنیٰ "خدا کا فرماں بردار" اس سے اگلی آیت میں ہے :-

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ۝

(آل عمران، ۸۵)

اور جو کوئی "اسلام" کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو یہ دین اس کی طرف سے (خدا کے ہاں) قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا

یعنی اسلام۔ خدا کی اطاعت ۔ کے سوا کوئی راہ خدا کے یہاں مقبول نہیں اور جو کوئی اُس کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا، وہ آخرت میں ناکام و نامراد ہوگا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کرتے وقت دعا کی تھی کہ وہ خدا کے لیے "مسلم" بنیں اور اُن کی اولاد میں سے "امتِ مسلمہ" وجود میں آئے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝

(سورہ بقرہ، ۱۲۷، ۱۲۸)

اور قابلِ ذکر ہے یہ بات کہ ابراہیمؑ بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور اسماعیلؑ بھی (اور کہہ رہے تھے) اے ہمارے رب! (ہمارے اس عمل کو) قبول فرما بیشک تو سننے والا، جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے "مسلم" بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک امت بنا جو تیرے لیے "مسلم" ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہم پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرما، یقیناً تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یہ دو جلیل القدر انبیاء کی دعا ہے جو خدا کے اطاعت شعار بندے تھے، دعا کمالِ اطاعت اور اُس پر استقامت کی ہے اور اس بات کی بھی دعا ہے کہ اُن کی اولاد میں سے ایک "امت" ظہور میں آئے جو خدا کی مطیع و فرماں بردار ہو، یہ وہی "امتِ مسلمہ" ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت و تربیت کے تحت تشکیل پائی۔ نبی کی بعثت اور ان کی تعلیم و تربیت کا ذکر اگلی آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ الآیۃ میں ہے۔

ملّتِ ابراہیمی، جس کی تجدید کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انسان خود کو مکمل طور پر خدا کے حوالے کر دے اور سراپا اُس کا مطیع و فرماں بردار بندہ بن جائے، اگلی آیات میں ہے:۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

(بقرہ ۱۳۰، ۱۳۱)

اور ابراہیم کی ملّت (دین) سے کون روگردانی کرسکتا ہے سوا اُس کے جو خود اپنے آپ سے نادانی کرے، بیشک ہم نے اُسے دنیا میں منتخب فرمایا تھا اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوگا، اُس کے رب نے اُس سے کہا تھا، خود کو (میرے) حوالے کردو، انہوں نے کہا، میں نے خود کو رب العالمین کے حوالے کر دیا۔

اسی فرماں برداری اور خود سپردگی ــــ اسلام ــــ کی وصیت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو دی تھی، اگلی آیات میں ہے:۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○

(بقرہ ۱۳۲، ۱۳۳)

اور اس کی وصیت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی۔ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے اِس دین کو چناہے تو تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم "مسلم" ہو؛ کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا، انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا "تم میرے بعد کس کی بندگی کروگے، انہوں نے کہا، ہم تیرے خدا، اور تیرے باپ دادا، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی بندگی کریں گے جو ایک ہی خدا ہے اور ہم اس کے "مسلم" (فرماں بردار) ہیں۔

جنت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو خود کو مکمل طور پر خدا کے حوالے کر دیں اور اس کے نتیجہ میں مخلص اور نیکوکار رہوں۔ سورۂ بقرہ ہی میں ہے :۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (بقرہ ۱۱۱، ۱۱۲)

انہوں نے کہا، جنت میں ہرگز داخل نہ ہو گا مگر وہ جو یہودی ہو یا عیسائی، کہو، لاؤ تم اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو، ہاں جو اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دے (اسلام) اور وہ محسن (مخلص و نیکوکار) ہو، اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔

"خدا کے لیے خود کو حوالے کر دینے" کے لیے یہاں بھی "اسلام" ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے :۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران ۱۰۲)

اے ایمان لانے والو! اللہ کی نافرمانی سے بچو جیسا کہ اس کی نافرمانی سے بچنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم "مسلم" (فرماں بردار) ہو۔

اللہ کے تقویٰ کا حق ادا کرنا اور اس کی کامل اطاعت و فرمانبرداری، یہی اسلام ہے۔

سورۂ صافات میں ہے :۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ

تو جب وہ (اسماعیلؑ) اُن (ابراہیمؑ) کے ساتھ دوڑ دھوپ (کی عمر) کو پہنچے تو ابراہیمؑ نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں (راہِ خدا میں) ذبح کر رہا ہوں تو دیکھو تمہاری کیا رائے ہے، اسماعیلؑ نے کہا، اے میرے باپ آپ کو جس کام کا حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کیجیے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے تو جب

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (صافات ۱۰۲ تا ۱۰۵)

دونوں نے "اسلام" (قربانی) کی راہ اختیار کی اور ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کو کنپٹی کے بل لٹا دیا اور ہم نے ندا دی، اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم محسنین کو یونہی بدلہ دیتے ہیں۔

ان آیات میں خود کو خدا کے حکم کے حوالے کر دینے اور اس کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو "اسلام" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی روح اور اُس کا بنیادی جوہر ہے، خدا کی اطاعت، اُس کے لیے حوالگی و سپردگی اور اس کی رضا کے لیے ہر چیز کی قربانی! یہی چیز تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ تھی اور یہی عبادات کی روح اور اس کا خلاصہ بھی ہے، سورۂ بقرہ میں حج کے احکام کے ذکر کے بعد حج اور اسلام کی روح بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (بقرہ، ۲۰۷ تا ۲۰۹)

اور لوگوں میں سے کچھ (حقیقی حاجی و مسلم) ایسے ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے خود کو (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے، اے ایمان لانے والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے تو اگر اس کے بعد کہ تمہارے پاس کھلے احکام و دلائل آچکے ہیں تمہارے قدم ڈگمگا ئیں تو جان لو کہ اللہ زبردست فرماں روا اور حکیم و دانا ہے۔

یعنی حج اور اسلام کی روح یہ ہے کہ مومن اپنے پورے وجود کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے ہاتھ فروخت کر دے اور اپنی پوری زندگی سمیت پورے کا پورا اسلام میں داخل ہو جائے کہ یہی دنیا و آخرت، دونوں میں "سِلم" — سلامتی — کا راستہ ہے لیکن اگر شیطان کے بہکانے سے جو انسان کا کھلا دشمن ہے، اُس کے قدم راہِ حق سے ڈگمگائے

اور اس نے زندگی کے کسی گوشے میں خدائے عزیز و حکیم کے احکام کی خلاف ورزی کی راہ اختیار کی تو اُسے دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اسلام پوری زندگی میں خدا کی اطاعت اور خود کو خدا کی رضا کے حوالے کر دینے کا نام ہے، یہ بات سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران جیسی مدنی سورتوں ہی میں نہیں، سورۂ صافات اور سورۂ انعام جیسی مکی سورتوں میں بھی واضح کی گئی ہے، سورۂ صافات کی آیات اوپر آچکی ہیں۔ سورۂ انعام میں، جو مکی سورت ہے اور توحید کی توضیح و اثبات اور شرک کی وضاحت و ابطال کے لیے اتری ہے، آخر میں ملّتِ ابراہیمی — اسلام — کی تشریح اِن الفاظ میں کی گئی ہے:

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝	(اے نبی!) کہو! بے شک میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی ہے یعنی دینِ قیم، ابراہیم حنیف کی ملّت کی طرف، جو مشرکوں میں سے نہ تھے، کہو، بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اِسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلے اور سب سے آگے بڑھ کر "مسلم" (مطیع و فرماں بردار) ہوں۔
(انعام، ۱۶۱ تا ۱۶۳)	

یعنی دینِ قیم اور دینِ حنیف یہ ہے کہ انسان کی نماز، قربانی اور اس کا جینا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہو، جو ایسا کرتا ہے وہی حقیقتہً "مسلم" ہے۔

قرآنی اصطلاحات اور استاذ حسن ہضیبیؒ

الٰہ، رب، عبادت اور دین کی جو علمی و تحقیقی تشریح لغتِ عرب اور سینکڑوں آیاتِ قرآنی کی روشنی میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں کی ہے، اس کی کسی بھی دلیل کی تغلیط مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ان کے ہم نوا مولانا محمد منظور نعمانی نہ کر سکے۔ البتہ صرف ایک دلیل ان کے ہاتھ آسکی اور وہ یہ کہ مولانا مودودیؒ نے علمائے سلف کے برخلاف اِن اصطلاحات کا مفہوم بیان کیا ہے اور انھوں نے ان اصطلاحات کے مفہوم میں صریح اور بنیادی تحریف کرکے "البیاتِ اسلامیہ" کی تشکیلِ جدید کی ہے۔ یہ ہے مولانا مودودیؒ کے خلاف ان کی واحد دلیل، لیکن یہ دلیل مجرد ایک دعوے کی صورت میں بیان ہوئی ہے اور اس کے ثبوت میں انھوں نے علمائے سلف کے اقوال پیش کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے۔ ہمارے گذشتہ مباحث سے اِس دعوے کا — جو پہلے بھی بے دلیل تھا، بے بنیاد اور لچر ہونا ثابت ہوجاتا ہے اور قطعی اور صریح انداز میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ سے لے کر آج تک اکابر صحابہ، مفسرین، محدثین، فقہاء، مجددین، جلیل القدر علماء، وصوفیا اور اربابِ لغت، سب کے سب اِن اصطلاحات کا وہی مفہوم سمجھتے ہیں جو مولانا مودودیؒ نے سمجھا ہے[1] اور یہی حقیقۃً آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کا

---

[1] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں ایک غلطی ہوگئی، انہوں نے اِس کتاب میں علمائے سلف کے اقوال نقل نہیں کیے۔ انہوں نے غالبًا یہ خیال کیا کہ عربی زبان کی تحقیق اور سینکڑوں آیاتِ قرآن کی صریح شہادت ایک طالبِ حق کے لیے کافی ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مفہوم ہے۔

اِن دونوں بزرگوں نے مولانا مودودیؒ پر اس تنقیدی بحث اور "علمی واصولی تبصرہ وجائزہ" میں ــــ جو سرتاسر غیر علمی اور غیر اصولی ــــ ہے، سیّد قطب شہیدؒ اور شیخ حسن ہضیبیؒ جیسے اخوانی زعماء کو بھی گھسیٹنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ سید قطب شہیدؒ جو اس معاملے میں مولانا مودودیؒ کے ہم نوا اور ان سے شدید متاثر ہیں، ایک "اہلِ قلم" ہیں، جب کہ اخوان کے سابق مرشدِ عام استاذ حسن ہضیبیؒ جو ایک علمی شخصیت ہیں ان اصطلاحات کے مفاہیم کے سلسلے میں مولانا مودودیؒ سے شدید اختلاف رکھتے ہیں اور انہوں نے مولانا مودودیؒ کی تردید کے لیے "دعاۃ لاقضاۃ" تصنیف کی ہے۔

جہاں تک سید قطب شہیدؒ کا تعلق ہے وہ اُن اربابِ عزیمت اہلِ علم میں ہیں جنہوں نے یکسوئی، یقین اور انتہائی ہمت وجرأت کے ساتھ اپنی ذہنی وعلمی صلاحیتوں اور اپنی زبان و قلم کے ساتھ اپنی پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں جھونک دی، اِس سلسلے میں انہوں نے شدید ترین اذیتیں سہیں اور اقامتِ دین اور غلبۂ حق کے لیے مسلسل اور اَن تھک جدوجہد کرتے اور قربانیاں دیتے ہوئے وہ اللہ کے فضل وکرم سے بالآخر شہادت کے مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہوئے۔ اُن سے اُن اہلِ قلم کو کیا نسبت جو تصنیف و تالیف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں اور جن کے پیروں میں حق کی راہ میں ایک کانٹا نہیں چبھا ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ⁂ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

بلاشبہ سید قطب شہیدؒ اور دوسرے اخوانی شہداء اسلام کے اُس عظیم اور زریں سلسلۂ شہداء کی ایک اہم کڑی ہیں جس کی ایک زریں کڑی سیّد احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے رفقاء ہیں۔ انہوں نے اپنے قلم سے نہیں، اپنی زندگی اور اپنی جانی قربانی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) لیکن کچھ لوگوں کے لیے قرآن وحدیث کی دلیل کافی نہیں ہوتی۔ ہماری اس کتاب سے ان کی تشفی ہو جائے گی اور ان پر واضح ہو جائے گا کہ علمائے سلف وخلف متفقہ طور پر ان آیات کا وہی مفہوم سمجھتے ہیں جو مولانا مودودیؒ نے سمجھا ہے۔

سے سیرتِ شہداء مرتب کی ہے۔

اخوان المسلمون میں اس کے بانی حسن بنا شہیدؒ کے بعد مقبول ترین علمی شخصیت سید قطب شہیدؒ کی ہے، عرب ممالک اور عالمِ اسلام کے اہلِ علم ان کی جلالتِ شان کے معترف ہیں۔ ان کی بہت سی علمی و دینی اور انقلابی تصانیف اور خصوصاً ان کی معرکۃ الآراء تفسیر "فی ظلال القرآن" — جو چھ ضخیم جلدوں اور باریک ٹائپ اور بڑے سائز کے ۴۰۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اور بہترین علمی، سائنٹفک، دعوتی، تحریکی، انقلابی اور تربیتی تفسیر ہے — ان کے علمی مقام کی شاہد عدل ہے۔ ان کی تصانیف اور ان کی یہ جلیل القدر تفسیر عرب اور عالمِ اسلام کے اہلِ علم اور عوام و خواص میں بے حد مقبول ہے[1]۔

مولانا علی میاں کی شہادت

آخر میں ہم ان کے سلسلے میں خود مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شہادت پیش کرتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی مشہور کتاب مَاذَا خَسِرَ الْعَالَمُ بِانْحِطَاطِ الْمُسْلِمِیْنَ کے — جس کے دوسرے ایڈیشن پر سید قطب شہیدؒ نے گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا ہے — اردو ترجمہ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کے آغاز میں "کچھ کتاب کے متعلق" کے عنوان کے تحت سید قطب شہیدؒ کا تذکرہ اِن الفاظ میں فرماتے ہیں:-

"سید قطب مصر جدید میں اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ اُن کا قلم اِدھر چند برسوں سے نوجوانوں میں اسلامی رُوح

[1] تفسیر "فی ظلال القرآن" کے تیسویں پارے کا ترجمہ راقم الحروف کے حواشی کے ساتھ ہندوستان پبلیکیشنز، بلیماران، دہلی ۶ سے شائع ہو چکا ہے، بڑے سائز کے ۵۰۰ سے زائد صفحات، ہدیہ ۴۰ روپے۔ سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ کی تفسیر کا ترجمہ مع حواشی زیرِ طبع ہے۔ بڑے سائز کے آٹھ سو سے زائد صفحات، ہدیہ تخمیناً ۶۰ روپے۔ سورۂ آل عمران کی تفسیر کے ترجمہ اور حواشی کی کتابت بھی مکمل ہو چکی ہے۔ اِس تفسیر کے مطالعہ سے آپ کو سید قطب شہید کے علمی و فکری مقام اور کتاب و سنّت اور اقوالِ سلف پر ان کی وسیع و عمیق نظر کا اندازہ ہو سکے گا۔

اور خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے وقف ہے۔ ان کی ذات میں وسیع النظر عالموں کا مطالعہ، جدید ادیبوں کا زورِ قلم اور اسلوب، داعی کا جذبہ واخلاص اور نومسلموں کا جوش جمع ہے۔ وہ اپنے حالات کے لحاظ سے مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود نومسلم ہی ہیں۔ تعلیم وتربیت اور ماحول نے ان کو اسلام سے بہت دور اور بے گانہ کر دیا تھا۔ قرآن مجید کے مطالعہ اور تفکر اور مغربی تہذیب کی ناکامی وافلاس نے ان کو پھر اسلام کی طرف واپس کیا اور وہ نئے جوش وخروش اور اعتماد ویقین کے ساتھ اسلام کی طرف آئے۔ وہ دارالعلوم مصر کے فاضل ہیں، ان کی ادبی زندگی تنقیدِ ادب سے شروع ہوئی جس میں انھوں نے بہت جلد اپنا مقام پیدا کر لیا۔ النقد الادبی اور التصویر الفنی فی القرآن اور مشاھد القیامۃ فی القرآن اس زمانے کی یادگار اور ادبی حلقوں کی مقبول اور کامیاب کتابیں ہیں۔ عرصے تک محکمۂ تعلیم سے متعلق رہے، اس سلسلے میں بعض تعلیمی نظریات کے مطالعہ کے لیے ان کو امریکہ میں کچھ عرصے قیام کرنا پڑا۔ وہاں مغربی زندگی کے تاریک پہلو کھلے طریقے پر ان کی نظر کے سامنے آئے اور مغربی زندگی اور فلسفۂ زندگی کی ناکامی کو انھوں نے بہ چشمِ خود دیکھ لیا۔ اس سے ان کے ایمان ویقین اور اسلام کے تعلق میں بڑا اضافہ ہوا اور اسلامی دعوت کا نیا جوش پیدا ہوا۔ امریکہ سے آنے کے بعد وہ اسلام کے ایک پُرجوش داعی اور مغربی تہذیب کے مبصر وناقد بن گئے۔ ان کے فکر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ابدی اور عالم گیر پیغام مانتے ہیں جس کے بغیر دنیا کی نجات اور سلامتی نہیں۔ ان کے اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معذرت اور مدافعت کے قائل نہیں۔ وہ مغربی تہذیب کی بنیادوں پر تیشہ چلاتے ہیں اور اپنے حریف پر بڑھ کر حملہ کرتے ہیں۔ اُن کو اسلام میں کوئی کمزوری اور کمی محسوس نہیں ہوتی اور وہ اس کو ایک مکمل اور جامع دستورِ حیات کی طرح پورے اعتقاد ویقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی تحریریں پڑھنے والوں میں اعتماد د

یقین کی ایک نئی روح اور مغربی نظامِ فکر کی حقارت پیدا کر دیتی ہیں اور نوجوان ان کی تصانیف و مقالات سے بہت متاثر ہوتے ہیں، ان کی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" (اگرچہ مصنف کو اس کے بعض مقامات سے اختلاف ہے) اس طرزِ فکر اور اس طرزِ تحریر کا کامیاب نمونہ ہے اور جدید اسلامی ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۲۲ تا ص ۲۴)

یہ ہیں سید قطبؒ مولانا علی میاں کی نظر میں!

سخت حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ اس تحریر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے "الدین النصیحۃ" (دین خیر خواہی کا نام ہے) اور "شہادتِ حق" کا وہ فریضہ انجام نہیں دیا جس کے ادا کرنے کے لیے مولانا مودودیؒ پر تنقید کرتے ہوئے ان کے قلم نے بہت زیادہ بے باکی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھیں کہنا چاہیے تھا کہ سید قطبؒ اسلامی دعوت کو مسخ کر رہے ہیں اور ان کا قلم دین کی بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم میں تحریف کے لیے وقف ہے۔ یہ ایک عریاں حقیقت ہے کہ اللہ کی لاشریک حاکمیت، عبادت کے، پوری زندگی پر حاوی ہونے، غیر اللہ کی مطلق اطاعت کے صریح اور جلی شرک ہونے، "رب" اور "الٰہ" کے مفہوم پر "حاکمیت" کا تصور غالب ہونے اور حاکمیت اور تشریع کے، الوہیت کی اہم ترین خصوصیت ہونے کی بحثیں ان کی تصانیف اور ان کی تفسیر میں بھری پڑی ہیں۔ اور وہ مولانا مودودیؒ سے زیادہ جوش و خروش، زیادہ تفصیل اور مزید استدلال اور زورِ استدلال کے ساتھ زندگی کے آخری لمحات تک ان تصورات کو پیش کرتے رہے۔ اُن کے ان خیالات سے عرب اور عالمِ اسلام کے عوام و خواص بہت متاثر ہیں۔ پھر مولانا نے ان کے خلاف جہاد بالقلم کیوں نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ مولانا مودودیؒ کو تنقید کا نشانہ بنانے سے قبل مولانا پر سید قطب شہیدؒ کی "ضلالت و گمرہی" اور "تحریف فی الدین" کا انکشاف نہ ہوا ہو! العیاذ باللہ!

العدالۃ الاجتماعیہ کے ساتویں باب کے بعض مندرجات سے ــ جس میں سید قطب شہیدؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ پر تنقید کی تھی ــ کچھ دوسرے اہل علم نے

بھی اختلاف کیا تھا۔ سید قطب شہیدؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس میں ترمیم کردی تھی اور کتاب کا ساتواں ایڈیشن — جو مصنف کی شہادت کے بعد شائع ہوا — اس ترمیم کے ساتھ منظرِ عام پر آیا تھا۔ اس کے بعد سے اِس کتاب کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ ان کی یہ معرکۃ الآرا کتاب عرب ممالک اور عالمِ اسلام میں بے حد مقبول ہے اور اردو زبان سمیت دنیا کی بہت سی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

ہمارے لیے سید قطب شہیدؒ اور استاذ حسن ہضیبیؒ دونوں یکساں محترم ہیں۔ دونوں اخوان المسلمون کے عظیم زعماء ہیں، دونوں نے حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں اذیت ناک مصائب جھیلے اور عظیم قربانیاں دیں، دونوں حق اور صبر و استقامت کا عظیم پیکر تھے اور دونوں اسی طرح حق کی شہادت و اقامت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے! اللہ ان دونوں بزرگوں سے راضی ہو اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

لیکن کچھ لوگ، جنھیں اعلائے کلمۃ اللہ کی اُس عظیم مہم سے جو اخوان المسلمون اور جماعتِ اسلامی نے چلا رکھی ہے — اور جس کے سرخیل حسن البنا شہیدؒ، سید قطب شہیدؒ، استاذ حسن ہضیبیؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رہے ہیں اور یہ سب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں — شدید اختلاف ہے۔ وہ ان شخصیتوں کو باہم لڑا کر اور ان کے مابین مزعومہ اختلافات کو اچھال کر اِس مہم کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، لیکن ان کی یہ کوشش ان شاء اللہ کامیاب نہ ہوگی۔

دعاۃ لاقضاۃ کی تصنیف کا مقصد

یہ بالکل غلط ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں الٰہ، رب، عبادت اور دین کا جو مفہوم بیان کیا ہے، استاذ حسن ہضیبیؒ نے اپنی کتاب "دعاۃ لا قضاۃ" میں اس کی تغلیط و تردید کی ہے اور اِس تغلیط و تردید کے لیے انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں بھی مل جاتی ہے، کوئی شخص بھی جو عربی داں اور صاحبِ فہم ہو، اِس کتاب کے مطالعہ سے اِس غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا

اِس کتاب کا اردو ترجمہ ہندوستان پبلیکیشنز، بلیماران دہلی نے "ہم داعی ہیں، داروغہ نہیں" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ شائع ہونے کے بعد اب اردو داں اصحاب بھی اس کے مطالعہ سے اصل حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ استاذ حسن ہضیبیؒ بھی اِن اصطلاحات کا وہی مفہوم سمجھتے ہیں جو مولانا مودودیؒ نے سمجھا ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے وہ اس معاملے میں مولانا مودودیؒ سے بھی آگے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں اللہ کی حاکمیت اور اسلامی حکومت جیسے مباحث پر بھی گفتگو کی ہے۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

آئیے، سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ یہ کتاب کیوں لکھی گئی ہے۔ کتاب کے پیش لفظ — تقدیم الناشر — میں ناشر نے کتاب کے مقصد و موضوع پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:-

"اخوان المسلمون اپنے قید و بند کے زمانے میں جن آزمائشوں سے گزرے ان میں سے ایک آزمائش یہ تھی کہ بعض اشخاص نے اس رائے کا اعلان کیا کہ عامۃ المسلمین کافر ہیں یا ان کے اسلام و ایمان کی حقیقت مشکوک ہے۔ اخوان نے قید و بند کی سختیوں کے باوجود اِس فہم کی اصلاح کے سلسلے میں پیش قدمی کی۔ اِس اقدام کا محرک کسی انسان سے خوف یا کسی انسان سے حصولِ تقرب کا جذبہ نہ تھا بلکہ انھوں نے یہ کام صرف خدائے واحد کی — جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ کوئی اس کا مثل و ہمسر[1] — رضا کے لیے انجام دیا۔ اس وقت کے اخوان کے مرشدِ عام استاذ حسن ہضیبیؒ نے — اللہ ان سے راضی ہو — اس دعوے کی تردید میں "دُعَاۃٌ لَا قُضَاۃٌ" (ہم داعی ہیں، جج نہیں) کے نام سے ایک جامع کتاب لکھی۔ اِس میں مصنّف نے اخوان المسلمون کے طریقِ کار کی توضیح و تعیین کی اور اخوان کے پیشِ نظر جو مہم ہے، اس کی صحیح تصویر پیش کی۔ ساتھ ہی انھوں نے اُن موضوعات کے سلسلے میں جن کے متعلق اِن مدعیان نے شکوک و شبہات پیدا کیے تھے، اہل سنّت کے عقیدے کی تشریح و توضیح کے لیے کچھ بحثیں لکھیں۔

---

[1] سورۂ اخلاص کا مضمون۔

اللہ کے فضل وکرم سے یہ کتاب نسخۂ شفا ثابت ہوئی اور حق کے واضح ہونے اور شبہات کے زائل ہو جانے کے بعد قلوب و اذہان سکون و طمانیت سے بہرہ ور ہو گئے۔

بظاہر یہ فتنہ ختم ہو چکا تھا لیکن دشمنانِ حق اس پر راضی ہونے والے نہ تھے، وہ اپنی اس جد و جہد سے باز نہ آئے کہ وہ اسلام کی اس خالص دعوت کی صورت مسخ کر دیں۔ خصوصاً اس لیے کہ انھوں نے دیکھا کہ اسلامی دعوت کو لوگ ذوق شوق سے قبول کر رہے ہیں، انھیں یہ یقین بھی ہو گیا ہے کہ اس دعوت کے ماسوا تمام دعوتوں کا جھوٹا اور کھوٹا ہونا امت کے وجدان میں جڑ پکڑ چکا ہے اور وہ سچے دل سے اس بات کی طرف راغب ہے کہ اپنے رب کی طرف پلٹے اور اسلامی شریعت کی ـــــ ایک دستور، قانون اور اخلاقی، سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی نظام کی حیثیت سے، جو اس کی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے ـــــ آغوش میں پناہ لے اور جن مہلک حالات میں اسلام گھرا ہوا ہے، ان سے اسے نکالے۔ چنانچہ اچانک ہمارے سامنے "جماعات الہجرہ" کے اخبارات و رسائل میں بہ تکرار ایسے مقالات آئے جو اسلامی شریعت کے بارے میں غالیانہ تھے اور جو اس کے خطرات کو ہولناک بنا کر پیش کرتے تھے۔ اِن مقالات کا منشا شاید بغض اور کینہ سے بھری ہوئی کوششیں تھیں تاکہ اللہ کی شریعت کی طرف دعوت دینے والوں سے لوگ متنفر ہو جائیں۔

اس بنا پر ہم نے اُن مباحث کو شائع کرنا مفید خیال کیا جو اخوان کے مرشد عام استاذ حسن ہضیبیؒ کے قلم سے نکلے تھے۔ اِن مباحث کے آخر میں ہم نے ان جوابات کو بھی شامل کر دیا ہے جو انھوں نے بعض اخوان کے سوالات کے دیئے تھے۔ ہمیں امید ہے کہ اِس کتاب کے ذریعہ طالبانِ حق کے لیے حق واضح ہو گا اور اخوان المسلمون کے عقیدے اور ان کے موقف اور طریقِ کار کی وضاحت اور تعیین ہو گی۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ (احزاب: ۴۰)

"اور اللہ حق فرماتا اور وہی راہِ راست دکھاتا ہے۔"

اس کی مزید وضاحت ٹائٹل پیج کے آخری صفحہ کی اُس عبارت سے ہوتی ہے جو ناشر نے استاذ حسن ہضیبیؒ اور اِس کتاب کے تعارف کے سلسلے میں لکھی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ استاذ حسن ہضیبیؒ نے کُلّیۃُ الحقوق سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وکالت کا مشغلہ اختیار کیا، پھر وہ جج ہو گئے۔ جج کی حیثیت سے زندگی گزارنے اور اخوان کے مرشدِ عام حسن بنا شہیدؒ کی شہادت کے بعد وہ اخوان کے مرشدِ عام چنے گئے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جیل کی دیواروں کے پیچھے گزرا۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:۔

"جب جمال عبد الناصر کے دورِ حکومت میں اخوان کی تعذیب کی اذیت نے شدت و ہولناکی اختیار کر لی تو نوجوان اُن وحشی درندوں کے ــــ جو انھیں طرح طرح سے عذاب دے رہے تھے ــــ قلوب کی ظلمت کا ربط اُسلام سے ــــ جو انسانیت کے نور سے منور رہے ــــ ان کے انتساب کی صحت کے ساتھ قائم نہ رکھ سکے۔ ان میں سے بعض نوجوانوں نے اِن ظالموں، اِن کے ظلم میں شرکت کرنے والوں اور امت میں سے اُن لوگوں پر، جو اِس موقع پر حق بات کہنے کے بجائے خاموش رہے، ایسے احکام لگائے جس سے اُن کی تکفیر لازم آتی تھی۔

جماعت کے اِس موقف کے کہ کسی فاسق کی، اُس کے فسق کی بنا پر تکفیر نہیں کی جا سکتی اِلّا یہ کہ اُس سے صریح کفر صادر ہوا یا وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی معروف شے کا منکر ہو اور جماعت پر تھوپے جانے والے اِس جدید فہم کے کہ معصیت کے مرتکبین کی تکفیر کی جائے، اِن دونوں موقفوں کے مابین اخوان کے مضطرب ہونے کے وقت استاذ حسن ہضیبیؒ نے اپنا مشہور موقف اختیار کیا اور وہ حق کی وضاحت کے لیے مضبوطی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے یہ سب کچھ اُن شدید حالات کے علی الرغم کیا جو (اخوان کے) جیل کی چہار دیواری کے اندر تھے..... انھوں نے یہ کتاب اخوان کے لیے لکھی جو جیل کے اندر یا باہر تھے۔"

اِس تعارف سے کئی باتیں واضح ہوئیں:-

۱۔ یہ کتاب اخوان کی رہنمائی اور اخوان کے سلسلے میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔

۲۔ کرنل جمال عبدالناصر کے دورِ حکومت میں اخوان اپنے مرشدِ عام، استاذ حسن ہضیبیؒ سمیت بدترین تعذیب کا شکار ہوئے۔ اِس دوران اخوان کے کچھ نوجوانوں نے ان شدید ترین اور وحشیانہ سزاؤں سے — جو جمال عبدالناصر کی حکومت نے اسلام کے داعیوں اور علمبرداروں کے خلاف سالہا سال تک روا رکھی تھیں — متاثر ہوکر یہ خیال ظاہر کرنا شروع کیا کہ یہ ظالم، ان کے ظلم میں شرکت کرنے والے اور اِس ظلم کو دیکھ کر خاموش رہنے والے مسلمان نہیں ہیں۔

۳۔ استاذ حسن ہضیبیؒ نے اِس خیال کی تردید کے لیے یہ کتاب لکھی اور واضح کیا کہ کسی مسلمان کو، جو کلمۂ طیبّہ کی شہادت دیتا ہو، اس کے ظلم یا فاسق کی بنا پر کافر نہیں کہا جا سکتا، اِلّا یہ کہ اس سے صریح کفر کا صدور ہو اور اِس سلسلے میں اخوان کا عقیدہ کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیا۔ کتاب اوّل سے آخر تک اِسی موضوع کے گرد گھومتی ہے۔

کتنی عبرت انگیز اور دردناک ہے یہ صورتِ حال کہ جس کتاب کو اخوان المسلمون کے سب سے بڑے راہنما نے اخوان پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے اور ان کے عظیم رہنماؤں کو پھانسی کی سزا دینے والے ظالموں اور فاسقوں کو تکفیر کے فتوے سے بچانے کے لیے لکھا تھا، اُس کتاب کو ہندوستان کے بعض اربابِ علم و تقوٰی نے اِس "مقدس" مقصد کے لیے استعمال کر ڈالا کہ اُس سے عصرِ حاضر میں دینِ حق کے عظیم مفکر، ترجمان، داعی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے علم بردار مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی — جن کی پوری زندگی اپنوں اور غیروں کے سب و شتم اور علمائے سوء کے فتووں کی نذر ہوئی، جن کی زندگی کا بڑا حصہ اعلائے کلمۃ اللہ کے جرم میں جیل کی چہار دیواریوں کے اندر گزرا، جن پر قاتلانہ حملہ ہوا اور جنھیں جمال عبدالناصر کی حکومت کی طرح — جس نے عبدالقادر عودہؒ اور سید قطبؒ اور دوسرے اخوانی رہنماؤں اور کارکنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا — پاکستان کی حکومت نے "قادیانی مسئلہ" لکھنے اور ختمِ نبوت کے تحفظ کے جرم میں پھانسی کی سزا کا حکم دیا جس سے وہ محض اللہ کے فضل و کرم اور اس کے بعد عالمِ اسلام کے شدید احتجاج کے نتیجہ میں بچ گئے — ایسی عظیم دینی شخصیت

اور اعلائے کلمۃ اللہ کے بطلِ جلیل کی مزعومہ ضلالت و گمرہی اور تحریف فی الدین ثابت کرنے میں مدد لی جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا مودودیؒ سے اختلاف کی حقیقت

تکفیر کا فتوی دینے والوں نے چونکہ "قرآن کی بنیادی اصطلاحیں" کی بعض عبارتوں کو ــــ جن میں تکفیر کا مسئلہ زیرِ بحث نہیں ہے اور نہ اُن میں قرآن کی بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم کی توضیح ہے ــــ اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا، اس لیے استاذ حسن ہضیبیؒ نے اپنی بحث کے دوران مولانا مودودیؒ کی اِن عبارتوں سے بھی ضمناً تعرض کیا اور کہیں تو یہ واضح کیا کہ مولانا مودودیؒ کی عبارت کا وہ مطلب نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے اور کہیں انھوں نے ان عبارتوں سے نکلنے والے مفہوم کی تردید کی ہے۔

مولانا سیّد احمد عروجؔ قادری مرحوم نے اپنی کتاب "عہدِ حاضر[1] میں دین کی تفہیم و تشریح پر ایک نظر" میں اِن عبارتوں اور ان سے نکالے جانے والے نتائج پر مجمل بحث کی ہے، ہم اس کے جستہ جستہ اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں:-

"..... بعض اشخاص نے "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کے مقدمہ میں جو کچھ لکھا گیا تھا، اس پر یہ شرعی حکم مرتب کر ڈالا کہ اس وقت چونکہ عام طور سے مسلمان رب، الٰہ، عبادت اور دین کے حقیقی معنیٰ نہیں جانتے، اس لیے وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی جو شہادت دیتے ہیں اور اپنی زبان سے اس کلمہ کو دہراتے ہیں، اُس پر اس وقت تک اعتماد نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ ان دونوں شہادتوں کے حقیقی مفہوم کا ادراک نہ کرلیں۔ کلمۂ شہادت کے حقیقی مفہوم سے جہالت کی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف وہ کلمہ پڑھتے ہیں اور ٹھیک اُسی وقت وہ ایسے اعمال کرتے ہیں جو مشرکانہ ہوتے ہیں، لہٰذا وہ مسلمان نہیں سمجھے جا سکتے اور اِس بنیاد پر ان سے معاملہ کرنا اور ان کے پیچھے نماز ادا کرنا

---

[1] مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کتاب کا نام "عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" ہے۔ مولانا عروجؔ قادری صاحب کی کتاب کے ٹائٹل پیج پر "عہدِ حاضر" غلطی سے چھپ گیا ہے۔

جائز نہیں ہے۔ بعض اشخاص نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے، کہ صرف کلمۂ شہادت کے حقیقی مفہوم کو جاننا اور ماننا بھی کافی نہیں ہے، جب تک کوئی شخص اپنے اعمال سے بھی اس کا ثبوت فراہم نہ کرے۔ . . . . مرشدِ عام نے مذکورہ بالا غلط حکم اور غلط قول کی تردید کے لیے مولانا مودودیؒ کے بعض دعاوی کو، جو انھوں نے "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحوں کے مقدمے میں کیے تھے، بے دلیل قرار دیا ہے۔ انھوں نے اِن عبارتوں سے وہ نتائج اخذ نہیں کیے ہیں جو محترم مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کیے ہیں بلکہ علمی انداز میں بعض دعووں پر اعتراض کیا ہے، اور اِس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اِن چار اصطلاحات کے حقیقی اور وسیع معانی پر کبھی پردہ نہیں پڑا، بلکہ وہ قرآن و احادیث میں، عربی لغات میں اور علمائِ مفسرین کی کتابوں میں معلوم و معروف رہے ہیں۔ اور پھر انھوں نے اس پر دلائل دیے ہیں۔ ان کی یہ تردید دراصل مولانا مودودیؒ کے بیان کیے ہوئے معانی و مفہومات کی تصدیق و تائید ہے، اس لیے کہ اگر الٰہ، رب، عبادت اور دین کی اصطلاحوں کے وہ معانی جو مولانا نے بیان کیے ہیں، معلوم و معروف رہے ہیں۔ تو انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ نہ "الٰہیاتِ اسلامیہ" کی تشکیلِ جدید ہے اور نہ کوئی نئی تفسیر! اس سے معلوم ہوا کہ مرشدِ عام کی تردید سے محترم مولانا ندوی کے موجودہ موقف کی نہ صرف یہ کہ کوئی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس کی مکمل تردید ہو جاتی ہے[1]"

---

[1] استاذ حسن ہضیبیؒ نے نہ صرف یہ کہ "الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید" اور قرآن کی بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم میں تحریف کا الزام مولانا مودودیؒ پر نہیں لگایا بلکہ انھوں نے اِن اصطلاحوں کے وہی معانی بیان کیے جو مولانا مودودیؒ نے بیان کیے اور واضح کیا کہ یہ معانی سلف سے خلف تک معلوم و معروف رہے ہیں، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اسلام کے بطلِ جلیل پر جو الزام لگایا ہے، وہ ان کا اپنا اجتہاد ہے جس سے استاذ حسن ہضیبیؒ کا کوئی تعلق نہیں، جس طرح کہ (باقی حاشیہ صفحۂ آئندہ پر)

"محترم مولانا ندوی نے اپنی تازہ کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر" ایک غلو اور اس کی تردید" کے عنوان سے مرشدِ عام کی جس عبارت کا ترجمہ کیا ہے، اس میں ایک جملہ کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی جو تشریح کی ہے، اُس سے غالبانہ خیال رکھنے والے شخص نے یہ استنباط کیا ہے کہ مولانا کے نزدیک یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی اجازت دے کہ وہ کوئی بھی تنظیم کریں یا وہ کوئی ایسا قانون وضع کریں جو ان کے احوالِ زندگی کے کسی پہلو کو منظم کرتا ہو۔

مولانا ندوی نے لکھا ہے "استاذ ہضیبیؒ مولانا کے لیے اس کو بعید از قیاس قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں" حالانکہ استاذ ہضیبیؒ نے اِس غالی شخص کے وہم کی صریح الفاظ میں تردید کی ہے:۔ هٰذا افهم خاطئٌ لم يقله قائل تلك المقالة (دعاة لا قضاة ص۲۶) "یہ ایک غلط فہمی ہے۔ اس قول کے قائل نے یہ بات نہیں کہی ہے"۔ مولانا ندوی نے جو ترجمہ پیش کیا ہے، اس میں اس جملے کا ترجمہ غائب ہے[1] اِس تردید کے بعد استاذ ہضیبیؒ نے جو کچھ لکھا ہے، اس تردید کا حاکمیت کی اُس تشریح سے کوئی تعلق نہیں ہے جو مولانا مودودیؒ نے کی ہے" (ص۱۰۹ تا ص۱۱۲)۔

آئیے، اب ہم یہ دیکھیں کہ استاذ حسن ہضیبیؒ نے قرآن کی بنیادی اصطلاحوں — الٰہ، رب، عبادت اور دین — کا کیا مفہوم بیان کیا ہے۔

الٰہ کا مفہوم

استاذ حسن ہضیبیؒ نے سب سے پہلے لفظ "اللہ" سے بحث کی ہے، اس لفظ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بعض اخوانیوں نے مولانا مودودیؒ کی کچھ عبارتوں سے مسلمانوں کی تکفیر کا جو خیال اخذ کیا ہے، وہ ان کا اپنا استنباط ہے۔ مولانا مودودیؒ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ان کا عقیدہ اس سلسلے میں وہی ہے جو استاذ حسن ہضیبیؒ اور سب اہل سنت والجماعت کا ہے۔

[1] الدین النصیحۃ اور شہادتِ حق کا فریضہ اسی طرح انجام دیا جاتا ہے۔

اشتقاق اور عدم اشتقاق کی بحثوں اور اس سلسلے میں علمائے نحو کے اختلافات کا تذکرہ کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں :-

هٰذا الاختلاف لیس بذی اهمیة ونحن فی غنی عن الخوض فیه، ذالك ان الله تعالیٰ اخبرنا بالقول الیقین والصدق الخالص وفصل الخطاب ان القدرة علی الخلق والعلو والتسامی والسلطان الکبیر العظیم والاجارة واجراء الرزق وکذا الملك والتصرف کانت من المعانی المعروفة بین کثیرین فی الجاهلیة للفظ الجلالة قال تعالیٰ "قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ[1]" فدل قوله تعالیٰ انهم سیجیبون بان الرازق والمالك للسمع والابصار والمخرج للحی من المیت والمیت من الحی والمدبر للامر هو الله جل شانه - دل ذالك علی انهم یعلمون ان هٰذه القدرات هی من صفات الله عز وجل وکذلك الامر فی قوله تعالیٰ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ ۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ[2] ۝

(دعاة لا قضاة ص ۱۳، ص ۱۴)

"اِس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور ہمارے لیے اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یقینی قول، خالص سچائی اور فیصلہ کن خطاب کے ذریعہ ہمیں اس حقیقت سے باخبر کیا ہے کہ مخلوقات پر قدرت، بلندی ورفعت، عظیم وکبیر اقتدار، پناہ دہندگی، رزق رسانی اور اسی طرح بادشاہت اور (کائنات میں) تصرف، وہ معانی ومفہومات ہیں جو دورِ جاہلیت میں بہت سے لوگوں کے نزدیک اللہ کے لفظ کے لیے معلوم

---

[1] یونس، ۳۱، ۳۲۔ [2] المؤمنون، ۸۴ تا ۸۹۔

معروف تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ کہو! کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور کون ہے جو مردے سے زندہ کو نکالتا اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور (کائنات میں) تدبیرِ امر (نظم و انصرام) کرتا ہے؟ وہ کہیں گے، اللہ!"۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ وہ یہ جواب دیں گے کہ رازقِ سمع و بصر کا مالک، مردے سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو نکالنے والا اور کائنات کا نظم و انصرام کرنے والا اللہ جلّ شانہٗ ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ یہ جانتے تھے کہ ان تمام امور پر قدرت اللہ عزوجل کی صفات میں سے ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔"کہو! کس کی ہے زمین اور وہ لوگ جو اس میں ہیں (جواب دو) اگر تم جانتے ہو! وہ کہیں گے، اللہ کی! کہو! تو تم سمجھتے کیوں نہیں! کہو! کون ہے سات آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا رب؟ وہ اللہ ہی کا نام لیں گے، کہو! پھر تم (اس سے) ڈرتے کیوں نہیں! کہو! کس کے ہاتھ میں ہے حکومت و اقتدار ہر شے کا اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا (جواب دو) اگر تم جانتے ہو! وہ اللہ ہی کو کہیں گے، کہو! پھر تم پر کہاں سے جادو کیا جا رہا ہے"!

استاذ حسن ہضیبیؒ نے قرآنی آیات کی روشنی میں دورِ جاہلیت میں "اللہ یا الٰہ"[1] کے جو معلوم و معروف معانی بتائے ہیں، ذرا اُن پر ایک نظر ڈال کر دیکھیے، کیا ان معانی و صفات پر قدرت، قوت، مالکیت اور بادشاہت و اقتدار کا مفہوم غالب نہیں ہے اور یہی کچھ مولانا مودودیؒ کہتے ہیں۔

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ چند سطروں میں یہ واضح کرتے ہیں کہ کچھ آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر تھے، پھر وہ ڈیڑھ صفحہ میں یہ بحث کرتے ہیں کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیتا ہو، اُسے مسلمان تسلیم کر لینا چاہیے، پھر وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] استاذ حسن ہضیبیؒ نے بحث کے آغاز میں اللہ اور الٰہ، دونوں لفظوں کو استعمال کیا ہے۔

كلمة الرب | كلمة الرب معناها كما قال ابن كثير[1] المالك المتصرف ويطلق في اللغة ايضًا على السيد وعلى المتصرف للاصلاح، وبمثل ذلك قال النسفي وقال آخرون انها ايضًا بمعنى المربي الكفيل بقضاء الحاجات القائم بامر التربية والتنشئة والرقيب والرئيس المطاع صاحب السلطة النافذ الحكم المعترف له بالعلاء والسيادة وكل ذلك واضح وانه داخل في معنى المالك المتصرف والسيد المتعهد للاصلاح (دعاة لاقضاة ص۱۲)

کلمۂ رب | "رب" کے __ جیسا کہ ابن کثیرؒ نے کہا __ معنیٰ ہیں، مالکِ متصرف اور عربی زبان میں اس لفظ کا استعمال سردار اور اُس شخص کے لیے بھی ہوتا ہے جو اصلاح کے لیے تصرف کرنے والا ہو، اسی طرح کی بات نسفیؒ نے کہی ہے۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا، اس کے معنی یہ بھی ہیں:۔ پرورش اور تربیت کرنے والا، ضروریات کی تکمیل کا ذمّہ دار، تربیت اور پرورش کا کام کرنے والا، نگراں، سردار جس کی اطاعت کی جائے۔ جو صاحبِ اقتدار اور اپنے حکم کو نافذ کرنے والا ہو اور جس کی بلندی و سرداری کا اعتراف کیا جاتا ہو __ یہ سب مفہومات واضح ہیں اور سب مالکِ متصرف اور اصلاح کرنے والے سردار کے مفہوم میں داخل ہیں۔"

"قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" اٹھا کر دیکھیے، مولانا مودودیؒ نے بھی "رب" کے یہی معنیٰ بیان کیے ہیں۔ البتہ ایک فرق ہے، مولانا مودودیؒ لفظِ "رب" کا اوّلین مفہوم "پرورش کرنے والا" بتاتے ہیں اور آخری مفہوم سیدِ مطاع اور مالک و آقا، اس کے برعکس استاذ حسن ہضیبیؒ "رب" کا مفہوم پہلے مالکِ متصرف اور سردار بیان کرتے ہیں اور بعد میں پرورش اور تربیت کرنے والا اور ضروریات کی تکمیل کا ذمّہ دار۔ یہی نہیں، ان مفہومات کو بیان کرنے کے بعد وہ "رب" کے ان معانی کو بھی واضح کرتے ہیں۔ نگراں سردار جس کی اطاعت کی جائے، جو صاحبِ اقتدار اور اپنے حکم کو نافذ کرنے والا ہو اور جس کی بلندی و سرداری کا اعتراف کیا جاتا ہو۔ گویا لفظ "رب" پر اوّل و آخر مالک، حاکم اور سردار ذی اقتدار کا مفہوم غالب ہے۔ مفسرین میں سے متقدمین اور اربابِ لغت استاذ حسن ہضیبیؒ کے ساتھ ہیں، البتہ

[1] تفسیر ابن کثیر جزءِ اوّل ص۲۳

متاخرین "رب" کے معنیٰ ہیں "پروردگار" کے مفہوم کو اوّلیت دیتے ہیں اور مالک، سردار اور حاکم کے مفہوم کو بعد میں بیان کرتے ہیں ـــ مولانا مودودیؒ نے متاخرین کی ترتیب اختیار کی ہے۔ لیکن جیسا کہ گزشتہ مباحث سے واضح ہوچکا، تمام اہلِ علم اِس بات پر متفق ہیں کہ "رب" کے، یہ سب مفہوم ہیں، پروردگار، مالک اور حاکم و آقا!

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ فرماتے ہیں:۔

کلمۃ العبادۃ | العبادۃ ھی الاتباع والانقیاد المطلقان وایضًا اقامۃ الشعائر الدینیۃ بقصد التعظیم والاجلال واعلان الخضوع والتذلل۔

لفظِ عبادت | "عبادت کے معنیٰ ہیں: مطلق اتباع و انقیاد، نیز اس کا مفہوم ہے: تعظیم و اجلال کے ارادے اور خضوع و تذلل کے اظہار کے ساتھ دینی شعائر کی اقامت"۔

گویا "عبادت" کا ایک مفہوم ہے، مطلق اطاعت و اتباع اور دوسرا مفہوم ہے، عباداتِ معروف کی ادائیگی و اقامت۔ ٹھیک یہی بات مولانا مودودیؒ کہتے ہیں۔ وہ "عبادت" کے مفہوم میں پرستش، بندگی و غلامی اور اطاعت، سب کو داخل سمجھتے ہیں، جبکہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا جیسے اصحاب کو اصرار ہے کہ "عبادت کا مفہوم صرف پرستش ہے، اطاعت اُس میں داخل نہیں اور جو شخص "عبادت" کے مفہوم کو وسیع کرکے "اطاعت" کو اس میں شامل کرلیتا ہے، وہ فی الحقیقت دین میں تحریف اور معروف عبادات کے استخفاف کا مرتکب ہے۔

یہاں بھی استاذ حسن ہضیبیؒ مولانا مودودیؒ سے آگے ہیں۔ مولانا مودودیؒ "عبادت" کا اوّلین مفہوم "پرستش" قرار دیتے ہیں اور بندگی و غلامی اور اطاعت کے مفہوم کا ذکر اس کے بعد کرتے ہیں جبکہ استاذ حسن ہضیبیؒ "عبادت" کا اوّلین مفہوم مطلق اتباع و انقیاد کو قرار دیتے ہیں اور عبادات کی اقامت کا ذکر اس کے بعد کرتے ہیں ـــ متقدمین کے رجحان سے استاذ حسن ہضیبیؒ کی تائید ہوتی ہے ـــ بہرحال "عبادت" کے لفظ کے یہ دونوں مفہوم ہیں اور گزشتہ اوراق میں "عبادت" پر قرآن، حدیث اور اقوالِ سلف کی روشنی میں جو تفصیلی بحث کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ علمائے سلف و خلف

اس بات پر متفق ہیں کہ "عبادت" پرستش اور اطاعت، دونوں مفہوموں پر حاوی ہے اور یہی بات قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے واضح ہوتی ہے۔

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ "دین" کے مفہوم پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:۔

کلمة الدین | وکلمة الدین معناها

۱۔ القهر والغلبة

۲۔ التعبد والطاعة

۳۔ الشریعة ای الحدود والقوانین والطریقة الّتی تتبع

۴۔ المحاسبة والجزاء والعقاب ۔(دعاة لاقضاة ص۱۶)

دین | "لفظ دین کے معنیٰ ہیں:۔

۱۔ تسلّط و غلبہ

۲۔ بندگی و اطاعت

۳۔ شریعت یعنی حدود و قوانین اور وہ طریقہ جس کی پیروی کی جائے۔

۴۔ محاسبہ، جزاء و سزاء"

یہ ایک حیرت انگیز اتفاق ہے کہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے دین کا مفہوم تقریباً اِنہی الفاظ میں اور اِسی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ گویا استاذ حسن ہضیبیؒ نے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی عبارت کو اپنا لیا ہو۔

یہ ہے استاذ حسن ہضیبیؒ کے، قرآن کی بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم کے سلسلے میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے "اختلاف" کی حقیقت! کس قدر اتفاق و ہم آہنگی ہے دونوں بزرگوں کے مابین اِن اصطلاحات کے مفہوم کے سلسلے میں! اب تو استاذ حسن ہضیبیؒ بھی "الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیل جدید" اور "تحریف فی الدین" کے مجرم قرار پائیں گے!

شرک | استاذ حسن ہضیبیؒ نے اپنی کتاب میں "شرک" سے بھی بحث کی ہے وہ شرک کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

ومن الشرك ان یعتقد الشخص ان شیئًا او شخصًا او مجموعة من النّاس له

سلطان نابع من ذاتِ نفسه ای خارج عن سلطان اللہ وان لم یعتقد مساواۃ ذلک السلطان لسلطان اللہ عزّوجلّ لانہ متیٰ اخرج شیئًا عن سلطان اللہ عزوجل فھو قد انتقص سلطان اللہ ولم یعتقد فیہ الکمال والشمول ومن نقص سلطانہ فھو مخلوق لہ انداد و شرکاء، تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرا۔۔۔۔

(دعاۃ لاقضاۃ ص ۵۲)

"اور شرک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کسی شے، شخص یا انسانوں کے کسی مجموعہ کو اقتدار حاصل ہے، جو خود اس کی ذات سے نکلا ہے یعنی اللہ کے اقتدار سے باہر ہے، اگرچہ وہ اِس بات کا معتقد نہ ہو کہ یہ اقتدار اللہ عزوجل کے اقتدار کے مساوی ہے۔ کیونکہ جس شخص نے اللہ کے اقتدار سے کسی شے کو نکال لیا، اس نے اللہ کے اقتدار کو ناقص کر دیا اور اس کے لیے کمال اور جامعیت کا معترف نہ رہا اور جس کا اقتدار ناقص ہو وہ مخلوق ہے اور اُس کے شرکاء و انداد ہوں گے ۔ اللہ اس سے بہت بزرگ و برتر ہے! ۔۔۔۔"

گویا اللہ کے علاوہ کسی شے، شخص یا اشخاص کے مجموعہ کو مستقل بالذات صاحبِ اقتدار ماننا شرک ہے۔

اس سلسلۂ بیان میں استاذ حسن ہضیبیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ شرک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ کے لیے کسی شخص کی شفاعت قبول کرنا لازمی ہے[1] اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ویدخل فی الشرک ایضًا التکذیب برسالۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم او بشیٔ مما جاء صلی اللہ علیہ وسلم بہ فقد قدّمنا ان الشرک والکفر اسمان شرعیان یقعان علی کلّ من جحد او کذّب بشیٔ مما افترض اللہ علی الناس الایمان بہ کذلک فان اللہ قد اقام الحجۃ الدامغۃ علی صحۃ رسالۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وصدق ما جاء بہٖ وان کلّ ما نطق بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من امور الدین

---

[1] قرآنِ مجید کی بہت سی آیات سے اِس طرح کی شفاعت کے عقیدے کا شرک ہونا واضح ہوتا ہے۔

وحی من عند اللہ تعالیٰ فمن جحد تلک الحجۃ وکذبہا او کذب بعض ما جاء بہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فقد جعل حجۃ التی یرکن الیہا فی ذلک او حجۃ من اتبعہ فی ہذا الشان اکمل و اعدل و ابلغ من حجۃ اللہ و رمی حجۃ اللہ تعالیٰ بالنقصان فہو قد جعل نفسہ او من اتبعہ نداً للہ عز وجل ۔ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ (دعاۃ لا قضاۃ ص۵۲)

"اور شرک میں یہ بات بھی داخل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت یا جو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، ان میں سے کسی شے کی تکذیب کی جائے۔ کیونکہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ شرک اور کفر دو شرعی اصطلاحیں ہیں جن کا اطلاق ہر اُس شخص پر ہوتا ہے جو ان امور میں سے کسی امر کا انکار کر دے یا جھٹلائے جن پر ایمان لانے کو اللہ نے ضروری قرار دیا ہے[1] اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر، جو تعلیمات آپ لے کر آئے ہیں، ان کی صداقت پر اور اِس بات پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امورِ دین میں سے جو کچھ فرماتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے، اِن سب امور پر اللہ نے برہانِ قاطع قائم کر دی ہے تو جو شخص اللہ کی اِس دلیل کا انکار کرے یا اسے جھٹلائے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیمات لے کر آئے ہیں اُن میں سے کسی بات کو جھٹلائے تو اس نے اپنی دلیل کو، جس پر اِس سلسلے میں اُسے اعتماد ہے یا اس شخص کی دلیل کو، جس کی، اِس معاملے میں اس نے پیروی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی دلیل سے زیادہ کامل، زیادہ منصفانہ اور زیادہ بلیغ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی دلیل کو ناقص تصور کیا۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو، یا اس شخص کو، جس کی، اس نے پیروی کی، اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔ بہت بزرگ و برتر ہے اللہ تعالیٰ اِس شرک سے!"

---

[1] استاذ حسن ہضیبیؒ کی جو عبارتیں ہم نے شرک کے سلسلے میں نقل کی ہیں، اُن سے قبل شرک کی بحث کی ابتدا سے لے کر اِن عبارتوں تک انھوں نے تین صفحات میں آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ شرک اور کفر اور مشرک اور کافر دین میں ہم معنیٰ ہیں۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے لائے ہوئے دین کے کسی بھی حکم کی تکذیب یا انکار شرک ہے اور اس کا مرتکب مشرک!

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ فرماتے ہیں:۔

کذلک الامر بالنسبة لمن لم یرض بحکم اللّٰہ وفضل علیہ حکماً اٰخر او استحلّ ماحرمہ اللّٰہ تعالیٰ او حرم ما احلّہ اللّٰہ تعالیٰ بعد بلوغ الحق وقیام الحجة علیہ اذ ھو بذلک یجحد النص القراٰنی او حدیث الرّسول علیہ الصلوٰة والسلام ویجعل حکمہ او حکم من اتبعہ افضل واعدل من حکم اللّٰہ عزوجل فھو قد جعل من نفسہ او ممن اتبعہ ندًّا لِلّٰہِ عزّوجلّ قال تعالیٰ:۔ " اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ[1]، " اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اَلَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ[2] " وقد اسلفنا ذکر حدیث عدی بن حاتم عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ایضاح قول اللّٰہ عزوجل عن الیھود والنصاریٰ وانھم اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللّٰہ لما احلّوا لھم الحرام فاستحلوہ وحرموا علیھم الحلال فحرموہ" (ص۵۲، ۵۳)

"یہی معاملہ اُس شخص کا بھی ہے جو اللہ کے حکم پر راضی نہ ہوا اور اُس کے مقابلے میں کسی اور حکم کو فضیلت دے یا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا اسے حلال قرار دے یا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا، اسے حرام ٹھہرائے ـــــ جبکہ اس تک حق پہنچ چکا ہو اور حجت قائم ہو چکی ہو ـــــ کیونکہ وہ اس طرح قرآنی نص یا رسول علیہ الصلوٰة والسلام کی حدیث کا انکار کرتا ہے اور اپنے حکم کو یا اُس شخص کے حکم کو، جس کی اس نے پیروی کی ہو، اللہ عزّوجل کے حکم سے بہتر اور زیادہ عادلانہ قرار دیتا ہے اور وہ اپنے آپ کو یا اُسے، جس کی اس نے پیروی کی ہے، اللہ عزوجل کا شریک ٹھہراتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ "کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفس کو بنا لیا ہے" اور فرمایا:۔ "اے بنی آدم! کیا میں نے تم کو یہ تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی "عبادت" نہ کرنا" اور اللہ عزوجل نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا "رب" بنا لیا ہے، ہم نے عدیؓ بن حاتم کی

---

[1] الجاثیہ، ۲۳۔ [2] یٰس، ۶۰

روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی یہ توضیح نقل کی ہے کہ علماء ومشائخ نے ان کے لیے حرام کو حلال کر دیا تو انھوں نے بھی اُسے حلال سمجھ لیا اور انھوں نے حلال کو یہود و نصاریٰ پر حرام کر دیا تو انھوں نے بھی اسے حرام سمجھ لیا۔"

یعنی اللہ کے احکام پر راضی نہ ہونا یا اس کے ٹھہرائے ہوئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینا شرک ہے۔

عبارت کے آخر میں استاذ حسن ہضیبیؒ نے آیتِ قرآنی کی جس نبوی توضیح کا ذکر کیا ہے وہ "رب" کے مفہوم کی وضاحت میں آیاتِ قرآنی پیش کرتے ہوئے اِس طرح ہے:

وغاب الله عزوجل على اليهود والنصارى طاعتهم لاحبارهم ورهبانهم من دون الله تعالى وحكم بكفرهم اذ بلغت تلك الطاعة الاعتقاد بانّ لهم ان يحرّموا ما احل الله او يحلّوا ما حرّم الله۔ قال تعالى :- اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] ولما غفل عدى بن حاتم عن المقصود الحقيقي من هذه الآية الكريمة وظنّ ان العبادة هي مجرّد اقامة الشعائر والنسك قال للرسول عليه الصلاة والسلام انهم لم يعبدوهم وضح عليه الصلاة والسلام ما فاته: عن عدى بن حاتم قال اتيت النبيّ صلى الله عليه وسلم وفي عنقي صليب من ذهب فقال يا ابن حاتم الق هذا الوثن عن عنقك فالقيته ثم افتتح سورة براءة حتّى بلغ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فقلت يا رسول الله ما كنّا نعبدهم فقال كانوا يحلّون لكم الحرام فتستحلونه ويحرمون عليكم الحلال فتحرمونه فقلت بلى قال فتلك عبادتهم[2] (دعاة لا قضاة ص۲۸)

"اللہ عزوجل نے اِس بات پر یہود و نصاریٰ کی مذمت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنے علماء و مشائخ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کافر ہونے کا حکم صادر فرمایا کیونکہ

---

[1] التوبۃ، آیت ۳۱ [2] ابن حزم فی الاحکام فی اصول الاحکام ج ۷ ص ۱۳۲، ۱۳۳، والطحان والکو ج ۲ ص ۱۸۴ وابن جریر فی تفسیرہ ج ۱ ص ۸۰، ۸۱ والترمذی۔

یہ اطاعت اس مقام تک پہنچ چکی تھی کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے علماء و مشائخ کو یہ حق ہے کہ اللہ نے جسے حلال ٹھہرایا ہے اسے حرام قرار دے دیں اور جسے حرام قرار دیا ہے اسے حلال ٹھہرادیں۔ اللہ تعالیٰ نے (ان کے سلسلے میں) فرمایا:" انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا "رب" بنالیا ہے" عدی بن حاتم اس آیتِ کریمہ کا مقصودِ حقیقی نہ پاسکے اور انھوں نے خیال کیا کہ "عبادت" صرف عبادات کی اقامت اور پرستش کو کہتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا: انھوں نے علماء و مشائخ کی عبادت نہیں کی تھی، اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مفہوم کو واضح فرمادیا جسے عدی بن حاتم نہ سمجھ سکے تھے[1] عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اُس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، آپ نے فرمایا:۔ اے حاتم کے بیٹے! اس بت کو اپنے گلے سے اتار دو، میں نے اسے اتار دیا، پھر آپ نے سورۃ برأت (توبہ) شروع کی یہاں تک کہ آپ اس آیت تک پہنچے:۔ انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا "رب" بنالیا ہے۔ میں نے کہا:۔ اے اللہ کے رسول! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: وہ تمھارے لیے حرام کو حلال کر دیتے تھے تو تم اسے حلال سمجھنے لگے" اور وہ تم پر حلال کو حرام کر دیتے تو تم اسے حرام سمجھنے لگے۔ میں نے کہا:۔ ہاں! ایسا تو تھا! آپؐ نے فرمایا: بس یہی ان کی عبادت ہے!"

یہ وہ عبارت تھی جس کا حوالہ استاذ حسن ہضیبیؒ نے "شرک" کی وضاحت کرتے ہوئے دیا تھا، اب ہم اس سلسلۂ بیان کی طرف پلٹتے ہیں جو "شرک" کی وضاحت کے سلسلے میں تھا۔ استاذ حسن ہضیبیؒ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

دینبغی ھٰنا توضیح ضرورۃ التفرقۃ بین العمل والعقیدۃ فالعامل قد یکون مخالفا بعملہ لامرمع بقاء اعتقادہ ان حکم اللہ ھو الحق وانہ بعملہ عاصٍ لامر اللہ وھٰذہ ھی المعصیۃ غیر المخرجۃ الی الکفر وقد یکون العمل علیٰ

---

[1] جیسا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور شیخ الحدیث "عبادت" کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔

خلاف امر الله تعالیٰ مع اقتران ذلک بعدم الرضیٰ بحکم اللہ تعالیٰ او الاعتقاد ببطلان حکم اللہ عزوجل وتفضیل حکم آخر علیہ وھٰذا ھو الکفر والشرک المخرجان من الاسلام بل ان عدم الرضیٰ وعدم التسلیم بحکم اللہ تسلیمًا والاعتقاد ببطلان حکم اللہ وتفضیل حکم آخر علیہ کفر وشرک ولو لم یتبع ذلک عمل ما۔ قال تعالیٰ: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[1] فمن اغتاب آخر وھو عالم بحکم اللہ تعالیٰ فی ذلک وان اللہ تعالیٰ قد حرم الغیبۃ ونھیٰ عنھا ان اتیٰ ذٰلک وھو مقر بحکم اللہ وانہ الحق الواجب اتباعہ فھو عاص لم یخرج من الاسلام فان فعل غیر راضٍ بحکم اللہ تعالیٰ غیر مقر بعدالتہ مفضلًا علیہ حکمًا آخر فھو مشرک کافر لا بارتکاب الغیبۃ ولکن بعدم تسلیمہ بحکم اللہ تعالیٰ وباعتقاد بطلانہ وبتفضیلہ حکمًا آخر علیہ۔ (دعاۃ لا قضاۃ ص۵۳)

"یہاں یہ وضاحت کرنا مناسب ہے کہ عمل اور عقیدے کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے کیونکہ عمل کرنے والا کبھی اپنے عمل سے اللہ کے کسی حکم کی مخالفت کرنے والا ہوتا ہے حالانکہ اس کا یہ اعتقاد باقی رہتا ہے کہ اللہ کا حکم ہی حق ہے اور وہ اپنے عمل سے اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے یہ "معصیت" ہے جو انسان کو کفر کی طرف نہیں لے جاتی۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف عمل کرتے ہوئے یہ بات بھی ہوتی ہے کہ عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہیں ہوتا یا اللہ عزوجل کے حکم کے باطل ہونے کا اور دوسرے کسی حکم کے، اس سے بہتر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ یہ کفر و شرک ہے جو اسلام سے خارج کر دینے والا ہے۔ اگرچہ اس کے مطابق وہ کوئی عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تو نہیں! تمہارے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے اختلافات میں جو اُن کے مابین ہوں، تمہیں اپنا حکم بنائیں، پھر تم جو فیصلہ کر دو اس کے سلسلے میں وہ اپنے نفوس میں کوئی تنگی نہ پائیں اور سرِ تسلیم خم کر دیں!" ــــ تو اگر کسی شخص نے غیبت کی اور اُسے اس سلسلے میں اللہ کے حکم کا علم تھا اور وہ جانتا تھا کہ اللہ نے غیبت کو حرام کیا ہے

---

[1] النساء-۶۵۔

اور اس سے منع کیا ہے۔ اگر اُس شخص نے غیبت کا ارتکاب اِس صورت میں کیا کہ وہ اللہ کے حکم پر راضی تھا اور اسے حق اور واجب الاتباع سمجھتا تھا تو وہ نافرمان ہے، اسلام سے خارج نہیں ہے۔ لیکن اگر اس نے غیبت کا ارتکاب اِس حال میں کیا کہ وہ اللہ کے حکم پر راضی اور اس کے عدل و انصاف کا معترف نہیں تھا اور اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی اور حکم کو بہتر قرار دیتا دیتا تھا تو ایسا شخص کافر و مشرک ہے، غیبت کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ کے حکم کو تسلیم نہ کرنے، اس کے بطلان کا اعتقاد رکھنے اور اللہ کے حکم سے کسی اور حکم کو بہتر قرار دینے کی وجہ سے!"

یہ ہے کفر و شرک کی حقیقت استاذ حسن ہضیبیؒ کی نظر میں! شرک کی اِس طویل بحث میں ــــ جس میں انھوں نے بہت سی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے استدلال کیا ہے۔ انھوں نے اس بات کا کہیں تذکرہ نہیں کیا کہ "یہ شرکِ اصغر" ہے اور "بت پرستی" "شرکِ اکبر" جیسا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کا خیال ہے ــــ بلکہ شرک کی اِس طویل بحث میں انھوں نے "بت پرستی" کا تذکرہ ہی نہیں کیا!

الٰہ، رب، عبادت، دین اور شرک کے اِن مفہومات کے سلسلے میں ــــ جنھیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور خود استاذ حسن ہضیبیؒ نے قرآن و سنّت کی روشنی میں واضح کیا ہے ــــ استاذ حسن ہضیبیؒ کو اصرار ہے کہ وہ ہمیشہ معروف اور شائع و ذائع رہے ہیں اور مولانا مودودیؒ کی یہ بات غلط ہے کہ کسی دور میں بہت سے ذہنوں سے اِن اصطلاحات کے وسیع معانی اوجھل ہو گئے تھے۔ اہلِ عرب کی حد تک، ممکن ہے، استاذ حسن ہضیبیؒ کی بات صحیح ہو، لیکن عجم کی حد تک تو مولانا مودودیؒ کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہاں عام لوگ ہی نہیں، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جیسے اہلِ علم بھی اِن اصطلاحات کے وسیع معانی سے نہ صرف یہ کہ ناآشنا ہیں بلکہ وہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ جیسی عظیم دینی شخصیت کو اِس لیے گمراہی اور تحریف فی الدین کا مجرم قرار دیتے ہیں کہ انھیں اِن اصطلاحات کے وسیع معانی پر اصرار ہے اور سیّد قطب شہیدؒ بھی اسی لیے ان کی تنقیدوں کا ہدف ہیں!

لیکن جیساکہ استاذ حسن ہضیبیؒ نے فرمایا اور جیساکہ اس کتاب کے گزشتہ مباحث سے واضح ہے، سلف سے خلف تک تمام اکابر اہلِ علم اِن اصطلاحات کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں۔ دیکھیے گمراہی اور تحریف فی الدین کے اِس فتوے سے، جو اسلام کی فہمِ جدید کی بارگاہ سے شائع ہوا ہے، یہ حضرات کس طرح بچتے ہیں!

ارتداد استاذ حسن ہضیبیؒ نے اِس کتاب میں ارتداد سے بھی بحث کی ہے، ارتداد اور "رِدّۃ" کی لغوی تحقیق کرنے کے بعد وہ اس کا دینی مفہوم اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

وھی فی الدین الرجوع الی الکفر بعد الاسلام (دعاۃ، لاقضاۃ ص۵۵)

"دین میں اس کے معنیٰ ہیں، اسلام کے بعد کفر کی طرف پلٹنا"

اس کے بعد وہ مرتد کا شرعی حکم بتاتے ہیں:۔

وحکم المرتد القتل "مرتد کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔"

اِس حکم کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے، پھر وہ فرماتے ہیں:۔

والاجماع ان من جحد شیئاً مما افترض اللہ تعالیٰ بہ فقد کفر وارتد عن الاسلام الّا ان یکون الجاحد غیر عالم بالنص فیبلغ الیہ ویعرف بما ھو واجب علیہ الایمان بہ وتقام علیہ الحجۃ فان اصرّ بعد ذالک علی الجحود والتکذیب حکم بکفرہ وردتہ (دعاۃ، لاقضاۃ ص۵۵)

"اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے اُن چیزوں میں سے، جو اللہ نے فرض کی ہیں، کسی کا انکار کیا، وہ کافر اور اسلام سے مرتد ہو گیا، بجز اِس صورت کے کہ انکار کرنے والا نص سے ناآشنا ہو۔ اِس صورت میں اس تک نص پہنچائی جائے گی، جس چیز پر ایمان لانا اس کے لیے ضروری ہے، اُس سے اُسے واقف کرایا جائے گا اور اس پر حجت قائم کی جائے گی، اگر اس کے بعد بھی وہ انکار اور تکذیب پر اصرار کرے تو اس کے بارے میں کفر اور ارتداد کا حکم صادر کر دیا جائے گا۔"

ارتداد کی بحث سے قبل شرک کی بحث تھی۔ اس بحث کے آخر میں استاذ حسن ہضیبیؒ

نے یہ واضح کیا کہ جس مسلمان سے کسی جرم یا گناہ کا صدور ہو، اس سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ اس نے اِس فعل کا ارتکاب نا فرمانی کرتے ہوئے کیا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا منکر ہے بلکہ اسے مسلمان تصور کر کے اس پر شرعی حد یا تعزیر نافذ کی جائے گی۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں۔

الّا ان یجاھر ھو بان خروجہ عن امراللہ تعالیٰ کان استحلالاً للمخالفۃ وعدم الرضا بحکم اللہ تعالیٰ ای جحوداً با لامر المخالف و بوجوب الطاعۃ فان اظھر ذالک حکم بکفرہ وشرکہ واقیم علیہ حدّ الردّۃ۔

"الّا یہ کہ وہ کھلم کھلا یہ بات کہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی سرتابی اس لیے ہے کہ وہ اس مخالفت کو حلال سمجھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہیں ہے یعنی جس حکم کی اس نے مخالفت کی اُس کا اور اطاعتِ الٰہی کے وجوب کا وہ منکر ہے۔ اگر وہ اِس بات کا اظہار کرے تو اس کے بارے میں کفر و شرک کا فیصلہ کیا جائے گا اور اس پر ارتداد کی حد جاری کی جائیگی۔"

یہ ہے احکامِ الٰہی اور اطاعتِ خداوندی کی دین میں اہمیت!

اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ

یہ استاذ حسن ہضیبیؒ کی کتاب "دعاۃ لاقضاۃ" کی پانچویں فصل کا عنوان ہے، یہ قرآنِ مجید کی کئی آیات کا ایک ٹکڑا ہے، اس کے لفظی معنیٰ ہیں "نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ کے لیے۔" اس بڑے عنوان کے تحت ایک اور عنوان ہے۔ عَقِیْدَتُنَا (ہمارا عقیدہ) اِس عنوان سے واضح ہوتا ہے کہ استاذ حسن ہضیبیؒ اس کے تحت اپنا اور سب اخوانیوں کا عقیدہ بیان کریں گے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

عقیدتنا

یقینا الذی لاشک فیہ ان الحکم للہ وحدہ وانہ سبحانہ وتعالیٰ صاحب الامر والنھی دون سواہ وھو جلّ وعلا دون غیرہ الذی یجعل الحلال حلالاً والحرام حراماً:۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ[1] اَلاَ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[2] وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلَالٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ[3]۔ وعن

---

[1] یوسف، ۴۰ [2] الاعراف، ۵۴ [3] النحل ۱۱۶۔

نؤمن ایمانا کاملا ان شریعة الله هی الحق وان مادونها باطل وظلم: وَبِالْحَقِّ
أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ[1] فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ[2] ویقیننا الذی لا شك
فیه ان شریعة الله هی تلزمنا دون غیرها وهی تلزمنا بمقتضى امره تعالیٰ:
سواء ارتضاها حاکم ام لم یرتضها ونحن نؤمن ایمانا کاملا تاما ان شریعة الله
هی الواجبة النفاذ وان واجب کل فرد مسلم العمل بمقتضاها وانفاذها فعلا من
استطاع الیٰ ذلك سبیلا انفذها الحاکم ام عمل علیٰ تعطیلها: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ
إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا[3] ویقیننا الذی لا شك فیه ان شریعة الله
هی الشریعة التی لا یجوز التحاکم الا الیها فالیها یرد الحلال والحرام وماهو فرض
وماهو مندوب الیه وماهو مکروه وماهو مباح: - فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا[4] وما احله الله حلال الیٰ یوم القیامة لا یملك کائن من کان ان یحرمه
وما حرمه الله حرام الیٰ یوم القیامة لا یملك کائن من کان ان یحله: - اَلْيَوْمَ
أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا[5]
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ[6]

(دعاة لا قضاة، ص ۶۷، ۶۸)

"ہمارا عقیدہ"

"ہمارا یقین، جس میں شک کا کوئی شائبہ نہیں، یہ ہے کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی امر اور نہی کا حق دار ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ اور اللہ عزوجل ہی۔ نہ کہ کوئی اور۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دینے والا ہے:۔ "نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ کے لیے۔ (یوسف) "سنو! اسی کے لیے ہے خلق اور اسی کے لیے ہے حکم" (اعراف) اور

---

[1] الاسراء، ۱۰۵۔ [2] یونس، ۳۲ [3] الاحزاب، ۳۶۔ [4] النساء، ۶۵۔
[5] المائدة، ۳۔ [6] الانعام، ۱۱۵۔

اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام کر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ" (نحل) ہم اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی شریعت ہی حق ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل اور ظلم ہے؛" اور ہم نے اُسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے" (اسراء) " تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے" (یونس) اور ہمارا یقین، جس میں کوئی شک نہیں، یہ ہے کہ اللہ کی شریعت ہی ہم پر لازم ہے، اس کے سوا کوئی قانون نہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تقاضا ہے کہ وہ ہم پر لازم و عائد ہو، خواہ کوئی حاکم اِس پر راضی ہو یا اسے پسند نہ کرے۔ اور ہم اس بات پر پورا اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی شریعت ہی وہ قانون ہے جس کا نفاذ ضروری ہے اور ہر مسلمان فرد پر لازم ہے کہ اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے اور اسے عملاً جاری و نافذ کرے، جس حد تک اس کی طاقت ہو، خواہ (وقت کا) حاکم شریعتِ الٰہی کو نافذ کرے یا اسے معطل کر کے رکھ دے:۔ "اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے اُس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا" (احزاب) اور ہمارا یقین، جو شک سے پاک ہے، یہ ہے کہ اللہ کی شریعت ہی وہ شریعت ہے جس کے سوا کسی شریعت اور قانون کی طرف معاملات کو فیصلے کے لیے نہیں لے جایا جا سکتا۔ اسی سے رجوع کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا، فرض، مندوب، مکروہ، اور مباح کیا:۔ "تو نہیں، تمھارے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ وہ اُن اختلافات میں، جو اُن کے مابین ہوں، تمہیں اپنا حکم بنائیں، پھر تم جو فیصلہ کردو اُس کے سلسلے میں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور سرِ تسلیم خم کر دیں" (نساء) اور جو کچھ اللہ نے حلال کیا ہے، وہ قیامت تک حلال ہے، کسی شخص کو — خواہ وہ کوئی بھی ہو — یہ حق نہیں ہے کہ اسے حرام کر دے اور جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے وہ قیامت تک حرام ہے، کسی شخص کو — خواہ وہ کوئی ہو — اس کا حق نہیں کہ اسے حلال کر دے؛ "آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے

اسلام کو دین بنا کر میں راضی و خوش ہوگیا۔" (مائدہ) "اور تمہارے رب کی بات صداقت اور عدل و انصاف کے پہلو سے کامل اور تمام ہوئی، اس کی باتوں کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں، اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔" (انعام)

استاذ حسن ہضیبیؒ اور اخوان المسلمون کے اِس عقیدے پر ــ جو قرآن کی صریح نصوص سے ماخوذ اور اہلِ سنت والجماعت بلکہ پوری امتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے ــ ایک نظر ڈالیے اس میں اس کے سوا اور کیا ہے کہ حاکمیت، قانون سازی اور تحلیل و تحریم صرف اللہ کا حق ہے، اس کی شریعت اور اس کا قانون حق ہے اور اس کے سوا ہر شریعت اور ہر قانون باطل اور ظلم۔ اللہ کی پوری شریعت پر نہ صرف یہ کہ عمل ضروری ہے بلکہ تاحدِ استطاعت اسے دنیا میں جاری و نافذ کرنا بھی فرض ہے۔ تمام امور و معاملات کے فیصلے اللہ کی شریعت اور اس کے قانون ہی سے کیے جانے چاہئیں۔ انسانوں پر یہی شریعت اور یہی قانون لازم ہے، اللہ نے جسے حلال کیا ہے، وہ قیامت تک حلال ہے، کسی بھی انسان کو اُسے حرام کرنے کا حق نہیں اور جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، وہ قیامت تک حرام ہے، کسی انسان کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اسے حلال کرنے کا حق نہیں!

یہ پورا عقیدہ اللہ کی حاکمیت و قانون سازی اور اس کے قانون کے گرد گھومتا ہے!

امت کا اجماعی عقیدہ

استاذ حسن ہضیبیؒ اِس کے بعد فرماتے ہیں:۔

ونحن نقول بما اجمع علیہ المسلمون من ان من اعتقد ــ بعد ان بلغہ الحقُ وقامت علیہ الحجۃ ان شخصًا ما او ھیئۃ ما او جماعۃ ما او کائنًا من کان لہ الحق ان یحل ما حرّم اللہ و ثبت حکم تحریمہ الابدی بانقطاع الوحی بوفاۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام او یحرم ما احلّہ اللہ وثبت حکم حلّہ الابدی بانقطاع الوحی بوفاۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام او یحد حدًا لم یکن واجبًا حین موتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ــ من اعتقد ذلک بعد ان بلغہ الحق وقامت علیہ الحجۃ ولم یکن متأوّلًا لنص من کتاب اللہ او من سنۃ رسولہ علیہ الصلوٰۃ

والسلام فهو کافر مشرک خارج عن الاسلام۔ "اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ"[1] (دعاة لاقضاة، ۶۸)

"اور ہم وہی بات کہتے ہیں جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو شخص حق کے پہنچ جانے اور حجت کے قائم ہو جانے کے بعد بھی یہ عقیدہ رکھے کہ کسی شخص، کسی تنظیم، کسی جماعت کو یا کوئی بھی انسان ہو، اُسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اللہ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اور اس کی ابدی تحریم کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ وحی کے منقطع ہونے سے ثابت ہو، اسے وہ حلال کر سکتا ہے، یا جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا اور اس کی ابدی حلت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ وحی کے منقطع ہونے سے ثابت ہو، اسے وہ حرام کر سکتا ہے یا وہ کوئی ایسی حد متعین کر سکتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت واجب نہیں تھی۔ جو کوئی اس بات کا عقیدہ رکھے، بعد اِس کے کہ حق اس تک پہنچ چکا ہو اور اس پر حجت قائم ہو گئی ہو اور وہ کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ کی نص کی تاویل کر کے ایسا نہ سمجھتا ہو، وہ کافر، مشرک اور اسلام سے خارج ہے:۔ "کیا ان کے لیے (اللہ کے) کچھ شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کے وہ احکام مشروع کیے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی" (شوریٰ)

استاذ حسن ہضیبیؒ نے امت کے اجماعی عقیدے کے ثبوت میں جس آیت کو پیش کیا ہے، وہ مدنی نہیں، مکی سورت کی آیت ہے مکی سورتوں میں دین کے بنیادی احکام بیان ہوئے ہیں، اِس آیت میں صریح الفاظ میں اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کے لیے تحلیل و تحریم کے حق پر اعتقاد رکھنے کو "شرک" قرار دیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ جن ہستیوں کو ـــ اور ظاہر ہے کہ وہ بت یا ستارے نہیں، انسان اور مذہبی پیشوا ہیں ـــ وہ یہ حق دیتے ہیں، انہیں وہ فی الواقع اللہ کا "شریک" بناتے ہیں ـــ یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ یا جماعت اسلامی کا نہیں پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور خود قرآن نے اسے صریح الفاظ میں "شرک" قرار دیا ہے۔

---

[1] الشوریٰ۔ ۲۱۔

ایمان کے مقتضیات

استاذ حسن ہضیبیؒ امت کے اِس اجماعی عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

ونقول بعون الله ان مقتضى الايمان بالله تعالىٰ وتوحيده وزيادة فى الايضاح
بعبارة اخرىٰ مقتضى شهادة ان لا اله الا الله الاعتقاد الجازم بانه تعالىٰ
دون غيره صاحب الامر المطلق الذى لا يحده حد يأمر بما يشاء ويقضى
بما يشاء ويحكم بما يشاء وقت ما يشاء لا بعلة تلزمه ان يقضى او يأمر او
يحكم تعالى الله عن ذالك علوًا كبيرًا ولا يسأل لم قضىٰ او لم امر او لم حكم "لا
يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُوْنَ"[1] ومن اعتقد — بعد ان بلغه الحق وقامت
عليه الحجة — حدًّا لسلطان الله تعالىٰ او لامره او لحكمه تعالىٰ فقد اشرك اذ
لو صح ان لذلك حدًّا لكان لزامًا ان يكون هناك من هو خارج عن هذا
الحد اى من لا سلطان لله تعالىٰ عليه اى من هو ند لله تعالىٰ وذلك هو الشرك
بعينه اعاذنا الله منه۔ (دعاة، لا قضاة ص ۶۸)

"اور ہم اللہ کی مدد سے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی توحید کا، اور بہ الفاظِ دیگر لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ اس بات پر یقینی اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ۔۔ اس کے سوا کوئی نہیں ۔۔ مطلق حکم دینے کا حق رکھتا ہے، اس پر کوئی حد عائد نہیں ہوتی۔ وہ جو چاہتا ہے، امر فرماتا ہے، جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اور جو چاہے اور جب چاہے حکم دیتا ہے، کسی علّت کی بنا پر نہیں، جو اس پر لازم ہو کہ وہ فیصلہ کرے یا امر کرے یا حکم دے۔ اللہ تعالیٰ اِس سے بہت بلند ہے! اس سے یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ اس نے کیوں فیصلہ کیا، کیوں امر کیا اور کیوں حکم دیا: "وہ جو کچھ کرتا ہے اُس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا اور اُن سے سوال کیا جائے گا" (انبیاء) ۔۔ جس کسی نے حق کے پہنچنے اور حجت کے قائم ہونے کے بعد اللہ کے اقتدار، یا اس کے امر یا اس کے حکم کے لیے کسی حد کا اعتقاد رکھا، اس نے یقیناً شرک کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اگر یہ بات صحیح

---

[1] الانبیاء، ۲۳۔

مان لی جائے کہ اللہ کے اقتدار اور اس کے حکم کی کوئی حد ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اس حد سے خارج ہے یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کا اقتدار نہیں۔ بالفاظ دیگر وہ اللہ تعالیٰ کا "ند" (شریک) ہے اور یہ بعینہ "شرک" ہے، اللہ ہمیں اس سے بچائے!"

یعنی ایمان باللہ، توحید اور لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ کی حاکمیت، اقتدار اور اس کے صاحب امر ہونے کی کوئی حد نہیں ہے وہ لامحدود حاکمیت، اقتدار اور قانون سازی کا مالک ہے!

اللہ ہی مطلق اطاعت کا مستحق ہے

استاذ حسن ہضیبیؒ عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:۔

وکذلک فان مقتضیٰ الایمان باللہ تعالیٰ وتوحیدہ الاعتقاد الجازم بانہ تعالیٰ المعبود بحق دون سواہ ای المستحق الاتباع والانقیاد المطلقین ای الاسلام لہ تعالیٰ دون غیرہ اذ لو وجب بعض الانقیاد والاتباع ای الاسلام لغیرہ تعالیٰ بغیر اذنہ لکان ذلک الغیر خارجاً عن سلطان اللہ تعالیٰ ای نداً وشریکاً لہ تعالیٰ ـــ تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ (دعاۃ لاقضاۃ، ص۶۸)

"اسی طرح ایمان باللہ اور توحید کا تقاضا یہ ہے کہ یہ قطعی وحتمی اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں ـــ یعنی وہی مطلق اتباع وانقیاد کا مستحق ہے یعنی اسلام (اطاعت وسپردگی) اسی کے لیے ہے، اس کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ کیونکہ اگر کچھ انقیاد و اتباع یعنی اسلام غیر اللہ کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر واجب ہوتا تو یہ غیر اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے باہر ہوتا یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک اور "ند" ہوتا ـــ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند وبرتر ہے۔"

یعنی ایمان باللہ اور توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو کامل ومطلق اطاعت کا مستحق سمجھا جائے کہ یہی اسلام ہے اور اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو کچھ بھی اطاعت کا مستحق سمجھنا اسے اللہ کا "شریک" اور "ند" بنانا ہے۔ واضح رہے کہ "شریک" اور "ند" قرآن مجید

کی دو اصطلاحیں ہیں، اُن معبودانِ باطل کے لیے جن کی عبادت مشرکین اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے کرتے ہیں۔

عبادت میں اطاعتِ عمل اور شریعت کا نفاذ داخل ہیں

سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے استاذ حسن ہضیبیؒ فرماتے ہیں:۔

وایضًا فان مقتضی الایمان باللہ تعالیٰ وتوحیدہ ومقتضی الاعتقاد بانہ تعالیٰ المعبود بحق الواجب الانقیاد لہ علی الاطلاق ومقتضیٰ ذلک تنفیذ امراللہ بعمل فعلاً بما امراللہ بہ والانتہاء فعلاً عما نہی اللہ عنہ وھذا داخل فی مضمون العبادۃ ولازم من الاعتقاد بانہ تعالیٰ ھو المعبود بحق وثابت من النصوص القطعیۃ۔

(دعاۃ لاقضاۃ ص۵۸، ص۵۹)

نیز اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید پر ایمان کا اور اس اعتقاد کا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے، جس کے لیے کامل ومطلق اطاعت وانقیاد واجب ہے، اس سب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو نافذ کیا جائے، اللہ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان پر عمل درآمد کیا جائے اور جن سے روکا ہے ان سے عملاً رکا جائے۔ یہ بات "عبادت" کے مفہوم میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں اِس اعتقاد کا لازمی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے، نیز یہ بات صریح اور قطعی نصوص سے ثابت ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے متعدد آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے اطاعت اور عمل کی اہمیت واضح کی ہے۔ اس کے بعد اِس سلسلۂ کلام کا خاتمہ اِن الفاظ پر ہوتا ہے:۔

ومن اعتقد — بعد ان بلغہ الحق وقامت علیہ الحجۃ ان شریعۃ اللہ تعالیٰ التی امراللہ تعالیٰ بنفاذھا والعمل بھا متوقف علیٰ اذن شخص او ھیئۃ او جماعۃ او کائنًا من کان فقد جعل من ھؤلاء حکامًا علی اللہ تعالیٰ یحد سلطانہم من سلطان اللہ فہو قد جعلہم شرکاء للہ تعالیٰ — تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا۔

(دعاۃ، لاقضاۃ ص۶۹)

"اور جس شخص نے، حق کے اُس تک پہنچنے اور حجت کے اس پر قائم ہونے کے بعد یہ عقیدہ

رکھا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت — جس کے نافذ کرنے اور جس پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے — وہ کسی شخص یا تنظیم یا جماعت یا کسی بھی فرد کے اذن پر موقوف ہے، اس نے اُن لوگوں کو اللہ پر حاکم ٹھہرایا، جن کا اقتدار اللہ کے اقتدار کو محدود کرتا ہے، اس نے فی الحقیقت انہیں اللہ تعالیٰ کا "شریک" ٹھہرایا — اللہ تعالیٰ اس شرک سے بہت بلند و برتر ہے!"

مولانا ابوالحسن علی ندوی جس شرک کو "شرکِ اصغر" فرماتے ہیں، استاذ حسن ہضیبیؒ کو اس کے ہر ہر گوشے میں شرک، صریح شرک پھیلا نظر آ رہا ہے — کس قدر فرق ہے دونوں بزرگوں کے تصورِ توحید و شرک میں اور کس قدر قرب اور ہم آہنگی ہے مولانا مودودیؒ اور استاذ حسن ہضیبیؒ کے تصورِ دین و توحید میں!

عقیدے کی اس تشریح کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ یہ بتاتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے ناآشنا ہو، اُس کا کیا حکم ہے اور اس پر اور مسلم سماج پر اس سلسلے میں کیا ذمہ داری آتی ہے۔

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ کے مقرر کردہ مقاصد و حدود کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اگر مسلمان اپنی زندگی کو منظم کرنے کے لیے قوانین وضع کریں تو ایسا کرنا غلط نہ ہوگا بلکہ اللہ کی شریعت میں اس کی پوری گنجائش ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال اور حلال کیے ہوئے امور کو حرام نہ کریں۔ اس سلسلے میں وہ "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" سے مولانا مودودیؒ کی ایک عبارت نقل کر کے یہ بتاتے ہیں کہ اس سے یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی قانون سازی کی اجازت نہیں دی ہے، یہ کچھ لوگوں کا اپنا خیال ہے، مولانا مودودیؒ کا نہیں! ان کے الفاظ یہ ہیں:-

هذا فهم خاطئ لم يقله قائل تلك المقالة

"یہ ایک غلط فہمی کی بات ہے، اس بات کے کہنے والے نے یہ بات نہیں کہی ہے۔"

پھر وہ اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں کہ کس طرح کی قانون سازی کی انسانوں کو

اجازت ہے اور کس طرح کی قانون سازی کی نہیں اور اس قانون سازی کی حدود و قیود کیا ہیں۔

اللہ کی حاکمیت

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ "اللہ کی حاکمیت" کے موضوع پر اس طرح اظہارِ خیال فرماتے ہیں:۔

ثم نقول للذین قالوا ان الحاکمیۃ ھی من مفہوم شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ او من کون الربوبیۃ للّٰہ تعالیٰ دون غیرہ إن عنیتم بھذا ان اللّٰہ مطلق السلطان ومطلق الامر یحکم ویشرع کما یشاء وقت ما یشاء فاذا حکم اللّٰہ تعالیٰ اوامرا وشرع لزمتنا طاعتہ وکان امرہ الحق المطلق والعدل المطلق والانصاف الکامل الشامل فانا وایاکم علیٰ صراطٍ مستقیم ولا خلاف بین احد من المسلمین فی ذٰلک ولا خلاف ایضًا ان من زعم لنفسہ ۔ بعد بلوغ الحق الیہ وقیام الحجۃ علیہ حق التشریع المطلق وانہ یستمد سلطانہ بذٰلک من ذاتِ نفسہ وان تشریعہ واجب الطاعۃ کتشریع اللّٰہ وامرہ واجب الطاعۃ کامر اللّٰہ فانہ قد جعل نفسہ ندًّا للّٰہ تعالیٰ وشریکًا لہ (دعاۃ لا قضاۃ ص۷۵)

"پھر ہم اُن لوگوں سے جنہوں نے کہا کہ "حاکمیت" لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے مفہوم میں داخل ہے یا اس بات کا کہ ربوبیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کسی اور کے لیے نہیں، تقاضا ہے، کہتے ہیں کہ اس بات سے اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ مطلق اقتدار اور مطلق حکم اللہ ہی کے لیے ہے، وہ حکم دیتا اور تشریع اور قانون سازی کرتا ہے جیسا چاہتا ہے، جب چاہتا ہے، تو جب اللہ تعالیٰ حکم دے یا امر کرے یا قانون بنائے تو ہمارے لیے اس کی اطاعت لازم ہے اور اس کا حکم مطلق حق، مطلق عدل اور کامل وجامع انصاف ہے تو ہم اور تم صراطِ مستقیم پر ہیں اور اس معاملے میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں اور اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جس نے حق کے پہنچنے اور حجت کے قائم ہو جانے کے بعد اپنے لیے مطلق تشریع کے حق کا دعویٰ کیا اور یہ سمجھا کہ اس کا اقتدار ذاتی اور خود اس کی

ذات سے نکلا ہے اور اس کی قانون سازی اللہ کی تشریع کی طرح اور اس کے احکام اللہ کے احکام کی طرح واجب الاطاعت ہیں، اس نے اپنے آپ کو اللہ کا شریک اور نِد بنایا۔"

عبارت واضح ہے۔ البتہ خط کشیدہ الفاظ خصوصیت سے توجہ کے مستحق ہیں۔ اِس عبارت سے یہ بھی واضح ہوا کہ "اللہ کی حاکمیت" کا یہ مفہوم ایسا ہے کہ اس کے سلسلے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں، اور یہ مفہوم توحید اور شرک ہی کا ہے!

استاذ حسن ہضیبیؒ مزید فرماتے ہیں:۔

وان کنتم تعنون ان لیس لاحد ان یقول هٰذا عند الله حرام او هٰذا عند الله حلال بغیر سند من الله فنحن نوافقکم علیٰ ذٰلک وتلک هی عقیدتنا لان القائل هٰذا حلال وهٰذا حرام وهٰذا فرض وهٰذا نهی بدون سند من الله انما یقول علی الله مالا یعلم وهٰذا هو الکذب علی الله وقد نهانا الله عنه قال تعالیٰ:۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْکَذِبَ۔ (دعاة لاقضاة، ص۷۵)

"اور اگر تمہاری (اللہ کی حاکمیت سے) مراد یہ ہے کہ کسی کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ کہے، یہ اللہ کے نزدیک حرام ہے اور یہ اللہ کے نزدیک حلال اور اس کے پاس اللہ کی کوئی سند نہ ہو، تو ہم اِس بات میں تمہارے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی کسی سند کے بغیر یہ کہتا ہے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام اور یہ فرض ہے اور یہ ممنوع، تو وہ اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جسے وہ نہیں جانتا اور یہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے جس سے ہمیں اللہ نے منع کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تمہاری زبانیں جو کچھ جھوٹ کہتی ہیں، وہ تم نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔"

عبارت اپنے مفہوم میں واضح ہے، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں:۔

وان کنتم تعنون بالحاکمیة ان احدًا لا یملک من نفسه ان یحلّ ما حرّم الله او یحرّم ما احلّ الله فهٰذا ایضًا ما نعتقده ونقره ونؤمن به ونقول انّ من بلغه الحق وقامت علیه الحجة ثم اعتقد او قال انه یملک ان یحلّ ما حرّم الله

او یحرم ما احل اللہ فقد جعل نفسہ ندّا للہ وھو کافر مشرک بلا خلاف۔

(دعاۃ، لاقضاۃ ص۵۷)

"اور اگر (اللہ کی) حاکمیت سے تمہاری مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنی طرف سے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اُسے وہ حلال کر دے اور جسے حرام ٹھہرایا ہوا ہے حلال قرار دے۔ تو ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے، ہم اس کا اقرار کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص تک حق پہنچ جائے اور اُس پر حجت قائم ہو جائے پھر یہ عقیدہ رکھے یا کہے کہ جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہے، اسے وہ حلال کر سکتا ہے اور جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اُسے حرام کر سکتا ہے، تو اس نے اپنے آپ کو اللہ کا "ند" (شریک) بنا لیا اور وہ بلا اختلاف کافر و مشرک ہے۔"

معلوم ہوا کہ تحلیل و تحریم کے مسئلہ کا توحید سے براہِ راست تعلق ہے اور جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال اور حلال امور کو حرام کر سکتا ہے۔ وہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کے کافر و مشرک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

استاذ حسن ہضیبیؒ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

وان کنتم تعنون ان الناس یتعین علیہم الاعتقاد انّ احدًا — بغیر اذنٍ من اللہ — لا یملک ان یحرم علیہم ما احلّہ اللہ لہم او ان یحلّ لہم ما حرّم اللہ علیہم وان من اعتقد جواز ذلک — ولو لم یعمل بہ — فانہ یکون قد اتخذ ربًّا من دون اللہ وجعل مع اللہ الٰھًا اٰخر فتلک ھی عقیدتنا التی لا نتشکک فی صحتھا ابدًا قال تعالیٰ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ وعن عدیّ بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتیت النّبیَ صلی اللہ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذھب قال یا ابن حاتم الق ھٰذا الوثن من عنقک فالقیتہ ثم افتتح سورۃ براءۃ حتّیٰ بلغ قولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فقلت یا رسول اللہ ما کنا نعبدھم فقال صلی اللہ علیہ وسلم:۔ کانوا یحلّون لکم الحرام فتستحلّونہ ویحرّمون علیکم الحلال تحرمونہ قلت بلی قال فتلک

عبادتہم۔ (دعاۃ، لاقضاۃ ص۷۵، ۷۶)

"اور اگر (اللہ کی حاکمیت سے) تمہاری مراد یہ ہے کہ لوگوں کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ کوئی شخص — اللہ کے اذن کے بغیر — اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ اللہ نے جسے لوگوں کے لیے حلال کیا ہے، اسے وہ حرام کردے یا جسے اس نے ان پر حرام کیا ہے، اسے ان کے لیے حلال کرنے اور یہ کہ جو شخص اس بات کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے — اگرچہ اس نے اس کے مطابق عمل نہ کیا ہو — اس نے اللہ کے سوا اسے اپنا "رب" بنالیا اور اللہ کے ساتھ ایک اور "خدا" ٹھہرالیا ہے، تو بعینہٖ یہی ہمارا عقیدہ ہے جس کے صحیح ہونے میں ہمیں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: — "کیا اُن کے لیے (اللہ کے) ایسے شریک ہیں جنہوں نے اُن کے لیے دین کی باتیں مشروع کی ہیں، جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی" (شوریٰ، ۲۱) اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا: اے حاتم کے بیٹے! اس بت کو اپنے گلے سے اتار پھینکو، میں نے اسے اتار دیا، پھر آپ نے سورۂ براءت شروع کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد تک پہنچے: "انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا "رب" بنالیا ہے"۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے لیے حرام کو حلال کردیتے تو تم اسے حلال سمجھنے لگتے۔ اور حلال کو حرام قرار دیتے تو تم اسے حرام سمجھنے لگتے۔ میں نے کہا ہاں! یہ تو تھا! آپ نے فرمایا: یہی ان کی عبادت ہے۔"

معلوم ہوا کہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کے حق کا عقیدہ رکھنا شرک و کفر ہے اور جسے یہ حق دیا جائے اُسے "رب" اور "خدا" بنانا ہے! اور اُس کی "عبادت" کرنا ہے — یہ ہے تحریم و تحلیل کے مسئلہ کی اہمیت!

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ رقمطراز ہیں:

وان کنتم تعنون من قولکم ان الحاکمیة للہ وجوب الاعتقاد بلزوم الرد عند التنازع فی الحکم علی شیئ او فی امر من الامور الی شریعة اللہ دون غیرھا وان

من اعتقد — بعد قیام الحجة علیه — بوجوب الرد الی غیر شریعة الله التی بلغته او بعدم لزوم الرد الیها ولو لم یفعل شیئاً ولم یحتکم فعلاً فانه یکون مشرکاً کافراً جاحداً امر الله الذی بلغه وان من جهر حراً مختاراً بانه یرید التحاکم الی غیر شریعة التی بلغته لیعرف ماھو حلال وما ھو حرام وما ھو فرض علیه وما ھو منھی عنه او ماله من حق وما علیه من واجبات فانه یکون قد اعلن عقیدته الفاسدة وانه یفضل تلك الشریعة التی یرید التحاکم الیھا علی شریعة الله تعالیٰ التی بلغته وانه یکون بذلك قد جحد شریعة الله تعالیٰ التی بلغته فھو کافر مشرك ولا شأن لنا بما فی قلبه لان من جحد بلسانه شیئاً مما افترض الله تعالیٰ الایمان به فی غیر اکراہ فقد کفر و اشرك وارتد عن الاسلام تلك ایضاً ھی عقیدتنا التی لا نحید عنھا بحول الله ابداً لقوله تعالیٰ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ولقوله تعالیٰ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ و لقوله تعالیٰ :- إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[1] (دعاة لا قضاة، ص۶)

"اگر تمھارے اس قول سے کہ حاکمیت اللہ کے لیے ہے، تمھاری مراد یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ کسی بھی چیز کے سلسلے میں حکم یا کسی بھی معاملے میں جھگڑے کے وقت لازمی ہے کہ معاملات کو اللہ کی شریعت کی طرف لوٹایا جائے — نہ کہ کسی اور طرف — اور جو شخص حجت کے قائم ہو جانے کے بعد اِس بات کا معتقد ہو کہ اللہ کی شریعت کے سوا جو اُسے پہنچ چکی ہے، کسی اور طرف معاملات کو (فیصلے کے لیے) لے جانا ضروری ہے یا معاملات کو شریعت کی طرف لوٹانا لازمی نہیں ہے — اگرچہ وہ اس سلسلے میں کوئی اقدام نہ کرے اور کسی معاملے کو فیصلے

---

[1] النور، ۵۱۔

کے لیے نہ لے جائے — تو وہ مشرک، کافر اور اللہ کے حکم کا، جو اُسے پہنچا ہے، انکار کرنے والا ہو جائے گا اور جس کسی نے آزاد اور با اختیار رہتے ہوئے اِس بات کا اعلان کیا کہ وہ اللہ کی شریعت کے علاوہ، جو اُسے پہنچ چکی ہے، فیصلے کے لیے جانا چاہتا ہے تا کہ وہ یہ جانے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا، فرض کیا ہے اور ممنوع کیا، یا اس کے کیا حقوق ہیں اور اُس پر کیا ذمہ داریاں ہیں، تو اس نے اپنے فاسد عقیدے کا اعلان کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت سے — جو اُسے پہنچی ہے — اُس شریعت کو، جس کی طرف وہ فیصلے کے لیے جانا چاہتا ہے، بہتر تصور کرتا ہے اور اِس طرح اس نے اللہ کی شریعت کا، جو اُسے پہنچی ہے، انکار کر دیا اور اس لیے وہ کافر و مشرک ہے۔ اس کے دل میں کیا ہے، ہمیں اِس سے کوئی بحث نہیں، کیونکہ جس شخص نے اپنی زبان سے کسی ایسی شے کا انکار کر دیا جس پر ایمان لانے کو اللہ نے فرض قرار دیا ہے۔ اس نے کفر اور شرک کیا اور وہ اسلام سے مرتد ہو گیا — (اگر اللہ کی حاکمیت سے تمہاری مراد یہ ہے) تو بعینہٖ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور انشاء اللہ ہم اس عقیدے سے کبھی بھی انحراف نہیں کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "تو نہیں! تمھارے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہ ہوں گے، جب تک ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے اختلافات میں، جو اُن کے مابین ہوں، تمھیں اپنا حَکَم بنائیں، پھر تم جو فیصلہ کر دو، اس کے سلسلے میں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سرِ تسلیم خم کر دیں" (نساء، ۶۵) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ "اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو" (نساء، ۵۹) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ "اہلِ ایمان کی بات تو صرف یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ کہیں، ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور ایسے ہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ (نور، ۵۱)

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے وہ اِس کے بعد فرماتے ہیں:۔

ثم نعود فنکرر القول ان الاعتقاد بان اللہ تعالیٰ مطلق السلطان الذی لا یحدہ حد ومطلق الامر یحکم بما یشاء ویشرع ما یشاء ویقضی بما یشاء فاذا حکم

تعالیٰ حکما وشرع لنا شرعا و قضیٰ علینا امرا لزمنا طاعتہ تعالیٰ وکان امرہ وشرعہ وقضاءہ تعالیٰ الحق المطلق والعدل المطلق والانصاف الشامل۔ ھٰذا کلہ توجب النصوص القاطعة والبراھین المبینة علیٰ توجیہ بدیھة العقل انہ من مفھوم ان لاالٰہ الا اللّٰہ وانہ سبحانہ وتعالیٰ المنزہ عن کل نقص وعن کل عیب وانہ وحدہٗ تعالیٰ الذی لہ الکمال التام والرفعة الحقیقیة وانہ تعالیٰ خالق کل شیئ دونہ، القاھر فوق کل شیئ دونہ لا ینازعہ فی الملک احد ولا یشارکہ فی سلطانہ شیئ وکما سبق ان قلنا فان الاعتقاد بحد ما لسلطان اللہ تعالیٰ یقتضی حتمًا ان یکون ثمة ما ھو خارج عن ھٰذا الحد ای من لاسلطان للہ تعالیٰ علیہ ولا یعدو ذٰلک الخارج عن سلطان اللہ ان یکون غیر مخلوق ای ھو الٰہ مع اللہ او خلقہ خالق اٰخر ای ھو من صنع الٰہ اٰخر وذٰلک کلہ ھو الشرک ۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ (دعاۃ لاقضاۃ ص ۷۶، ۷۷)

"ہم اس بات کا پھر اعادہ کرتے ہیں کہ یہ اعتقاد کہ اللہ تعالیٰ مطلق اقتدار کا حامل ہے اور اس اقتدار کی کوئی تحدید نہیں ہے اور اس کے لیے مطلق امر ہے، حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے، مشروع کرتا ہے جو چاہتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دے یا کوئی چیز مشروع کرے یا کسی معاملے میں کوئی فیصلہ دے تو اس کی اطاعت ہمارے لیے لازمی ہے اور اس کا امر، اس کی تشریع اور اس کا فیصلہ مطلق حق، مطلق عدل اور جامع و کامل انصاف ہے، یہ سب قطعی نصوص اور واضح دلائل براہین سے ثابت ہے، اس کے علاوہ بدیہی عقل کا تقاضا بھی یہی ہے، یہ لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم میں سے ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر نقص اور ہر عیب سے منزّہ ہے، اس کے لیے کمالِ تمام اور حقیقی رفعت و بلندی ہے، وہی اپنے سوا ہر شے کا خالق ہے اور وہی اپنے سوا ہر شے پر کنٹرول کرنے والا ہے، اس کی بادشاہت میں کوئی اس سے نزاع کرنے والا نہیں اور اس کے اقتدار میں کوئی اس کا شریک نہیں اور جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ چکے ہیں کہ، اللہ تعالیٰ کے اقتدار کے لیے کسی تحدید کے اعتقاد کا حتمی تقاضا یہ ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہو جو اس حد سے

خارج ہو یعنی جس پر اللہ کا اقتدار نہ ہو اور اللہ کے اقتدار سے باہر یہ ہستی اس بات سے متجاوز نہیں کہ وہ غیر مخلوق ہو یعنی اللہ کے ساتھ ایک اور "خدا" ہو یا اسے کسی اور خالق نے پیدا کیا ہو یعنی وہ کسی اور "خدا" کی بنائی ہوئی ہو ۔ اور یہ سب "شرک" ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے!"

کتنی وضاحت، صراحت اور قطعیت کے ساتھ استاذ حسن ہضیبیؒ نے "حاکمیت" کے عقیدے کو بیان کیا ہے اور اسے لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم میں داخل اور صریح کفر و شرک کا مسئلہ قرار دیا ہے۔

جاہل شخص کا حکم اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ کی حاکمیت اور تشریع کی اس اہمیت اور توحید اور شرک کے مسئلہ سے اس کے صریح تعلق کے باوجود جاہل شخص معذور ہے :۔

الا انہ ینبغی التنبہ الکامل للفرق بین تلک العقیدۃ الفاسدۃ التی توجب الشرک باللہ تعالیٰ وبین جھل المرء بمجموع من الشرائع التی فرضھا اللہ وعلمہ ببعضھا الآخر واعتقادہ بناء علیٰ ذالک ان شریعۃ اللہ تعالیٰ تحکم جوانب محددۃ من حیاتہ واعمالہ وعلاقاتہ بالناس وان اللہ تعالیٰ قد ترک لہ وللجماعۃ التی یعیش فیھا حریۃ تنظیم باقی جوانب حیاتہ وعلاقاتہ بغیرہ من الناس فھذا الاعتقاد الاخیر لیس فیہ شبہ الکفر او الشرک بل ھو قد یصدر عن معتقد بتوحید اللہ عزوجل ووجوب طاعتہ وصاحبہ کما سبق ان قدمنا الدلیل من کتاب اللہ وسنۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام معذور بجھلہ لاھو کافر ولاھو فاسق ولاھو عاص (دعاۃ لاقضاۃ ص۳۲)

"لیکن ایک بات ہے جس کے سلسلے میں پوری طرح متنبہ رہنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ یہ فاسد عقیدہ بلاشبہ شرک باللہ کا موجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص اُن شرائع کے، جو اللہ نے مقرر کیے ہیں، ایک حصے سے بے خبر ہے اور دوسرے حصے کا اُسے

علم ہے اور اس بنا پر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اس کی زندگی، اس کے اعمال اور لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کے محدود گوشوں ہی پر حکمراں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس جماعت کو، جس میں وہ رہتا ہے، یہ آزادی بخشی ہے کہ وہ اپنی زندگی اور لوگوں سے اپنے تعلقات کے باقی گوشوں کو منظم کرے تو ہمیں اس فاسد عقیدے اور آدمی کی اس جہالت کے درمیان فرق کرنا چاہیے۔ اس آخری اعتقاد میں کفر یا شرک کا کوئی شائبہ نہیں ہے، بلکہ اس طرح کا اعتقاد اُس شخص کا بھی ہو سکتا ہے جو اللہ عزوجل کی توحید اور اس کی اطاعت کے وجوب کا معتقد ہو اور اس اعتقاد کا رکھنے والا — جیسا کہ ہم نے اس سے قبل اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے دلیل دی ہے۔ اپنی جہالت کے باعث معذور ہے، کافر، فاسق یا نافرمان نہیں ہے۔"

لیکن اس شکل میں بھی اللہ کی حاکمیت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس میں بھی وہ مسلّمہ عقیدے کی حیثیت رکھتی ہے، البتہ ایک شخص اپنی جہالت کے باعث یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ نے زندگی کے ایک حصے کے لیے قانون دیا ہے اور دوسرے حصّے کے لیے آزادی بخشی ہے کہ ہم اپنے لیے خود قانون بنائیں، گویا زندگی کے بقیہ حصے میں بھی قانون سازی اللہ کے اذن ہی سے ہے۔ بلاشبہ اس اعتقاد کے حامل شخص کو جاہل کہا جائے گا کیونکہ وہ اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ اسلام زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے، لیکن اسے کافر و مشرک نہ کہا جائے گا، کیونکہ وہ اللہ کی حاکمیت و تشریع کا قائل ہے اور اللہ کے اذن کے بغیر قانون سازی کا قائل نہیں۔

اس کے بعد استاذ حسن ہضیبیؒ واضح کرتے ہیں کہ کوئی شخص قرآنی آیت یا حدیثِ نبوی میں تاویل کر کے اس طرح کی غلطی کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور جبر و اکراہ کے تحت کوئی عمل کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔؟ استاذ حسن ہضیبیؒ نے اس موقع پر اکراہ، اس کے حدود اور اس کے احکام پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس بحث کے پس منظر میں کرنل جمال عبدالناصر کا وہ جابرانہ فرعونی نظام تھا جس کے تحت بہت سے لوگوں نے مجبور ہو کر اخوان المسلمین کے زعماء اور کارکنوں پر وحشیانہ و بہیمانہ نظام کی مہم میں حکومت کے ساتھ تعاون کیا تھا یا اس کے آلۂ کار بنے تھے حالانکہ دل سے وہ اس کے خلاف تھے!

اللہ کی حاکمیت کی اصطلاح

اِس وضاحت اور اس قطعیت سے اللہ کی حاکمیت کے عقیدے کو بیان کرنے کے باوجود استاذ حسن ہضیبیؒ کو اس بات سے اختلاف ہے کہ اِن مفہومات کو بیان کرنے کے لیے "اللہ کی حاکمیت" کی اصطلاح کو استعمال کیا جائے۔ الفصل الرابع (چوتھی فصل) میں "حاکمیت" کے عنوان کے تحت وہ رقم طراز ہیں:۔

"اَمْرَانِ تَرَکْتُهُمَا فِيْكُمْ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللهِ تَعَالٰى وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (حدیث شریف[1])

جرت على بعض الالسن لفظة "الحاكمية تعبيراً عن معانٍ واحكام تضمنتها آيات من القرآن الكريم والاحاديث الشريفة ثم اسندت اللفظة الى اسم المولى عزوجلّ فقيل (حاكمية الله)۔ ثم تفرعت عن اللفظة مضافة الى اسم المولى عزوجلّ احكام فقيل ان مفهوم حاكمية الله كذا وكذا ومقتضى ذلك ان يعتقد الشخص كذا وكذا وان يكون فرضاً عليه ان يقوم بكذا وكذا من الاعمال فان لم يعملها وعمل غيرها فهو خارج عن (حاكمية الله) تعالى فوصفه كذا۔ ونحن على يقين ان لفظة (الحاكمية) لم ترد باية آية من الذكر الحكيم ونحن فى بحثنا فى الصحيح من احاديث الرسول عليه الصلوٰة والسلام لم نجد منها حديثا قد تضمن تلك اللفظة فضلا عن اضافتها الى اسم المولى عزّوجلّ والتجاذب وواقع الناس يقول لنا ان اصحاب الفكر والنظر والباحثين قد يلحظون ارتباطاً بين معانى مجموعة من الآيات بالقرآن الكريم والاحاديث الشريفة و نكرة بارزة فيها فيضعون مصطلحاً لتلكم المعانى غير انه لا يمرّ الّا وجيز

---

[1] عن مالک ابن انس، ۔ الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ج ۸ ص ۳۰ (نیز مؤطا مالک، مترجم)

من الزمن حتیٰ یستھل الناس المصطلح الموضوع فیتداولونہ بینھم ثم یتشدق بہ اناس قلیل منھم من قرء الکثیرا لذی کتبہ الباحثون و المفکرون اصحاب النظر شرحًا للآیات والاحادیث التی کانت الاصل عندھم و تعبیرًا عن المعانی التی لاحظوھا والاقل من ھٰذا القلیل من یکون قد استوعب ماکتبہ الباحثون والمفکرون داستطاع ان یفھم ما ارادوا وادرک حقیقۃ مقصدھم والغالبیۃ العظمیٰ تنطق بالمصطلح وھی لا تکاد تعرف من حقیقۃ مراد واضعیہ الا عبارات مبھمۃ سمعتھا عفوًا ھنا وھناک اوالقاھا الیہ من قد لایحسن الفھم او یجید النقل والتعبیر۔ وقد لا یمضی کثیر وقت حتیٰ یستقل المصطلح بنفسہ فی اذھان الناس و یقرّ فی اذانھم انہ الاصل الذی یرجع الیہ وانہ الحکم الکلی الجامع الذی تتفرع عنہ مختلف الاحکام التفصیلیۃ وینسی الناس ان الآیات و الاحادیث التی لوحظ فیھا المعنی الذی وضع المصطلح عنوانا لہ ھو الاصل الذی یتعین المرجوع الیہ بل قد یغیب عنھم ان مراد واضعی المصطلح لم یکن غیر التعبیر عن معان عامّۃ ارادو ابرازھا وجذب انتباہ الناس الیٰ اھمیتھا دون ان یقصدوا وضع احکامٍ فقھیۃ خاصۃ التفصیلیۃ منھا۔ وھٰکذا یجعل بعض الناس اساسًا لمعتقدھم مصطلحًا لم یرد لہ نص من کتاب اللہ او سنۃ الرسول اساسًا من کلام لبشرٍ غیر معصوم وارد علیہ الخطأ والوھم، علمھم بما قالہ فی الاغلب علم مبتسر مخلوط۔ لذالک کان لزامًا علینا الّا نتعلّق بالمصطلحات التی یقول بھا البشر غیر المعصومین وان نتشبّث ونلوذ بکلام رب العالمین وکلام المعصوم سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام...... والاحکام الشرعیۃ تؤخذ من کلام اللہ تعالیٰ وحدیث الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، لامن اقوال او مصطلحات یضعھا الناس، ایًّا کان ھٰؤلاء الناس...... ولاحاجۃ لنا بعد کتاب اللہ

واحادیث الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بان نتعلق بایۃ مصطلحات یضعھا البشر غیر معصوم۔ (دعاۃ لا قضاۃ ص۶۳ تا ۶۵)

"دو چیزیں ہیں، جنہیں میں تمہارے اندر چھوڑے جارہا ہوں۔ جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہی میں ہرگز مبتلا نہ ہو گے، یہ دو چیزیں ہیں، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت!" (حدیث شریف)

اِن معانی اور احکام کی — جو قرآنِ کریم کی آیات اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔ تعبیر کے لیے بعض زبانوں پر "حاکمیت" کا لفظ جاری ہوا۔ پھر اس لفظ کی نسبت مولیٰ عزوجل کی طرف کی گئی اور "حاکمیۃ اللہ" (اللہ کی حاکمیت) کا رواج ہوا۔ پھر اللہ کی طرف منسوب اس لفظ سے احکام کی تفریع ہوئی کہ اللہ کی حاکمیت کا مفہوم یہ ہے اور یہ ہے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ آدمی اس طرح کا اعتقاد رکھے اور اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے اعمال کرے اور اگر وہ یہ اعمال نہ کرے تو وہ اللہ کی حاکمیت سے خارج ہے اور اس کی صفت یہ اور یہ ہے! ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ "حاکمیت" کا لفظ قرآنِ حکیم کی کسی آیت میں نہیں آیا ہے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو بھی تلاش کیا تو ہمیں ایسی کوئی حدیث نہ ملی جس میں یہ لفظ موجود ہو، چہ جائیکہ اس کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کی گئی ہو۔ تجربات اور لوگوں کے علمی حالات اِس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اربابِ فکر و نظر اور محققین قرآنِ کریم کی آیات اور احادیثِ نبوی میں کچھ مفہومات کے مابین ایک ربط اور ان کے اندر ایک ابھرا ہوا فکر پاتے ہیں تو ان مفہومات کے لیے ایک اصطلاح وضع کر دیتے ہیں، تھوڑا ہی عرصہ گزرتا ہے کہ اس وضع کردہ اصطلاح کو لوگ آپس میں استعمال کرنے لگتے ہیں۔ پھر یہ اصطلاحات ان لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جاتی ہیں جن میں سے کم ہی لوگوں نے اُن کثیر مباحث کو پڑھا تھا، جو آیات و

---

[1] اِن معانی واحکام اور ان آیات واحادیث کو خود استاذ حسن ہضیبیؒ نے اپنے بیانات میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اقتباسات گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں (مترجم)

احادیث کی ـــ جو اُن محققین کے نزدیک اصل نہیں ـــ شرح کرتے ہوئے اور ان معانی کو ادا کرتے ہوئے، جو انہوں نے آیات و احادیث میں پائے تھے، محققین و مفکرین نے رقم کیے تھے، اور ان میں ایسے لوگ اور بھی تھوڑے ہوتے ہیں جنہوں نے باالاستیعاب اُن مباحث کا مطالعہ کیا ہو جو محققین و مفکرین نے تحریر کیے تھے اور جو کچھ ان مباحث سے اُن کی مراد تھی اور جو اُن کا مقصد تھا، اُسے وہ پوری طرح پا سکے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن اصطلاحوں کو استعمال کرنے والوں کی غالب اکثریت ان کے واضعین کے حقیقی مدعا کو اس کے سوا کچھ نہیں جانتی کہ اس نے یہاں اور وہاں سے اپنے طور سے کچھ مبہم سی عبارتیں سن رکھی ہیں یا ان عبارتوں کو اس تک ایسے لوگوں نے نقل کیا ہے جو بات کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے اور نہ انہیں ٹھیک طور سے نقل اور بیان کر پاتے ہیں پھر تھوڑی ہی مدت گزرتی ہے کہ خود یہ اصطلاحیں لوگوں کے ذہنوں میں جڑ پکڑ لیتی ہیں اور وہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہی وہ اصل ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہی وہ کلی اور جامع حکم ہے جس سے مختلف تفصیلی احکام متفرع ہوتے ہیں۔ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ آیات و احادیث ہی ـــ جن میں وہ مفہوم پایا گیا تھا، جس کے لیے یہ اصطلاح بطور عنوان کے وضع کی گئی ہے ـــ اصل ہیں، جن کی طرف رجوع کرنا ضروری و متعین ہے، بلکہ بعض لوگوں کے ذہن سے یہ بات بھی اوجھل ہو جاتی ہے کہ اصطلاح کے وضع کرنے والوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ کچھ عام معانی کو ـــ جنہیں وہ ابھار کر پیش کرنا اور لوگوں کی توجہات کو ان کی اہمیت کی طرف جذب کرنا چاہتے تھے ـــ ایک خاص انداز سے پیش کیا جائے۔ اُن کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہ کچھ فقہی احکام، خصوصاً تفصیلی احکام وضع کریں۔ اِس طرح بعض لوگ اپنے معتقدات کی اساس ایک ایسی اصطلاح کو بناتے ہیں جس کے لیے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ یہ اساس غیر معصوم انسان کے ـــ جس پر خطا و وہم کا ورود ہوتا رہتا ہے ـــ کلام پر مبنی ہے، پھر جو کچھ اس نے کہا ہے اس کے سلسلے میں عام طور پر ان کا علم کچا پکا اور غلط سلط ہوتا ہے۔ اِس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اُن اصطلاحات سے خود کو وابستہ نہ کریں، جو غیر معصوم انسانوں کا کلام ہے

اور رب العالمین اور نبیِ معصوم، سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کو مضبوطی سے پکڑیں اور اس کی پناہ میں آجائیں ..... شرعی احکام اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث سے اخذ کیے جاتے ہیں، اُن اقوال و اصطلاحات سے نہیں، جنہیں لوگ وضع کرتے ہیں، خواہ وہ کوئی ہوں ..... ہمیں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ہوتے ہوئے غیر معصوم انسانوں کی وضع کردہ اصطلاحات سے خود کو وابستہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ہم نے استاذ حسن ہضیبیؒ کی پوری عبارت — معمولی حذف کے ساتھ — یہاں نقل کر دی ہے تاکہ اس سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر اچھی طرح سامنے آسکے۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا، اس کا حاصل ہمارے الفاظ میں یہ ہے:-

۱- کچھ معانی و مطالب کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ میں موجود ہیں۔
۲- اِن مطالب کو ادا کرنے کے لیے "حاکمیت" کی اصطلاح وضع کی گئی۔
۳- اِس لفظ کی اضافت اللہ کی طرف کر دی گئی اور "حاکمیۃ اللہ" — اللہ کی حاکمیت — کی اصطلاح چل پڑی۔
۴- اس اصطلاح سے کچھ احکام بھی متفرع کیے جانے لگے کہ اللہ کی حاکمیت کا مفہوم یہ ہے، اس کے تقاضے کے طور پر یہ عقائد ہونے چاہییں اور اس طرح کے اعمال کو لازماً ادا کرنا چاہیے اور جو ایسا نہ کرے وہ ایسا اور ایسا ہے۔
۵- لیکن "حاکمیت" اور "حاکمیۃ اللہ" کے الفاظ نہ قرآنِ کریم میں آئے ہیں، نہ احادیثِ رسول میں۔
۶- محققین و مفکرین آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں پائے جانے والے مفاہیم کے لیے اصطلاحات وضع کرتے رہے ہیں۔
۷- لوگ اِن اصطلاحات کے سلسلے کی مباحث کو پوری طرح پڑھے اور اچھی طرح سمجھے بغیر اِن اصطلاحات کا عام استعمال کرنے لگے ہیں۔
۸- آیات و احادیث کے بجائے — جن کے مطالب کو ادا کرنے کے لیے اصطلاحات

وضع کی گئی تھیں ـــ لوگ اِن اصطلاحات ہی کو اصل خیال کرنے اور انہیں کلّی اور جامع حکم سمجھنے لگتے ہیں اور انہیں اپنے معتقدات اور فقہی احکام کی تخریج کے لیے اساس و بنیاد بنانے لگتے ہیں۔

۹۔ غیر معصوم انسانوں کی وضع کردہ اصطلاحات سے خود کو وابستہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

۱۰۔ اِس کے بجائے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لینا چاہیے۔

استاذ حسن ہضیبی کی بحث پر ایک نظر

سوال یہ ہے کہ اس عبارت سے استاذ حسن ہضیبیؒ کا اصل مدعا کیا ہے؟ کیا یہ کہ قرآن اور حدیث میں جو اصطلاحات موجود ہیں، دینی مطالب کو ادا کرنے کے لیے اُن کے علاوہ دوسری اصطلاحات وضع کرنا غلط ہے؟ اگر اُن کا مدعا یہ ہے تو یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اہلِ علم پر یہ بات عیاں ہے کہ اصطلاحات کے وضع کرنے کا کام بالعموم دورِ نبوی دورِ صحابہ، دورِ تابعین اور دورِ تبع تابعین کے بعد دورِ عباسی میں اُس وقت ہوا جبکہ علوم کی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی۔ تجوید، تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، اسماء الرجال، فقہ، اصولِ فقہ اور علمِ عقائد و کلام، تمام دینی علوم کی اصطلاحات اکثر و بیشتر اسی دور میں وضع ہوئیں۔ اور یہ اصطلاحات قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہیں، یا ان معنوں میں استعمال نہیں ہوئی ہیں جو اِن اصطلاحات کے بعد کے ادوار میں قرار پائے اور اکابر قرار، مفسرین، محدثین، فقہاء، اصولیین اور متکلمین اِس "جرم" کے ـــ بشرطیکہ یہ کوئی جرم ہو ـــ مرتکب ہوئے ہیں ـــ استاذ حسن ہضیبیؒ نے بھی اِس عبارت میں ضمناً اس کا تذکرہ کیا ہے ـــ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور جاری رہے گا، موجودہ دور کی ضروریات کے پیشِ نظر بھی بہت سی اسلامی اصطلاحات وضع ہوئی ہیں، جن میں سے ایک "اللہ کی حاکمیت" ہے۔

یا استاذ حسن ہضیبیؒ کا مطلب یہ ہے کہ اِن اصطلاحات کو استعمال کرنا غلط ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ جب اصطلاحات صحیح دینی مطالب کی ادائیگی کے لیے وضع ہوئی ہیں اور ان کو امت کے اکابر اہلِ علم نے تاریخ کے تسلسل کے ساتھ

وضع کیا ہے اور یہ وضع کرنا شرعًا اور اخلاقًا غلط نہیں ہے بلکہ دین کی خدمت ہی کے لیے ہے تو ان کا استعمال بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ تجوید، تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ اور علمِ عقائد و کلام کی کتابوں میں ان اصطلاحات کا بہ کثرت اور پورے تسلسل کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور شاید ہی کوئی دینی وعلمی کتاب اُن سے خالی ہو۔ خود استاذ حسن ہضیبیؒ نے اپنی اسی کتاب میں بہت سی ایسی اصطلاحات استعمال کی ہیں، جن کا ذکر نہ قرآنِ مجید میں ہے اور نہ احادیثِ نبوی میں اور معمولی کوشش سے اُن کا ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے۔

یا استاذ حسن ہضیبیؒ کا مطلب یہ ہے کہ اِن اصطلاحات کا "غلط استعمال" غلط ہے، اگر اُن یہ مطلب ہے تو ہمیں اِس سے کُلّی اتفاق ہے مگر یہ صرف آج کے دور کی بات نہیں ہے اور نہ "اللہ کی حاکمیت" کے ساتھ مخصوص ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصطلاحات اور اہلِ علم کے اُن اصولی اقوال کا — جنہیں آیات و احادیث کی تعلیمات کی روشنی میں وضع کیا گیا تھا — بارہا غلط استعمال ہوا ہے۔ یہ غلط استعمال فقہ اور کلام میں نسبتًا زیادہ ہوا ہے۔ اکابر فقہاء نے جو اصول وضع کیے یا جو ان کی طرف منسوب کیے گئے، ان سے تفریع در تفریع اور تخریج در تخریج کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہا اور بعض اوقات اس میں آیات و احادیث بھی نظر انداز ہو گئیں یا اُن کی تاویل کر لی گئی اور ان اقوال اور بعض اوقات ان سے متفرع ہونے والی تفریعات ہی کو اصل دین سمجھ لیا گیا اور یہ سب کچھ اکابر فقہاء کی شدید تاکید کے — کہ کتاب و سنت ہی اصل ہے — علی الرغم ہوا۔ یہی معاملہ علمِ عقائد و کلام کا بھی ہے۔ یہاں بھی کچھ اصول اور کچھ اصطلاحات کو وضع کیا گیا اور پھر انہی کی روشنی میں صحیح اور غلط عقیدے اور ایمان و کفر کا فیصلہ ہونے لگا۔ اِس سلسلے میں بعض اوقات آیات و احادیث بھی نظر انداز ہو گئیں یا انہیں توڑ مروڑ کر ان کا حسبِ منشا مطلب نکال لیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اِس صورتِ حال پر شدّت سے تنقید کی ہے۔

لیکن اصطلاحات کے غلط استعمال کو روکنے کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ اصطلاحات

کو وضع کرنا یا انہیں استعمال کرنا بند کر دیا جائے کیونکہ علمی مباحث میں ایسا ممکن نہیں ہے۔
اس کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اصطلاحات کو احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے اور کسی اصطلاح
اور کسی بھی شخص کے قول کو کتاب وسنّت کی تعلیمات پر کسی حال میں فوقیت نہ دی جائے۔
بلکہ جیسا کہ ائمۂ دین نے ہمیشہ تاکید کی، اقوال واجتہاداتِ علماء کو ہمیشہ کتاب وسنّت کی
روشنی میں پرکھا جائے اور کتاب وسنت کی تعلیمات کو اصل حیثیت دی جائے اور اصطلاحات
اور اقوالِ ائمۂ دین کو فرع کی۔ آخری ادوار میں اس کی تاکید حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی
کتابوں اور اپنے وصیت نامے میں خصوصیت سے کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر اہلِ علم
اِس معاملے میں احتیاط نہیں برتتے اور وہ تقلیدِ جامد میں مبتلا ہیں۔

استاذ حسن ہضیبیؒ کی اِس پوری بحث پر غور کرتے وقت اُن حالات کو سامنے رکھنا اشد ضروری ہے جن میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس وقت جمال عبدالناصر کی فرعونی حکومت اخوان کے زعماء اور کارکنوں پر اعلائے کلمۃ اللہ کے جرم میں بدترین وحشیانہ مظالم ڈھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اخوان کے کتنے ہی زعماء اور کارکنان جاں بہ حق ہو گئے۔ بہت سے لوگ حالات سے مجبور ہو کر حکومت کے ساتھ اِن مظالم میں تعاون کر رہے تھے یا مُہر بہ لب تھے۔ اس صورتِ حال کے ردِعمل میں اخوان میں ایک طبقہ ابھرا جس نے ــــ جیسا کہ ناشر کے پیش لفظ اور کتاب کے تعارف میں ہے ــــ یہ خیال کیا کہ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ اخوانیوں کے علاوہ "جماعۃ الہجرۃ والجہاد" نام کی ایک جماعت تھی ــ اور اب بھی ہے۔ وہ اِس طرح کے خیالات کا مسلسل پرچار کر رہی تھی۔ وہ "اللہ کی حاکمیت" سے روگردانی کرنے والوں، غیر اسلامی قوانین نافذ کرنے والوں اور اسلامی حکومت کے علم برداروں کو مشقِ ستم بنانے والوں کو کافر قرار دے رہی تھی اور اُن کے خلاف ہر طرح کے تشدد کی قائل تھی۔ اور یہ سب کچھ "اللہ کی حاکمیت" کے زیرِ عنوان ہو رہا تھا! اِن حالات میں استاذ حسن ہضیبیؒ نے یہ کتاب لکھی اور اخوان کی دعوت اور اللہ کی حاکمیت کے سلسلے میں پیدا ہونے والی اور پیدا کی جانے والی غلط فہمیوں کے انبار کو احتیاط اور دقّتِ نظر کے ساتھ صاف کیا، اِن مباحث میں وہ ایک داعی سے زیادہ ایک فقیہ، ایک قانون داں

اور ایک جج کی باریک بینی اور احتیاط کا انداز اختیار کرتے ہیں ـــــ وہ "مرشدِ عام" بننے سے قبل وکیل اور جج ہی تو تھے ـــــ لیکن اس آخری بحث میں ان کے ذہن پر مصر کے خصوصی دینی، سیاسی اور علمی حالات کا غیر معمولی غلبہ نظر آتا ہے اور احتیاط کا دامن اُن کے ہاتھ سے کچھ چھوٹ سا گیا ہے! ـــــ اللہ کا شکر ہے کہ برصغیر میں مصر کے سے حالات نہیں ہیں، نہ "جماعت الہجرۃ والجہاد" قسم کی غالیانہ فکر رکھنے والی کوئی جماعت ہے اور نہ "اللہ کی حاکمیت" کی اصطلاح سے غلط فقہی احکام مستنبط کیے گئے ہیں، اس لیے بہ وقتِ ضرورت "اللہ کی حاکمیت" کی اصطلاح کو مناسب انداز میں استعمال کرنے میں یہاں کوئی قباحت نہیں ہے!

تتمۂ بحث لیکن اس بحث کو ختم کرتے کرتے ہم ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں جو استاذ حسن ہضیبیؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے پیدا ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ "اللہ کی حاکمیت" کی اصطلاح غیر اسلامی ہے یا کم از کم اس کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ اگرچہ کسی اصطلاح کے "اسلامی" اور "دینی" ہونے کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ اُس کا ذکر قرآن یا حدیث میں ہو، کیونکہ، جیسا کہ اوپر گزر چکا اکثر و بیشتر "دینی" اصطلاحیں ایسی ہی ہیں، ان کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ اس کے باوجود امّت کے اکابر اہلِ علم انہیں "دینی" اور "اسلامی" اصطلاح سمجھتے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی اصطلاح کے "اسلامی" اور "دینی" ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی دینی و اسلامی مفہوم کو صحیح طور پر ادا کرتی ہو اور بس!

بلاشبہ "حاکمیۃ اللہ" کے الفاظ قرآن وحدیث میں نہیں پائے جاتے، لیکن کیا اس کے ہم معنیٰ اور اس سے قریب الفاظ بھی قرآن وحدیث میں نہیں ہیں؟ نہیں، ایسا نہیں ہے، اِس اصطلاح کے ہم معنیٰ اور اس کے قریب متعدد الفاظ قرآن مجید میں موجود ہیں مثلاً لفظ "مُلْكٌ" (فرمانروائی، بادشاہت) کو لیجیے، یہ لفظ اللہ کی طرف منسوب کر کے قرآن مجید میں تقریباً تیس ۳۰ مقامات پر آیا ہے، چند حوالے ملاحظہ ہوں:

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اعراف: ۱۵۸)

"وہ اللہ کہ اُسی کے لیے ہے فرمانروائی آسمانوں اور زمین کی، نہیں ہے کوئی اِلٰہ مگر وہ!"

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ (فاطر: ۱۳، زمر: ۶)

"یہ ہے اللہ، تمہارا رب! اُسی کے لیے ہے فرماں روائی۔"

تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (ملک[1]، ۱)

"بہت بابرکت ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں فرماں روائی ہے!"

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ (اسراء: ۱۱۱، فرقان: ۲)

"اور بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں!"

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (تغابن، ۱)

"اسی کے لیے ہے فرماں روائی اور اسی کے لیے ہے حمد"

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ (آل عمران، ۲۶)

"کہو! اے اللہ! فرمانروائی کے مالک!"

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: ۱۸۹)

"اور اللہ ہی کے لیے ہے فرماں روائی آسمانوں کی اور زمین کی"

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (مائدہ: ۱۷، ۱۸)

"اور اللہ ہی کے لیے ہے فرمانروائی آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے مابین کی۔"

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بقرہ: ۱۰۷، مائدہ، ۴۰)

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ ہی کے لیے ہے فرمانروائی آسمانوں اور زمین کی۔"

کیا کوئی صاحبِ علم یہ بتا سکتے ہیں کہ اِن آیات میں لفظ "مُلْك" اللہ کے لیے جن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وہ "اللہ کی حاکمیت" کے سوا کچھ اور ہے؟

یہی نہیں "مَلِک" (فرمانروا، بادشاہ) اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے:

---

[1] قرآنِ مجید کی ایک سورت کا نام ہی "الْمُلْك" (فرمانروائی) ہے۔

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (طٰہٰ: ۱۱۴، مومنون: ۱۱۶)

"سو بلند درجہ اللہ کا، اُس سچے بادشاہ کا" (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ ..... (حشر: ۲۳)

"وہ اللہ ہے، جس کے سوا کوئی "الٰہ" نہیں ہے، فرماں روا، پاک و مقدس"

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ....." (جمعہ: ۱)

"اللہ کی تسبیح کرتی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، فرماں روا پاک و مقدس"

یہی نہیں کہ وہ کائنات اور اس کی تمام موجودات کا فرماں روا ہے — جس میں نوعِ انسانی بھی داخل ہے — بلکہ قرآن نے صراحت کی کہ وہ انسانوں کا بھی فرماں روا ہے۔ جس طرح کہ وہ ان کا معبود اور ان کا رب (پروردگار، مالک، حاکم) ہے:۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ (الناس: ۱تا۳)

"کہو! میں پناہ میں آتا ہوں انسانوں کے رب کی، انسانوں کے فرماں روا کی، انسانوں کے خدا کی!"

کیا ان آیات میں اللہ کی صفت "مَلِك" "حاکم و فرماں روا" کے سوا کسی اور معنیٰ میں ہے! بلاشبہ اللہ کائنات کا بھی حاکم و فرماں روا ہے اور انسانوں کا بھی، اور حاکمیت اُسی کے لیے ہے!

ایک اور لفظ "اَمْر" (حکم) ہے جو قرآن مجید میں اللہ کی طرف منسوب کر کے بار بار آیا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (اعراف: ۵۴)

"سنو! اُسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا، بہت بابرکت ہے، اللہ، کائنات کا رب!"

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ (یونس: ۳)

"یقیناً تمہارا رب (مالک و آقا) وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش (تختِ حکومت) پر متمکن ہوا، تدبیرِ امر (نظمِ حکومت) کرتے ہوئے"۔

اِن آیات میں "امر" سے فرماں روائی کے سوا کیا کچھ اور مراد ہے؟

بلا شبہ "حاکمیت" کا لفظ قرآن و حدیث میں نہیں ہے، لیکن اس کے ہم معنیٰ اور اس سے قریب ترین لفظ "حکم" تو موجود ہے، یہ لفظ قرآنِ مجید میں اللہ کی طرف منسوب کر کے بار بار آیا ہے:-

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (انعام: ۵۷، یوسف: ۴۰، یوسف: ۶۷)

"نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لیے!"

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (انعام: ۶۲)

"سُنو! اُسی کے لیے ہے حکم!"

لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (قصص: ۷۰)

"اُسی کے لیے ہے حمد حیاتِ اولیٰ (دُنیا) میں اور حیاتِ آخرت میں! اور اسی کے لیے ہے "حکم" اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے!"

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (قصص، ۸۸)

"اور اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو نہ پکارو! نہیں کوئی خدا مگر صرف وہ! ہر شے فنا ہونے والی ہے، سوائے اُس کی ذات کے! اُسی کے لیے ہے حکم! اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے!"

اِن آیات میں لفظ "حکم" جو "حاکمیت" سے قریب اور اس کی دوسری شکل ہے، حاکمیت ہی کے معنیٰ میں ہے۔

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ لفظ "حاکم" قرآن میں اللہ کے لیے استعمال نہ ہوا ہو، ذرا مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیے:-

وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ ۝ (اعراف: ۸۷، یونس: ۱۰۹، یوسف: ۸۰)

"اور وہ بہترین حاکم ہے!"

وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ ۝ (ہود: ۴۵) "اور تو سب سے بڑا حاکم ہے!"

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ○ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ○ (تین: ۷، ۸)

"تو (اے انسان!) اس کے بعد کیا چیز ہے جس کی بنا پر تو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے، کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں"!

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ "اللہ کی حاکمیت" صحیح اسلامی اصطلاح ہے اور لفظ اور معنیٰ، دونوں کے لحاظ سے اس کی جڑیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں، اس لیے اس کے صحیح اور مناسب استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔ رہا کسی اصطلاح یا لفظ یا قول کا غلط استعمال تو وہ قرآن وحدیث میں مذکور کسی بھی اصطلاح یا لفظ کا بھی ہوسکتا ہے۔ اور ہوا بھی ہے ــــ بلاشبہ اِس غلط استعمال کو روکنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

اسلامی حکومت اور استاذ حسن ہضیبیؒ

گزشتہ بحث تو ایک لفظی بحث تھی کہ "اللہ کی حاکمیت" کی اصطلاح استعمال کی جائے یا نہیں، ورنہ جہاں تک "اللہ کی حاکمیت" کے مفہوم، اس مفہوم کے تصورِ توحید میں داخل ہونے، اُس کے منکر کے کافر و مشرک ہونے اور اللہ کی حاکمیت کے عقیدے پر امت کے اجماع ہونے کا تعلق ہے، استاذ حسن ہضیبیؒ گزشتہ صفحات میں اُس پر تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں یہی نہیں، اللہ کی حاکمیت کے انسانی زندگی میں عملی تقاضے یعنی اللہ کے دین کی کامل و مخلصانہ پیروی، انسانی زندگی میں دین کے نفاذ اور دین کے غلبہ کی جدوجہد کا بھی گزشتہ عبارتوں میں بار بار تذکرہ کر چکے ہیں۔ لیکن انھوں نے اس پر بس نہیں کیا، بلکہ "دعاة لا قضاة" ہی کی الفصل التاسع (نویں فصل) میں الحکومة الاسلامية الامام الحق" (اسلامی حکومت یا برحق امام) کے عنوان کے تحت اِس موضوع پر تفصیلی بحث کی، اور وہ اور اخوان المسلمون کے زعماء اور کارکن اِس مقصد کے لیے عرب ممالک میں پچاس سال سے زیادہ عرصے سے عملی جدوجہد کرتے رہے ہیں اور اخوان المسلمون کا یہی وہ "جرم" ہے جس کی وجہ سے مصر، شام اور دوسرے عرب ممالک کے، "مسلمان" اربابِ اقتدار — جن کی حکومتیں غیر اسلامی ہیں — ان سے شدید ناراض ہیں، اس "جرم" کے باعث شیخ حسن البناؒ، عبدالقادر عودہؒ، سید قطبؒ اور دوسرے بہت سے اخوانی زعماء و کارکن راہِ حق میں شہادت سے سرفراز ہوئے اور "اخوان" کے ہزارہا ہزار افراد بار بار جیل کی بدترین سختیوں اور مظالم کا تختۂ مشق بنے۔ جن میں اخوان کے مرشدِ عام استاذ حسن ہضیبیؒ بھی تھے، جو اپنی شدید علالت کے باعث

پھانسی کی سزا سے بچ نکلے!

اور" اقامتِ دین" یہی "جرم" ہے، جس کے باعث جماعت اسلامی ہندو پاک بار بار اربابِ اقتدار کے غیظ و غضب کا شکار ہوئی، مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی ہندو پاک کے زعماء بار ہا جیل کی سختیوں سے گزرے اور طرح طرح کے مظالم کا شکار ہوئے۔ جماعت اسلامی پر پابندی لگی۔ مولانا مودودیؒ کو پھانسی کی سزا سنائی گئی جس سے وہ محض اللہ کے فضل اور اِس کے بعد مسلمانانِ عالم کے شدید احتجاج کے نتیجہ میں بچ گئے۔ کچھ علمائے کرام نے بھی اِس "جرم" کی پاداش میں جماعتِ اسلامی کے خلاف فتووں کی توپوں کے دہانے کھول دیے۔ برِ صغیر کے اکابر علمائے کرام غیر اسلامی سیاست میں غرق ہونے کے باوجود "اللہ والے" قرار پائے اور ان کی غیر دینی سیاست کو دینی سیاست ثابت کرنے کی کوششیں جاری رہیں لیکن جماعتِ اسلامی کی، اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد دنیوی سیاست اور دنیا طلبی قرار پائی جس سے "اللہ والوں" کو بہت دور بلکہ اُس کا مخالف و معاندر رہنا چاہیے اور اسلامی نظام اور اقامتِ دین کے علم بردار اربابِ اقتدار اور کچھ علمائے کرام، دونوں کے نزدیک گردن زدنی سمجھے گئے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب تبلیغی جماعت سے وابستہ لاکھوں افراد کی عقیدت کے مرکز اور اُن کے رشد و ہدایت کے ذمہ دار تھے، ان کی کتاب "تبلیغی نصاب" — جو ضعیف اور موضوع روایات اور بے سرو پا قصوں، کہانیوں سے پُر ہے — تبلیغی اجتماعات میں سبقاً سبقاً پڑھی جاتی ہے اور اس کے پڑھنے کی خاطر درسِ قرآن تک کو روک دیا جاتا ہے۔ ایمرجنسی کے زمانے میں، جبکہ کانگریسی حکومت نے جماعت اسلامی پر پابندی لگا دی تھی، اس کے زعماء اور کارکنوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ٹھونس دیا گیا تھا اور جماعت کے مکتبہ اور اس کے اخبارات کو بند کر دیا تھا، شیخ الحدیث کے علم و تقویٰ اور حق گوئی نے جوش مارا اور انہوں نے "فتنۂ مودودیت" کے نام سے ایک کتاب شائع کرائی اور اُسے تبلیغی جماعت سے وابستہ افراد نے ہندوستان و پاکستان میں بڑے پیمانے پر پھیلایا تاکہ جماعت اسلامی کے "سیاسی اور قانونی قتل" کے ساتھ اس کا

"دینی قتل" بھی ہو جائے اور جماعت اسلامی سے وابستہ افراد ایمرجنسی، پابندی اور زباں بندی کے باعث اس سلسلے میں اظہارِ خیال بھی نہ کر سکیں۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہندوستان کے اُس وقت کے اربابِ اقتدار بھی اپنی کوششوں میں ناکام رہے اور شیخ الحدیث بھی، بلکہ اُس وقت کی حکومت کا ایمرجنسی کے سیاہ کارناموں کی بدولت خاتمہ ہو گیا اور شیخ الحدیث نے بھی یہ کتاب لکھ کر خود اپنے ہاتھوں اپنے علم، تقویٰ اور دیانتداری کا خون کر دیا۔[1] اِس کتاب میں شیخ الحدیث "حکومتِ الٰہیہ کی حقیقت مودودی صاحب کے الفاظ میں" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:-

"میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ جس ترانے کو آپ ہر وقت گاتے ہیں، موجودہ زمانے میں وہ خیالی پلاؤ کے سوا اور کیا چیز رہ گئی، جبکہ خیرالقرون میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی باوجودیکہ اُن کی پشت پر تابعین و تبع تابعین کی جماعت تھی، اِس میں قطعی ناکام ہو چکے ہیں۔" (ص ۴۶)

یہ ہے شیخ الحدیث کے علم اور تقویٰ کا ایک نمونہ! ایک طرف تو انہیں اعتراف ہے کہ جماعت اسلامی وہی کام کر رہی ہے جس کا علم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے خلیفۂ راشد نے بلند کیا تھا، دوسری طرف وہ اس پر انتہائی غیر سنجیدہ اور سخیف انداز میں تنقید کرتے ہیں۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اِس کام میں قطعی ناکام رہے لیکن اگر وہ اِس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے ہوں تو اِس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ یہ جدوجہد غلط اور خیالی پلاؤ ہے۔ کسی بڑے سے بڑے فرد کی ناکامی سے کوئی ضروری اور اہم کام غلط نہیں ہو جاتا۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے انبیاء کی قوموں نے چند افراد کو مستثنیٰ کر کے، ان کی دعوت کو رد کر دیا، تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ انبیاء ناکام رہے اور دعوتِ دین کا کام بے کار اور خیالی پلاؤ ہے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ

---

[1] "فتنۂ مودودیت" کی اصل حقیقت کو جاننے کے لیے ملاحظ ہو "ردِّ فتنۂ مودودیت" مصنفہ ڈاکٹر سید انور علی، شائع کردہ ادارہ شہادتِ حق، دہلی۔

عالمِ انسانیت میں مسلمانوں کی دینی جماعتوں کی تمام تر جدوجہد کے باوجود غیر مسلموں کی عظیم ترین اکثریت اسلام سے بدگمان اور اس کی مخالف ہے اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت عقیدہ وعلم اور قول وفعل میں اسلام سے بے گانہ اور دور ہے تو کیا اصلاح ودعوت کے اِس کام کو ترک کردینا چاہیے! ہرگز نہیں! ہم نتائج کے مکلف نہیں ہیں، صرف جدوجہد کے مکلف ہیں، اسلامی انقلاب تو الگ رہا، کسی ایک انسان کو ہدایت دینا بھی ہمارے بس میں نہیں ہے اور قرآنِ مجید کی صراحت کی رو سے انبیاء کے بس میں بھی نہیں، پھر جس طرح پوری زندگی میں اسلام کی پیروی ضروری ہے، جس طرح دین کی دعوت وتبلیغ ضروری ہے، جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہیں، اِسی طرح حق کو باطل پر غالب کرنے اور اسلام کو نافذ اور اسلامی نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد بھی ضروری ہے — حیرت ہے کہ شیخ الحدیث دین کی اِس عظیم اور بنیادی حقیقت سے بے خبر ہیں!

ذیل میں ہم استاذ حسن ہضیبیؒ کی کچھ نگارشات کو، جو اسلامی حکومت اور اس کے قیام سے متعلق ہیں، پیش کرتے ہیں۔ ان سے یہ واضح ہو سکے گا کہ دین میں اِس کام کی کیا حیثیت واہمیت ہے!

ایمان اور اس کا تقاضا

استاذ حسن ہضیبیؒ "عقیدتنا" "ہمارا عقیدہ" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

ونؤمن ایماناً کاملاً تاماً ان شریعۃ اللہ ھی الواجبۃ النفاذ وان واجب کل فرد مسلم العمل بمقتضاھا وانفاذھا فعلاً ما استطاع الیٰ ذلک سبیلاً سواء انفذھا الحاکم ام عمل علیٰ تعطیلھا.... " (دعاۃ لاقضاۃ ص۷۶)

"ہم پورا اور کامل ایمان ویقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی شریعت ہی وہ شریعت (اور قانون) ہے جس کا نفاذ لازم وضروری ہے اور ہر مسلمان فرد پر واجب وضروری ہے کہ اس کے تقاضوں پر عمل کرے اور جس حد تک اس کی استطاعت ہو، اسے عملاً جاری ونافذ کرے، خواہ حاکم (وقت) شریعت الٰہی کو نافذ کرے یا اسے معطل کرکے رکھ دے!...."

ایمان اور عقیدے کے تقاضے بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:-

وایضاًفان مقتضیٰ الایمان باللہ تعالیٰ وتوحیدہ ومقتضی الاعتقاد بانہ تعالیٰ المعبود بحق الواجب الانقیاد لہ علی الاطلاق ومقتضیٰ ذلک تنفیذ امر اللہ والعمل فعلاً بما امر اللہ تعالیٰ بہ والانتہاء فعلاً عما نہیٰ عنہ وھذا داخل فی مضمون العبادۃ ولازم من الاعتقاد بانہ تعالیٰ ھو المعبود بحق وثابت من النصوص القاطعۃ الصریحۃ . . . ؟" (ص ۶۸، ۶۹)

"نیز اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید پر ایمان کا اور اِس اعتقاد کا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے اور اسی کی مطلق اور کامل اطاعت واجب و لازم ہے، اِس سب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو جاری و نافذ کیا جائے۔ جن کاموں کے کرنے کا، اللہ نے حکم دیا ہے، انہیں عملاً اختیار کیا جائے اور جن کاموں سے روکا ہے، اُن سے عملاً رکا جائے، اور یہ سب عبادت کے مضمون میں داخل ہے، اور اس اعتقاد سے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، یہی لازم ہوتا ہے اور یہ قطعی اور صریح نصوص سے ثابت ہے . . . ."

گویا اللہ، توحید اور اللہ کے معبودِ برحق اور واجب الاطاعت ہونے پر ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کی شریعت کو جاری و نافذ کیا جائے — مزید فرماتے ہیں :-

ومن اعتقد بعد ان بلغہ الحق وقامت علیہ الحجۃ انّ شریعۃ اللہ التی امر اللہ تعالیٰ بنفاذھا والعمل بھا متوقف علی اذن شخص اوھیئۃ اوجماعۃ اوکائن من کان فقد جعل من ھؤلاء حکاماً علی اللہ تعالیٰ یحد سلطانہم من سلطان اللہ فھو قد جعلہم شرکاء اللہ تعالیٰ — تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً (دعاۃ لاقضاۃ ص۶۹)

"جو شخص اِس بات کا اعتقاد رکھے — بعد اِس کے کہ اُسے حق پہنچ چکا ہو اور حجت قائم ہو گئی ہو — کہ اللہ کی شریعت، جس کے نفاذ اور جس پر عمل کرنے کا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ کسی شخص یا تنظیم یا جماعت یا کسی بھی فرد کے اذن پر موقوف ہے، تو اس نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر حاکم ٹھہرایا کہ اللہ کے اقتدار سے کاٹ کر ان کو اقتدار بخشتے ہیں، اُس نے درحقیقت انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا — اللہ تعالیٰ اس سے بہت

بلند و برتر ہے!"

اسلامی حکومت کی تعریف استاذ حسن ہضیبیؒ الفصل التاسع (نویں فصل) میں "الحکومۃ الاسلامیۃ اوالامام الحق" (اسلامی حکومت یا امام حق) کے عنوان کے تحت رقم فرماتے ہیں:۔

وقلنا ایضًا ان اللہ عزوجل لم یرد منا مجرد الاقرار بالطاعۃ لہ ولرسولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بلا عمل باوامرہ واجتناب لنواھیہ و لکننا مامورون فضلًا من الاعتقاد بوجوب الطاعۃ بالطاعۃ الفعلیۃ وذٰلک بانفاذ شرائع اللہ فی ما امرونھیٰ وفرض واباح وتحویل ذلک الیٰ واقع حی قائم فتمکن فی الارض۔ (دعاۃ لاقضاۃ ص۱۳۰)

"اور ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہم سے اپنی اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا صرف اقرار نہیں چاہا ہے، جس کے ساتھ اس کے احکام و اوامر پر عمل اور اس کی منہیات سے اجتناب نہ ہو۔ ہم اطاعت کے فرض ہونے کے اعتقاد سے آگے بڑھ کر عملی اطاعت کے لیے مامور ہیں، اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شرائع و قوانین میں جن باتوں کا حکم دیا، جن سے روکا، جنہیں لازم اور فرض قرار دیا اور جنہیں مباح ٹھہرایا اُن سب قوانین کو نافذ کیا جائے اور انہیں زندہ، قائم اور زمین میں متمکن واقعہ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت اِس لیے بھیجی ہے کہ وہ نافذ ہو اور کتابوں، دلوں اور زبانوں سے آگے بڑھ کر دنیا میں زندہ، قائم اور غالب واقعہ کی شکل اختیار کر لے بالفاظِ دیگر اسلامی نظام دنیا میں عملًا نافذ اور غالب ہو جائے — آگے فرماتے ہیں:۔

واذ ذٰلک کذٰلک فانہ یخلص لک ان الحکومۃ الاسلامیۃ غیر مکلفۃ بابتداع شرائع ولا استحداث اھداف وغایات تریٰ فیھامن ذات نفسھا مصلحۃ للعباد وھی لیست غیر مکلفۃ بذٰلک فقط بل ھی منھیۃ عنہ لمافی ذٰلک من خروج علیٰ احکام الشرعیۃ وتبدیل وتغییر لھا۔

"جب یہ بات اِس طرح ہے تو یہ بات تمہارے لیے واضح و منقح ہو جائے گی کہ اسلامی حکومت اس بات کی مکلف نہیں ہے کہ وہ نئے قوانین بنائے اور نہ اِس بات کی کہ وہ اپنی طرف سے ایسے مقاصد اور غایات طے کرے جس میں اسے اپنے طور سے بندوں کا مفاد نظر آتا ہو۔ وہ نہ صرف اس کی مکلف نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ بات ممنوع ہے کیونکہ یہ احکامِ شریعت سے بغاوت اور اس میں تغیر و تبدل ہے۔"

غیر اسلامی اور لادینی حکومت کی کتنی جامع تعریف ہے یہ! ایسی حکومت انسانوں کے مفادات کی خاطر اپنی طرف سے مقاصد طے کرتی اور اِن مقاصد کے حصول کے لیے اپنی طرف سے قوانین بناتی ہے، اسلامی حکومت ایسی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ تو شریعتِ الٰہی سے بغاوت کے مترادف ہے!

اسلامی حکومت کسے کہتے ہیں اور اُس کے مقاصد کیا ہوتے ہیں، علمائے سلف کے اقوال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ومن ثم فان الحکومة الاسلامیة اوالامام الحق انماھی الحکومة التی تعتنق الاسلام دیناً وتقوم علیٰ تنفیذ احکام الشریعة وحراسة الدین و یقول ابوالحسن الماوردی فی کتابه الاحکام السلطانیة ' الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا ویقول التفتازانیؒ تعریفاً للامامة انہا: ریاسة عامة فی امر الدین والدنیا خلافة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (دعاة لاقضاة ص۱۳۰)

"اور اِسی لیے اسلامی حکومت یا امامِ حق وہ ہے جو اسلام کو اپنا دین بنائے اور احکامِ شریعت کے نفاذ اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے۔ امام ابوالحسن ماوردیؒ اپنی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں فرماتے ہیں:۔ امامت دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست میں نبوت کی خلافت و نیابت کا نام ہے، اور امام تفتازانیؒ امامت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتے ہوئے دین اور دنیا کے امور میں عمومی ریاست و حکومت ہے۔

اسلامی حکومت کی ضرورت

"اسلامی حکومت" کی عقلاً اور شرعاً کیا ضرورت ہے، استاذ حسن ہضیبیؒ اس پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:-

وفي ما نرى فان هذه التعريفات للحكومة الاسلامية يشملها ما قلناه من ان "الحكومة الاسلامية" او "الامام الحق" انما هي الحكومة التي تعتنق الاسلام دينا وتقوم على تنفيذ احكام الشريعة، فاحكام الشريعة هي التي تأمرنا بحراسة الدين والذب عنه والتمكين للمسلمين في الارض وصد العدوان الذي قد يقع عليهم والعمل على نشر دعوة الله والقتال لتكون كلمة الله هي العليا - وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال، ۳۹) واحكام الشريعة هي التي تأمرنا بما حددته لنا من احكام متعلقة بتنظيم العلاقة بين الحاكم والمحكوم وتعيين شكل ونظام الدولة والحريات التي تكفل للافراد والجماعات وهي التي تأمرنا باتباع وتنفيذ ما حددته من شرائع تحكم الحياة الاجتماعية والاقتصادية وعلاقة الامة الاسلامية بغيرها من الامم، الى غير ذلك مما يشمل حياة الامة والافراد في مختلف نواحيها وهي تربط بين ذلك جميعا وبين حياة الامة وافرادها وبين المصير في الآخرة وهي التي تؤكد ان ذلك كله مما امرت به، انما يجب اعتقاده والعمل به وتحقيقه طاعةً لله تعالى وامتثالاً لامره وخشوعاً وانكساراً له وابتغاء وجهه تعالى فلا يقبل اي عمل مما عاد بالنفع في الدنيا على صاحبه وعلى الناس الا اذا صدر ممن يدين لله عز وجل بدين الحق وابتغاء وجه ربه الاعلى - ذلك جميعه تتضمنه الآية الكريمة الجامعة اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج، ۴۱) وذلك الذي قدمناه هو جوهر الحكومة

الاسلامية والامام الحق وهو محل اتفاق بين جميع الفقهاء وتقوم عليه نصوص قاطعة۔ (دعاۃ، لاقضاۃ، ص ۱۳۲)

"حکومتِ اسلامیہ یا امام برحق کی، ہم نے جو تعریف کی ہے کہ 'وہ ایسی حکومت ہے' جو اسلام کو بطور دین کے اپناتی ہو اور شریعت کے احکام کے نفاذ کی ذمہ دار ہو، ہمارے خیال میں یہ تعریف، ان تمام تعریفات پر، جو اوپر گزر چکیں، مشتمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شریعت کے احکام ہی ہیں جو ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم دین کی حفاظت اور اُس کی مدافعت کریں، مسلمانوں کو زمین میں غلبہ و تمکن دلائیں، اُن پر جو مظالم ہو رہے ہوں، انہیں روکیں، اللہ کی دعوت کی نشر و اشاعت کا کام کریں اور جہاد و قتال کریں تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال: ۳۹) اور اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین (اطاعت) سرتاسر اللہ کے لیے ہو جائے۔" اور شریعت کے احکام ہی ہمیں حکم دیتے ہیں اور ہمیں وہ احکام و ہدایات دیتے ہیں جو حاکم اور محکوم کے تعلقات کو منظم کرنے اور حکومت کی شکل، اس کے نظام اور ان آزادیوں کو، جو افراد اور جماعتوں کو ملنی چاہئیں، متعین کرنے کے لیے دیے گئے ہیں، اور شریعت ہی ہمیں اِس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اُن قوانین و شرائع کا اتباع اور انہیں جاری و نافذ کریں، جو اُس نے اجتماعی اور اقتصادی زندگی کے سلسلے میں دیے ہیں اور جو یہ بھی بتاتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کے دوسری قوموں سے کس طرح کے روابط ہوں۔ یہ اور اِس طرح کے دوسرے قوانین ہیں، جو امتِ مسلمہ اور اس کے افراد کی زندگی کا، اس کے مختلف گوشوں میں احاطہ کرتے ہیں، اور یہی شریعت اِن سب احکام کے، اور امت اور اس کے افراد کی زندگی کے اور آخرت کے انجام کے مابین ربط قائم کرتی ہے، اور وہ تاکید کے ساتھ یہ بھی واضح کرتی ہے کہ یہ سب قوانین، جس کا، اُس نے حکم دیا ہے، ان پر اعتقاد، ان کے مطابق عمل اور زندگی میں ان کا تحقق و استقرار اللہ کی فرماں برداری، اُس کے حکم کی تعمیل، اس کے حضور عاجزی و انکساری اور اس کی رضا جوئی ہی کے لیے ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی عمل، خواہ وہ عمل کے کرنے والے اور

لوگوں کے لیے کتنا ہی مفید ہوگا، (عند اللہ) اُس وقت مقبول ہوگا جبکہ اُس کا کرنے والا وہ شخص ہو جو دینِ حق کو اپنا کر اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہو چکا ہو اور اس کا عمل اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ یہ سارا مضمون اِس جامع آیت کریمہ میں ہے:۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج، ۴۱) "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، معروف کا حکم کریں اور منکر سے روکیں، اور اللہ ہی کے لیے امور و معاملات کا انجام ہے!" اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا، یہی حکومتِ اسلامیہ اور امام برحق کا جوہر ہے، اِس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے اور اِس کے حق میں واضح نصوص ہیں۔"

کتنا واضح، جامع اور مدلل بیان ہے یہ! بہ الفاظ دیگر نہ صرف یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ، ان کی مدافعت اور اسلامی قوانین و احکام، خصوصًا اجتماعی قوانین کا نفاذ اسلامی حکومت پر منحصر ہے، بلکہ اسلامی حکومت خود بہت سے احکامِ الٰہی کی اتباع اور شریعتِ محمدی پر عمل درآمد ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسلامی حکومت قائم نہ کی جائے تو بہت سے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی اور دین اور ملت دونوں خطرات کا شکار ہوں گے!

اسلامی حکومت کے قیام کے وجوب پر اُمت کا اجماع

اِس مسئلے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے استاذ حسن ہضیبیؒ فرماتے ہیں:۔

وُجُوْبُهَا۔ اقامة الحكومة الاسلامية والامام المسلم القائم على انفاذ احكام الله والذى يسوس الامة بمقتضى احكام الشريعة التى اتى بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض ثابت وجوبه على المسلمين بالاجماع المبنى على نصوص شرعية ثابتة (دعاة، لاقضاة ص۱۳۳)

"اس کی فرضیت:۔ حکومتِ اسلامیہ اور مسلم فرمانروا کی اقامت، جو احکامِ الٰہی کے نفاذ کا ذمہ دار ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے تقاضوں کے مطابق امتِ مسلمہ پر حکمرانی کرے، فرض ہے، مسلمانوں پر اس کی فرضیت اُس اجماع

سے ثابت ہے، جو شریعت سے ثابت نصوص پر مبنی ہے۔"

پھر وہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

صحابۂ کرامؓ کا اجماع | فقد اجمع الصحابۃ رضوان اللہ علیھم عقب وفاۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام علی وجوب ان یخلفہ اماماً للمسلمین یقوم علی حراستہ الدین وتنفیذ احکام الشریعۃ وھم ان اختلفوا فی بادی النظر علی شخص الامام الا ان احداً منھم لم یذھب الی القول بان لاحاجۃ الیہ ثم انعقد الاجماع علی اختیار ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واماماً للمسلمین واذا کان اختیار ابی بکر قد تم فی حضور بعض المھاجرین والانصار بسقیفۃ بنی ساعدۃ علی ما ھو المشھور الا ان ھؤلاء الذین حضروا ذلک الاجماع وتولوا امر ذلک الاختیار کانوا اکابر الصحابۃ من المھاجرین والانصار من اصحاب الشوکۃ والکلمۃ النافذۃ والنیابۃ الحقۃ عن اقوامھم وقبائلھم ثم ان الامر لم یقتصر علی ذلک وانما طرح الصدیق رضوان اللہ علیہ امر الخلافۃ فی جمع حاشد حضرۃ الصحابۃ رضوان اللہ علیھم بمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال ما معناہ ان محمداً قد قضی لسبیلہ ولا بد لھذا الامر من قائم یقوم بہ فانظروا وھاتوا اراءکم" فناداہ الناس من کل جانب صدقت یا ابا بکر ولم یوجد من یقول ان الامر یصلح من غیر قائم بہ اوان الدین لاحاجۃ لمن یقوم علی حراستہ ومن ثم کان اجماع افضل المسلمین علی وجوب قیام الامامۃ ای الحکومۃ الاسلامیۃ۔ (دعاۃ لا قضاۃ ص۱۳۳)

"رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جانشین ہو، جو مسلمانوں

لہ المحلی لابن حزم ج ۹ ص۳۶۰۔

کا سردار و امام ہو اور دین کی حفاظت اور احکامِ شریعت کے نفاذ کا ذمہ دار ہو۔ اگرچہ بادی النظر میں ان کے مابین اِس بات پر اختلاف ہو گیا تھا کہ امام (خلیفہ) کون ہو مگر ان میں سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا کہ خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام منتخب کر لینے پر بھی ان کا اجماع ہو گیا۔ اگرچہ مشہور روایت کے مطابق ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب سقیفۂ بنی ساعدہ میں کچھ مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں ہوا تھا۔ مگر یہ لوگ، جو اس اجماع کے وقت موجود تھے اور جو اس انتخاب کے ذمے دار تھے، وہ مہاجرین و انصار میں سے اکابر صحابہ تھے، اور وہ انتہائی پُرزور اثرات اور اپنی قوموں اور قبیلوں کی صحیح نیابت کے حامل تھے۔ پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہو گئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ایک پُرہجوم مجمع کے سامنے، جو مسجدِ نبوی میں جمع تھا، خلافت کے مسئلہ کو پیش کر دیا اور انہوں نے اس طرح کی بات فرمائی:۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راہ پر چلے گئے (وفات پا گئے) اور اِس معاملے (دین) کے لیے ایک ذمہ دار ناگزیر ہے جو اس کی ذمہ داریاں اٹھائے تو اپنی رائیں پیش کرو، اس پر ہر گوشے سے لوگوں کی آوازیں آئیں:۔ 'اے ابو بکر رض تم نے سچ کہا، اور ایسا کوئی شخص پایا نہیں گیا جس نے یہ کہا ہو کہ دین کا معاملہ بغیر کسی ذمہ دار کے بھی درست ہو سکتا ہے یا یہ کہ دین کو اپنی حفاظت کے لیے کسی ذمہ دار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح سب سے افضل مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ امامت یعنی حکومتِ اسلامیہ کا قیام واجب ہے۔"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور آپ کی تجہیز و تکفین سے پہلے امام کا انتخاب اور اس پر صحابہ کا اجماع اِس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی ریاست و خلافت ایک بہت اہم اور ضروری امر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد خلیفہ کا انتخاب نہ ہوتا تو خیر القرون میں بھی امتِ مسلمہ انتشار و افتراق کا شکار ہو جاتی اور آپ کی وفات سے قبل اور بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت، مرتدین اور مانعین زکوٰۃ اور قبائلی عصبیت کے جو عظیم فتنے رونما ہو گئے تھے۔ ان کی تیز و تند رو میں

اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت ہی نہیں، خود اسلام بہہ جاتا۔ دراصل خلیفہ کا اور خلافت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا بالاجماع انتخاب، حضرت صدیق کی غیر معمولی استقامت اور ان کے پشت پر صحابہ کرام رضؓ کا اتحاد اور ان کی عظیم جاں نثاریوں نے اسلام اور امتِ مسلمہ کو ان تمام خطرات سے بچا لیا! آج جبکہ اسلام اور امتِ مسلمہ کو ہر سو شدید ترین خطرات کا سامنا ہے۔ اُس وقت سے کہیں زیادہ امامِ حق اور اسلامی حکومت کی ضرورت ہے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے استاذ حسن ہضیبیؒ فرماتے ہیں:۔

ثم تكرر هذا الاجماع عند مبايعة عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهما بل انه بعد مقتل عثمان رضى الله عنه فان النزاع الذى قام بين على بن ابى طالب كرم الله وجهه ومعاوية بن ابى سفيان رضى الله عنه لم يكن حول وجوب قيام الامام، فان كلاً من الفريقين لم يكن ينازع فى وجوبه وفى ضرورة قيام الامام المسلم القائم على حراسة الدين وتنفيذ احكامه وانما اقتصر النزاع على التصرف نحو قتلة عثمان رضى الله تعالىٰ عنه وصحة البيعة لعلى كرم الله وجهه (دعاة لاقضاة ص ۱۳۲، ۱۳۳)

"دوبارہ یہ اجماع حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کی بیعت خلافت کے وقت ہوا، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد بھی، کیونکہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے مابین نزاع قیامِ امام کے وجوب کے سلسلے میں نہیں تھا۔ دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی فریق امام کے وجوب اور مسلمان امام (خلیفہ) کے — جو دین کی حفاظت اور دین کے احکام کے نفاذ کا ذمہ دار ہو — قیام کی ضرورت کے سلسلے میں نزاع نہیں کر رہا تھا۔ نزاع جو کچھ تھا۔ وہ اس امر میں تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے کس طرح نمٹا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت صحیح تھی یا نہیں!"

صحابۂ کرام کے بعد کے مسلمانوں کا اجماع

مسلمانوں کے اجماع پر روشنی ڈالتے ہوئے استاذ حسن ہضیبی رقم طراز ہیں:۔

ثم اجمع المسلمون من بعد خلافة علیٰ کرم اللہ وجهہ و بعد ظهور الفرق الاسلامية علیٰ وجوب قيام الامام المسلم فاتفق جميع اهل السنة علیٰ وجوب ذٰلك وكذا الشيعة والمعتزلة والمرجئة والخوارج حاشا النجدات من الخوارج فقد رأوا ان الناس يتعين عليهم ان يتعاطوا الحق فی ما بينهم واجازوا قيام الامام ولكنهم لم يعتبروا ذلك فرضًا وقد اندثرت هٰذه الطائفة بفضل الله۔ (دعاة، لاقضاة ص ۱۳۴)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بعد اور مختلف اسلامی فرقوں کے پیدا ہونے کے بعد (اس انتشار وافتراق کے باوجود) مسلمانوں کا اجماع مسلمان امام کے قیام کے وجوب پر ہوگیا۔ چنانچہ اس کے وجوب پر تمام اہل سنّت کا اتفاق ہے، اسی طرح شیعہ، معتزلہ، مرجئہ اور خوارج (سب کے سب) اس معاملے میں متفق ہیں، بجز خوارج کے ایک فرقے "نجدات" کے، جن کی رائے یہ تھی کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے حق ادا کردینے چاہییں (اور کسی نظمِ حکومت کی ضرورت نہیں ہے) ان کے نزدیک امام کا قیام جائز ہے، لیکن اسے انھوں نے فرض خیال نہیں کیا— یہ فرقہ اب اللہ کے فضل سے مٹ چکا ہے۔"

گویا امتِ مسلمہ اور اس کے تمام فرقے — اہل سنت، شیعہ، معتزلہ، مرجئہ خوارج سب کے سب وجوبِ اقامتِ امامت وخلافت پر متفق ہیں اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ امارت اور قرآنِ مجید

استاذ حسن ہضیبی رح اجماعِ امت کی بنیادوں پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وذٰلك الاجماع يقوم علیٰ نصوص شرعية منها قول الله عزوجل يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ [1] فنصت الاٰية علیٰ وجوب طاعة

[1] النساء: ۵۹۔

اولی الامر فدل ذلک علیٰ ان یکون بین المسلمین اولوا امر تجب طاعتہم (ص۱۳۲)

"اور یہ اجماع شرعی نصوص پر مبنی ہے ان میں سے ایک نص اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:-

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء۵۹)

"اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اُن کی، جو تم میں سے اولی الامر ہوں" آیت اولی الامر کی اطاعت کے وجوب میں صریح ہے، اِس سے واضح ہوا کہ مسلمانوں میں اولی الامر ہوں گے جن کی اطاعت ضروری ہوگی۔"

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بنیادی طور سے تین اطاعتیں ہیں: ۱۔ اللہ کی اطاعت ۲۔ رسول کی اطاعت ۳۔ مسلم اولی الامر کی اطاعت۔ اگر اولی الامر یا اسلامی حکومت کا ادارہ اسلام میں بنیادی اور مستقل نوعیت کا نہ ہوتا تو اِس طرح اس کی اطاعت کا حکم دیا نہ جاتا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مسلم اولی الامر (ارباب اقتدار) کی اطاعت فرض قرار نہ پاتی۔[1]

مسئلہ امارت اور سنتِ رسول

مسئلہ وجوبِ امارت پر اجماعِ امت کی دوسری بنیاد — سنّتِ رسول — کا ذکر کرتے ہوئے استاذ حسن ہضیبیؒ فرماتے ہیں:-

ومنها قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَتَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَوْفُوْا بِبَیْعَةِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ وَاَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ[2] وفی نص الحدیث ذکر الخلفاء وان لہم حقوقًا والامر بالوفاء بالبیعۃ لہم

---

[1] بہت سی صحیح احادیث میں امیر کی اطاعت کا حکم ہے اور امیر کی اطاعت کو رسول کی اطاعت اور اس کی نافرمانی کو رسول کی نافرمانی کا ہم معنیٰ قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو مشکواۃ کتاب الامارۃ والقضاء) ان میں سے کچھ احادیث کو استاذ حسن ہضیبیؒ نے بھی "السمع والطاعۃ" کے ذیلی عنوان کے تحت نقل کیا ہے۔ [2] المحلیٰ لابن حزم۔ جلد ۹ ص۳۶ عن ابی ھریرۃ رواہ مسلم۔

کذلک دلّ عمل الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام علیٰ وجوب وجود الامام المسلم القائم علیٰ تنفیذ احکام الشریعۃ فانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان علیٰ رأس المسلمین قائماً علیٰ تنفیذ احکام الشریعۃ فیھم وتولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام القضاء بین الناس واقامۃ الصلوٰۃ واقامۃ الحج وجمع الزکوٰۃ واعطائھا لاصحاب الحقوق فیھا وتجھیز الجیوش واعدادھا للدفاع وللغزو۔ کما انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ولی الامراء علی البلاد التی خضعت للاسلام فی عھدہٖ، من ذٰلک[1] انہ امر باذان الفارسی علی الیمن کلّھا فلمّا مات ولّٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابنہ "شھر" صنعاء و اعمالھا وولی المھاجر بن امیۃ، کندہ والصدف وولی زیاد بن لبید، حضرموت، وولّٰی اباموسی الاشعری زبید وعدن ورمع والساحل وولّٰی معاذ بن جبل الجند وولّٰی عتاب بن اسید مکۃ واقامۃ الموسم والحج بالمسلمین سنۃ ثمانٍ وولّٰی اباسفیان بن حرب نجران وولّٰی علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ علی الاخماس بالیمن والقضاء بھا وکان لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیٰ کل قبیلۃ والٍ یقبض صدقاتھا (دعاۃ لا قضاۃ ص۱۳۴، ص۱۳۵)

"انہی شرعی نصوص میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:- اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَتَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَتَکْثُرُ قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ قَالَ اَوْفُوْا بِبَیْعَۃِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ وَاَعْطُوْھُمْ حَقَّھُمْ فَاِنَّ اللہَ سَائِلُھُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاھُمْ۔[2]

"میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، البتہ خلفاء ہوں گے، صحابہؓ نے پوچھا:- اے اللہ کے رسول!

---

[1] جوامع السیرۃ لابن حزم ص۲۳ - ص۲۵ وغیرہ من کتب السیرۃ۔

[2] استاذ حسن ہضیبیؒ نے اس حدیث کو محلّی ابن حزم سے بحوالہ امام مسلم نقل کیا ہے، مشکوٰۃ المصابیح میں یہ حدیث بخاری ومسلم، دونوں سے مروی ہے، اور اس کے (باقی حاشیہ صفحۂ آئندہ پر)

آپ (ان کے سلسلے میں) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: - ان میں سے پہلے کی بیعت کا ایفا کرو اور انہیں ان کا حق دو، کیونکہ اللہ ان لوگوں کے سلسلے میں ان سے سوال کرے گا جن پر انہیں ذمہ دار و داعی بنایا ہے۔" اس حدیث میں صراحتہً خلفاء کا تذکرہ ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عامۃ الناس پر ان کے کچھ حقوق ہیں اور ان سے بیعت کر کے اس کا ایفا کرنا چاہیے۔ اسی طرح یہ بات کہ مسلمانوں کا ایک امیر ہو، جو ان کے مابین شریعت کے احکام نافذ کرے، ایسے امیر کے وجود کا وجوب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تا حیات) مسلمانوں کے سربراہ اور ان پر شریعت کے احکام نافذ کرنے کے ذمہ دار رہے، اس کے ساتھ آپ لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرنے، نماز اور حج کو قائم کرنے، زکوٰۃ جمع کرنے اور مستحقین میں اسے تقسیم کرنے اور دفاع اور جنگ کے لیے لشکروں کو تیار کرنے اور انہیں بھیجنے کی ذمہ داریوں کا بار اٹھاتے رہے (اور یہ سب کام فرماں روا اور امیر المومنین کے ہیں) یہی نہیں، آپ کے عہد میں جو علاقے اسلام کے زیرِ نگیں ہوئے، ان کے لیے آپ نے امراء مقرر کیے چنانچہ آپ نے "باذان فارسی" کو پورے یمن کا والی بنایا اور ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے "شہر" کو "صنعاء" اور اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ابتدائی الفاظ اس طرح ہیں: - كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ مِنْهُمْ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَ اِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ۔۔۔۔ الیٰ آخرہٖ" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بنی اسرائیل کی سیاست و امارت انبیاء کے ہاتھ میں تھی، ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ (جانشین) بن جاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، ہاں خلفاء ہوں گے۔۔۔۔ الیٰ آخرہ" معلوم ہوا کہ اسلام میں امامت و خلافت کا ادارہ ہمیشہ رہا ہے چنانچہ بنی اسرائیل میں انبیاء یکے بعد دیگرے ریاست و امارت کی ذمہ داری سنبھالتے تھے۔ آخری رسول کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اس لیے انبیاء کی امارت و امامت کے بجائے اب کارِ دین اور کارِ سیاست کی ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کے لیے آپ کے پیروؤں کی خلافت و امارت ہوگی اور اسوۂ انبیاء کے تحت ایسا ہی ہونا چاہیے۔

آس پاس کے علاقے کا والی بنایا اسی طرح آپ نے مہاجر بن امیہ کو کندہ اور صدف کا، زیاد بن لبید کو حضر موت کا، ابوموسیٰ اشعری کو زبید، عدن، ربع اور ساحل کا اور معاذ بن جبل کو الجند کا والی بنایا اور عتاب بن اسید کو مکہ کا اور حج اور موسم حج کا شریعت ناظر کا ذمہ دار ٹھہرایا، نیز ابوسفیان بن حرب کو نجران کا اور علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو یمن میں اخماس پر اور وہاں کے محکمۂ قضا کا والی بنایا۔ اسی طرح ہر قبیلے میں آپ کے مقرر کردہ والی تھے جو قبیلے کے صدقات وصول کرتے !"

مختصر یہ کہ آپ زندگی بھر خود مسلمانوں کے والی و سربراہ رہے اور ان کی قیادت و سیادت کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے اپنے زیر نگیں علاقوں میں سے ہر علاقے میں اپنے نائب اور مسلمانوں کے سربراہ مقرر کیے۔ اس طرح آپ نے اپنے مسلسل اسوے سے یہ واضح کر دیا کہ مسلمانوں کو منظم اور اجتماعی زندگی گزارنا چاہیے اور ان کا لازماً ایک سربراہ ہونا چاہیے جو شریعت کے احکام کے مطابق ان کی قیادت کرے۔

اسلامی حکومت کے بغیر احکام شریعت پر عمل ناممکن ہے

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے استاذ حسن ہضیبیؒ فرماتے ہیں :-

وكذلك فان اقامة الحكومة الاسلامية ضرورة تقتضيها النصوص قال تعالى لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا فوجب اليقين ان الله تعالىٰ لايكلف الناس ماليس فى بنيتهم واحتمالهم وقد علمنا بضرورة العقل وبديهته ان قيام الناس بما اوجبه الله تعالىٰ من الاحكام عليهم فى الاموال والجنايات والدماء والنكاح والطلاق وسائر الاحكام كلها ومنع الظلم وانصاف المظلوم واخذ القصاص على تباعد اقطارهم وشواغلهم واختلاف آراءهم كُلّ ذلك ممتنع غير ممكن، اذ قد يريد واحد اواكثر جماعة ان يكون عليهم انسان ويريد اخر او جماعة اخرىٰ ان لا يحكم عليهم اِمّا لانها ترىٰ فى اجتهادها خلاف ما رأى هؤلاء واما خلافاً مجرداً وهذا الذى لابد منه ضرورة وهذا امشاهد فى البلاد التى

حکم حق ولا احد وقد ذهب الدین
لا رئیس لها فانه لا یقام هناك
فی اکثرها فلا تصح اقامة الدین الا بالاسناد[1] ردعاة لا قضاة ص۱۳۵)

"درحقیقت اسلامی حکومت کی اقامت ایک ناگزیر امر ہے، جو نصوصِ (شرعی) کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[2] "اللہ کسی شخص پر ذمہ داری نہیں ڈالتا، مگر اتنی ہی جو اس کی وسعت میں ہے" اس لیے ہمارے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر وہ ذمہ داری نہیں ڈالتا جو ان کی فطرت و ساخت اور ان کی قوتِ برداشت کے مطابق نہیں ہے، اس کے ساتھ ہم یہ بات عقل سے بداہۃً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جو احکام عائد اور فرض کیے ہیں، ان کا تعلق اموال، جرائم و جنایات، خونی معاملات و مقدمات، نکاح، طلاق، اور اس طرح کے سب امور سے ہے۔ اسی طرح ہم پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ ہم ظالم کے ظلم کو روکیں، مظلوم کو انصاف دلائیں اور (قاتل سے) قصاص لیں، ان سب احکام کی بجا آوری لوگوں کے علاقوں کے دور دراز ہونے، مشاغل میں ان کی مصروفیت اور ان کی آرام کے مختلف ہونے کے باعث (نظمِ حکومت کے بغیر) ممتنع اور غیر ممکن ہے، کیونکہ ایک شخص، ایک سے زیادہ افراد یا ایک گروہ کی خواہش ہوگی کہ ایک انسان اس کا سربراہ ہو اور دوسرا فرد یا گروہ چاہے گا کہ وہ اس پر حکم نہ چلائے یہ اس لیے کہ اس کا اجتہاد اس کی رائے کے خلاف ہے یا مخالفت برائے مخالفت کی وجہ سے، بہرحال یہ ایک ضروری امر ہے جس سے کوئی مفر نہیں، چنانچہ اس صورتِ حال کا اُن علاقوں میں مشاہدہ ہوتا ہے جن کا کوئی سربراہ اور حاکم نہیں ہوتا۔ وہاں نہ کوئی صحیح اور حق حکم نافذ ہو سکتا ہے اور نہ حد نافذ ہو سکتی ہے۔ بلکہ ان کے اکثر حصوں سے دین رخصت ہو جاتا ہے۔ بہرحال دین کی اقامت (حکومت کے) سہارے اور قوت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔"

---

[1] الفصل فی الملل، جلد ۴ ص ۱۰۶ ۔ [2] البقرۃ، ۲۸۶۔ اِس مضمون کی، قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں۔

گویا اسلامی حکومت کے بغیر نہ صرف یہ کہ دین کے بڑے حصے پر عمل درآمد ممکن نہیں ہے اور حدود و تعزیرات اور مالی مقدمات ہی نہیں، طلاق اور فسخ نکاح جیسے معاشرتی امور بھی کھٹائی میں پڑ جاتے ہیں بلکہ دین کے نفس وجود کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم غیر اسلامی حکومتوں میں دیکھ رہے ہیں کہ نہ مساجد محفوظ ہیں، نہ مسلم پرسنل لا اور نہ حج اور دوسری عبادات کی مطلوبہ آزادی ہے بلکہ ایمانیات و عقائد تک کے بدلنے کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں جو بہت کچھ کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔

دین اور ملت دونوں کی ہلاکت

استاذ حسن ہضیبیؒ کا سلسلۂ کلام جاری ہے:۔

"والخلق مع اختلاف الاھواء وتشتت الآراء وما بینھم من الشحناء فلما ینقاد بعضھم لبعض فیقضی ذلک الی التنازع والتواثب بل ربما ادّیٰ الیٰ ھلاکھم جمیعًا وتشھد لہ التجربۃ والفتن القائمۃ عند موت الولاۃ الیٰ نصب اٰخر بحیث لو تمادیٰ تعطلت المعایش وصار کل احد مشغولًا بحفظ مالہ ونفسہ تحت قائم سیفہ وذلک یؤدی الیٰ رفع الدین وھلاک جمیع المسلمین[1]۔" "ولا ینتظم الدین الا بتحقیق الامن علیٰ ھذہ المھمات الضروریۃ والّا فمن کان فی جمیع اوقاتہ مستغرقًا بحراستہ نفسہ من سیوف الظلمۃ وطلب قوتہ من وجوہ الغلبۃ فمتیٰ یتفرغ للعلم والعمل وھما وسیلتاہ الیٰ سعادۃ الآخرۃ۔ ان الدین والامن علی الانفس والاموال لا ینتظم الّا بسلطان مُطاع۔ وھٰذا تشھد لہ مشاھدہ اوقات الفتن بموت السلاطین والائمۃ وان ذلک لو دام ولم یتدارک بنصب سلطان اٰخر مطاع دام الھرج وعمّ السیف وشمل القحط وھلکت المواشی وبطلت الصناعات وکان کل غلب سلب ولم یتفرغ احد للعبادۃ والعلم ان بقی حیًّا والاکثرون یھلکون تحت ظلال السیوف ولھٰذا قیل الدین والسلطان توءمان[2] (دعاۃ لاقضاۃ ص ۱۳۵)

[1] الایجی فی المواقف، النظریات الاسلامیۃ مصنفہ ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس۔

[2] الغزالی فی الاقتصاد والاعتقاد۔

"انسانوں کی آراء کے مختلف ہونے، ان کی آراء کے اختلاف و انتشار اور ان کے باہمی کینہ و عداوت کے باعث، وہ ایک دوسرے کے تابع بہت ہی کم ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ نزاعات اور جنگوں کی شکل میں برآمد ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات سب افراد کی ہلاکت و بربادی پر منتج ہوتا ہے۔ تجربات اور ایک حاکم کی موت کے بعد دوسرے حاکم کے استقرار تک کی مدت کے دوران برپا ہونے والے فتنے اس کے شاہدِ عدل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سلسلہ اگر دراز ہو جائے تو زندگی اور اس کے تمام طور طریق تعطل کی نذر ہو جائیں اور ہر شخص اپنی تلوار کے بل پر اپنی جان و مال کے تحفظ میں مشغول ہو جائے اور اس کا نتیجہ بالآخر دین کے ختم ہونے اور سب مسلمانوں کے ہلاک ہونے کی صورت میں نمودار ہو[1]"

"دین کا نظم و انصرام اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تمام ضروری امور و مہمات کے سلسلے میں امن و امان قائم ہو۔ ورنہ جو شخص اپنے جملہ اوقات میں اپنے آپ کو ظالموں کی تلواروں سے بچانے اور اپنی قوت کو غلبہ کے طریقوں سے حاصل کرنے میں مستغرق ہو، وہ علم اور عمل کے لیے کب فارغ ہو سکے گا جبکہ یہی دو چیزیں اُس کے لیے سعادتِ اُخروی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔"

"دین اور جان و مال کے سلسلے میں امن و امان کا نظم اُسی وقت ممکن ہے جبکہ کوئی ایسا فرماں روا موجود ہو، جس کی اطاعت کی جاتی ہو، اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے شواہد سلاطین و امراء کے انتقال کے موقع پر فتنوں کے زمانے میں بخوبی نظر آتے ہیں۔ اگر دوسرے فرماں روا کے۔ جس کی اطاعت کی جاتی ہو۔ نصب و استقرار کے ذریعہ اس صورتِ حال کا تدارک نہ کیا جائے اور صورتِ حال یونہی چلتی رہے تو فتنوں اور انارکی کو دوام ہو جائے، تلوار کا چلنا عام ہو جائے، قحط کا تسلط ہو جائے، مویشی ہلاک ہو جائیں، کاروبار اور صنعتیں ٹھپ ہو جائیں اور 'جس کی لاٹھی اس کی بھینس' کا اصول چلنے لگے۔ اِس صورت میں کوئی بھی شخص ـــ اگر وہ زندہ رہ جائے ـــ عبادت اور عمل کے لیے فارغ نہ ہو سکے اور

---

[1] الایجی فی المواقف : النظریات السیاسة الاسلامیة ...

اکثر لوگ تو تلوار کے گھاٹ اتر جائیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ "دین اور فرمانروا جڑواں بھائی ہیں[۱]"

بہ الفاظِ دیگر دین، دنیا، ملّت اور عام انسان، سب کے سب اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں ہلاکت و بربادی سے دوچار ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے حصّے میں دنیا و آخرت، دونوں کی ناکامی و تباہی آتی ہے۔

اسلامی حکومت کی اقامت ناگزیر ہے

استاذ حسن ہضیبیؒ بحث کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وقد فرض[۲] الله تعالیٰ علی الامة المسلمة واجبات هی مسئولة ان تؤدیها کوحدة متضامنة وهو ما اصطلح علیٰ تسمیته بفروض الکفایة من ذلك الجهاد والحسبة والامر بالمعروف والنهی عن المنکر وسدّ حاجات الفقراء والمساکین والشوریٰ۔ ۔ ۔ الخ وهذه الفروض لا یمکن ان یقوم بها فرد علیٰ حدة او افراداً ما کانوا وانما هی تحتاج الیٰ تدبیر وتنظیم وتوجیه ولا یمکن ان ینهض بها الا سلطة عامة تکون لها ارادة فوق الارادات الفردیة و تتوفر لها الطاعة وتستطیع الامر والنهی والتوجیه۔ وهذه هی سلطة الامامة فالامامة واجبة لتادیة کلّ هذه الفروض ولهذا یقول الشهرستانی:۔

إذ لا بد لکافتهم من امام ینفذ احکامهم ویقیم حدودهم ویحفظ بیضتهم ویحرس حوزتهم ویعبئ جیوشهم ویقسم غنائمهم وصدقاتهم ویتحاکمون الیه فی خصوماتهم ویراعی امور الجمع والاعیاد وینصف المظلوم وینتصف من الظالم وینصب القضاة والولاة فی کلّ ناحیة ویبعث القراء والدعاة الی کلّ طرف[۳] (دعاة، لا قضاة ص۱۳۶)

---

[۱] الغزالی فی الاقتصاد والاعتقاد۔

[۲] ڈاکٹر ضیاء الدین الریس فی کتاب النظریات الاسلامیة ص۱۳۵

[۳] الشهرستانی فی نهایة الاقدام فی علم الکلام۔

"اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر کچھ فرائض عائد و واجب کیے ہیں، جن کی ادائیگی کی، وہ ایک وحدت کی صورت میں، جس کے افراد ذمہ داری میں شریک ہیں، ذمہ دار ہے۔ ان فرائض کو اصطلاحاً "فرض کفایہ" کہا جاتا ہے، مثلاً جہاد، احتساب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، غربا و مساکین کی ضروریات کی تکمیل، شوریٰ وغیرہ۔ ان فرائض کی ذمہ داری سے کوئی ایک فرد تنہا یا کچھ افراد ــــ خواہ وہ کوئی بھی ہوں ــــ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ان کی ادائیگی کے لیے تدبیر تنظیم اور کنٹرول کی ضرورت ہے۔ ان ذمہ داریوں سے ایک عام اقتدار ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے، جس کا ارادہ افراد کے انفرادی ارادے سے بالاتر ہو، جس کی اطاعت کی جاتی ہو اور جو امر، نہی، کنٹرول اور ہدایت کر سکتا ہو، اور یہ امامت و امارت کا اقتدار ہی ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام فرائض کی ادائیگی کے لیے امامت (خلافت) ضروری و واجب ہے۔ اسی لیے شہرستانیؒ نے کہا ہے: "عامۃ الناس کے لیے ایک امام (امیر) کا وجود لابدی ہے، جو ان پر احکامِ (شریعت) نافذ کرے، ان کی حدود قائم کرے، ان کے علاقوں کی حفاظت اور ان کی مملکت کی حدود کی نگہداشت کرے، ان کے لشکروں کو تیار رکھے، اموالِ غنیمت اور صدقات کو تقسیم کرے، لوگ اپنے مقدمات کے فیصلے کے لیے اس کے پاس جائیں، وہ جمعوں اور عیدوں کے اجتماعات کا نظم کرے، مظلوم کو انصاف دلائے، ظالم سے مظلوم کا بدلہ لے، عمّال اور ججوں کو ملک کے ہر گوشے میں مقرر کرے اور علماء اور دعاۃ کو (دین کی دعوت و خدمت کے لیے) ملک کے اطراف و جوانب میں بھیجے۔"

اسلامی حکومت کے فقدان میں دین اور حقوق العباد کا ضیاع

استاذ حسن ہضیبیؒ "اسلامی حکومت" کی ضرورت پر مزید اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

"والواضح مما تقدم ان غیاب الحکومۃ الاسلامیۃ او الامام المسلم مؤدہ الحتمی تعطیل تنفیذ الکثیر من الاحکام الشرعیۃ وتضییع ماشرعہ اللہ لعبادہ من الحقوق وایضاً تشتت شمل المسلمین وضعفہم وتعرضہم للفتن والھوان وشیوع المظالم والفساد وحال بلاد المسلمین فی ھذا الوقت شاھد علی

صدق ذٰلك (دعاۃ لا قضاۃ ص۱۳۶)

"گزشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہے کہ اسلامی حکومت یا مسلم امام کی عدم موجودگی کا حتمی نتیجہ بہت سے شرعی احکام کے نفاذ کے تعطل، اللہ کے عطا کردہ بندوں کے حقوق کے ضیاع، نیز مسلمانوں کے شیرازے کے بکھرنے، ان کے ضعف، فتنوں اور مصیبتوں میں ان کے گرفتار ہونے اور ظلم و فساد کے عام ہونے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، موجودہ دور میں مسلمان ملکوں کا حال اِس امر کی صداقت پر شاہد عدل ہے۔"

جب مسلمان ملکوں میں، جہاں مسلمان عظیم اکثریت میں ہیں مگر وہاں اسلامی حکومتیں موجود نہیں ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا یہ عالم ہے، تو غیر مسلم ملکوں میں، جہاں مسلمان اقلیت میں اور کمزور ہیں اور ملحدین و مشرکین کے غلام ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا کیا حال ہوگا، اس کے لیے کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے اسے بہ چشم سر دیکھا جا سکتا ہے!

اسلامی حکومت کی اقامت فرضِ کفایہ ہے

بحث کو ختم کرتے ہوئے استاذ حسن ہضیبی فرماتے ہیں:۔

واقامة الحكومة الاسلامية اى الامام الحق من فرض الكفاية اى هو فرض تسأل عنه الامة متضامنة فى جميع افرادها، الى ان يتحقق وكل فرد بعينه، ثم مادام ذلك الفرض لم يتحقق ولاشك ان كل فرد من افراد الامة الاسلامية مسئول مسئولية شخصية امام ربه عما يقصر فيه من جهد يستطيع بذله فى سبيل تحقيق ذلك الفرض الذى الزمه الله تعالىٰ به۔ (دعاۃ، لا قضاۃ، ص۱۳۶)

"اسلامی حکومت یعنی امامِ حق کو قائم کرنا فرضِ کفایہ ہے، یعنی وہ ایسا فرض ہے جس کے سلسلے میں امت کی، اس کے تمام افراد کی ذمہ داری کے ساتھ مسئولیت و جواب دہی ہے یہاں تک کہ اسلامی حکومت قائم و متحقق ہو جائے۔ جب تک اسلامی حکومت متحقق نہیں ہوتی، امت کا ہر شخص گنہ گار ہے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ امت اسلامیہ کا ہر فرد

۔ اگر وہ اِس مقصد کے حصول کے سلسلے میں، جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم کیا ہے' اپنی استطاعت بھر کوششوں میں کوتاہی برتتا ہے ۔۔۔ اس سلسلے میں اپنے رب کے حضور شخصی طور پر جواب دہ ہے۔"

یہ ہیں استاذ حسن ہضیبیؒ کے افکار، جو قرآن وسنت کی صریح نصوص، اجماعِ صحابہؓ، اجماعِ فقہاء، اجماعِ اہل سنت، بلکہ امت کے تمام فرقوں کے اجماع پر مبنی ہیں۔ امید ہے کہ دین اور ملّت کا درد اور خدائے تعالیٰ کے حضور جواب دہی کا احساس رکھنے والے اصحاب اُن کی روشنی میں اپنے فکر و عمل کا جائزہ لیں گے اور دین کی پیروی اور اس کی دعوت و اقامت کا کام اس کے صحیح فہم کے ساتھ کریں گے۔

اللہ کی حاکمیت اور مولانا حمید الدین فراہیؒ

مولانا حمید الدین فراہیؒ اس صدی کے اُن محقق مفسرین اور اسلام کے ان عظیم مفکرین میں سے تھے، جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے عمیق فہم قرآن اور علم و تقویٰ پر برِ صغیر کے اکابر اہل علم کا اتفاق ہے۔ وہ زندگی بھر قرآن کے عمیق مطالعہ میں غرق رہے اور فہم قرآن اور نظم قرآن کے سلسلے میں اہلِ علم کی راہنمائی کرتے رہے۔ وہ عملی سیاست سے مجتنب رہے، ان کے افکار کسی سیاسی مفکر کے نہیں، قرآن کے عظیم محقق کے افکار ہیں۔ انہوں نے بہت کم لکھا ہے، لیکن جو کچھ لکھا ہے، قرآن کے عمیق مطالعہ اور گہرے غور و فکر کے بعد لکھا ہے اور اس لیے لکھا ہے کہ قرآن اور اسلام کے فہم کے سلسلے میں کلیدی اصول ہاتھ آسکیں۔

خوش قسمتی سے "اللہ کی حاکمیت" پر اُن کی ایک مختصر سی کتاب "فی مَلَکُوتِ اللہ"[1] "اللہ کی حکومت و فرمانروائی کے بارے میں" کے نام سے غیر مطبوعہ نسخے کی شکل میں تھی

---

[1] مولانا فراہیؒ نے یہ اصطلاح خود قرآن سے لی ہے۔ قرآن مجید میں "ملکوت" کا لفظ چار مقام پر آیا ہے، انعام ۷۵، اعراف ۱۸۵، مومنون ۸۸، اور یٰس ۸۳۔ پہلی دو آیتوں میں "مَلَکُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمین کی بادشاہت) کے الفاظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے۔ تیسری آیت میں یہ سوال ہے: قُلْ مَنْۢ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ "کہو! کس کے ہاتھ میں ہر شے کی بادشاہت ہے؟" اور چوتھی آیت میں گویا اس کا جواب ہے: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ پاک و برتر ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ہر شے کی فرماں روائی ہے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اور محرم ۱۳۹۱ھ میں چھپ کر سامنے آگئی ہے۔ یہ کتاب بھی، جیسا کہ انہوں نے خود واضح کیا ہے، انہوں نے فہم قرآن ہی کے سلسلے میں لکھی ہے۔

مسئلہ کا تعارف

مولانا حمید الدین فراہیؒ "فاتحۃ الکلام" (پیش لفظ) میں کتاب کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اما بعد:- فھذا کتاب من مقدمۃ نظام القرآن باحث عن مسئلۃ ملکوت اللہ الجامعۃ لمعارف مھمۃ من علوم القرآن التی لا یطلع علیھا لطالب الا اذا قام علی ھذہ النقطۃ الجامعۃ التی تنفجر منھا انھار العلوم کانھا نبعت من عین جموم۔

"اما بعد:- یہ کتاب "نظام القرآنؒ" کے مقدمہ کا ایک جزء ہے، اس میں "ملکوت اللہ" (اللہ کی حاکمیت و فرماں روائی) کے مسئلہ سے بحث ہے۔ یہ مسئلہ قرآنی علوم کے اہم معارف کی جامع ہے، ان علوم سے کوئی طالب علم اُسی وقت آگاہ ہو سکتا ہے جب وہ اُس "نقطۂ جامعہ" پر اپنی توجہ مرکوز کرلے جس سے (قرآنی) علوم کی ندیاں اِس طرح پھوٹتی ہیں گویا پانی کے عظیم ذخیرے سے پُر کسی چشمے سے نکل رہی ہوں۔"

یعنی "اللہ کی بادشاہت و حاکمیت" قرآنی علوم و معارف کا مرکزی و بنیادی نقطہ ہے، قرآنی علوم سے آگاہی اُسی وقت ممکن ہے جب اِس نقطہ کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

اللہ کی حاکمیت کے علم کا دین میں مقام

کتاب کا اگلا عنوان ہے:۔ مَوْضِعُ عِلْمِ الْمَلَكُوْتِ فِی الدِّیْنِ "اللہ کی حاکمیت کے علم کا مقام دین میں" اِس عنوان کے تحت مولانا فراہیؒ رقم طراز ہیں:۔

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔ یہ صاف و صریح الفاظ میں "ملکوتُ اللہ" کا اعلان ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے "ملکوت" کا ترجمہ ان آیات میں کہیں سلطنت کیا ہے اور کہیں حکومت۔

لہ مولانا فراہیؒ کی تفسیر کا نام، جو کچھ مرتب ہے اور کچھ نوٹس کی شکل میں۔

اعلم ان جماع علوم الدین معرفة الرب تعالیٰ بصفاته الکاملة واهمها تفرده بالملک فلانذعن لسواه ۔ وملکه بالعدل والرحمة ۔ والمعاد مبنی علیٰ ملکه وعدله والنبوة من ملکه ورحمة وعدله وتاخیر المعاد لحکمته وحلمه ورسالة محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کمال النبوة وتمام الرحمة والعدل فی الدنیا کافلة باتمامها فی الآخرة ۔ فهی سورة ملکوته کما ان احوال وقائع الدنیا صورة ملکوته المبنی علیٰ اصول الحکمة والعدل والرحمة والتربیة والغافلون لایرونها فاحتجنا الیٰ کشف الحجب عن ملکوت اللہ تعالیٰ ۔ (ص۲)

"جان لو کہ علومِ دین کی اصل بنیاد، رب تبارک وتعالیٰ کی، اس کی صفاتِ کاملہ کے ساتھ معرفت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں اہم ترین صفت یہ ہے کہ وہ بادشاہت وحاکمیت میں منفرد ہے، اس کے سوا کسی کے لیے ہم حاکمیت کا اقرار نہیں کرتے۔ اس کی فرمانروائی عدل اور رحمت کے ساتھ ہے اور معاد (آخرت) اُس کی فرمانروائی اور عدل پر مبنی ہے اور نبوت اس کی فرمانروائی، رحمت اور عدل کا نتیجہ ہے، اور معاد کی تاخیر اس کی حکمت اور حِلم کی وجہ سے ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت نبوت کی تکمیل ہے اور (اللہ کی) رحمت اور عدل کی تکمیل دنیا میں ہے، جس کے اتمام کی ضمانت آخرت میں ہے۔ یہ سب "اللہ کی ملکوت (حاکمیت وفرماں روائی)" ہی کی صورتیں ہیں۔ جس طرح کہ دنیا کے واقعات احوال اس کی ملکوت (حاکمیت وفرمانروائی) کی ــ جو حکمت، عدل، رحمت اور تربیت کے اصولوں پر مبنی ہے ــ ایک صورت ہے۔ لیکن غافلوں کو یہ سب کچھ نظر نہیں آتا، اس لیے ہم نے ضرورت محسوس کی کہ ہم پردوں کو ہٹا کر "ملکوت اللہ" کو بے نقاب کر دیں۔"

اِس بحث کے اہم نکات یہ ہیں:-

۱۔ دین اور علومِ دین کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کی، اس کی صفاتِ کاملہ کے ساتھ معرفت ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی اہم ترین صفت یہ ہے کہ وہ کائنات اور انسانوں کا لاشریک فرمانروا ہے، حاکمیت صرف اس کے لیے ہے۔

۳۔ اللہ کی فرماں روائی عدل اور رحمت کے ساتھ ہے۔

۴۔ آخرت اس کی فرماں روائی اور عدل کا ثمرہ ہے۔

۵۔ نبوت اس کی فرمانروائی اور عدل کا نتیجہ ہے۔

۶۔ دنیا کے واقعات واحوال بھی اللہ کی فرماں روائی کا ــــ جو حکمت، عدل، رحمت اور تربیت پر مبنی ہے ــــ نتیجہ ہیں۔

۷۔ لیکن غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو یہ حقائق نظر نہیں آتے!

اور المیہ یہ ہے کہ اِن حقائق کے سلسلے میں اچھے اچھے اہلِ قلم غفلت کا شکار ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حاکمیت کی اہمیت سے نہ صرف یہ کہ ناآشنا ہیں بلکہ آشنا لوگوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ فیا للعجب!

فہمِ امور کی اصل بنیاد

کتاب کا اگلا عنوان ہے:۔ مَنَافِعُ هٰذَا الْعِلْمِ فِيْ فَهْمِ الْاُمُوْرِ۔ "امور و معاملات کے فہم کے سلسلے میں اِس علم کے فوائد"۔ مولانا فراہیؒ نے اس عنوان کے تحت واضح کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ، دین کی تاریخ، شرائع کے اصول وحِکم، انجیل اور نبوتِ محمدؐ کی بشارت، سیاستِ الٰہی، شریعت کی، کامل عدل کے ساتھ تطبیق، بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہدایت، ضلالت، رحمت، عذاب، رضا، ناراضگی اور تطہیر اور تذلیل کے معاملات، اللہ تعالیٰ کی صفات خصوصاً مُلک (حاکمیت) عدل، رحمت اور عدل کی معرفت، اس کی اطاعت اور رضا بالقضا اور دنیوی اور دینی و اخلاقی کے حالات کے درمیان اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ربط و تعلق ــــ یہ سب اہم اور بنیادی امور اللہ کی حاکمیت کے علم سے اچھی طرح سمجھ میں آتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "فی ملکوت اللہ"، باب منافع لهٰذا العلم فی فهم الامور ص۵۱)

اللہ کی حاکمیت کا اثبات

کتاب کا اگلا عنوان ہے:۔ "اثبات الملکوت نقلاً و عقلاً" ــــ "اللہ کی حاکمیت کا عقلی اور نقلی اثبات!"

اِس عنوان کے تحت وہ فرماتے ہیں:۔

من اعظم المعارف واهمها التی لایستقیم التوحید ولا الدین الحق ولا

يطمئن القلب ولا العقل الا بها ما هدانا اليه القرآن وجعلها قرينة للتوحيد هي معرفة ملكوت الرب تعالى وعدله وان الله تعالى حاكم في الارض والسماء وليس شيئ خارجًا عن ملكه وكل شيئ يجري حسب رضاه و اذنه وتصريفه بالرحمة والعدل والحكمة ولذلك له الحمد في السموات والارض كما جاء في سورة البروج :- لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (آيت ۹) وفي سورة الملك :- تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (آيت ۱) وفي اوّل سورة الحديد : سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٥ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٥ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ٥ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ٥ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ٥ (آيت ۱ تا ۶) وفي سورة الزخرف :- وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ٥ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (آيت ۸۴، ۸۵) ومثلها كثير (في ملكوت الله ص۶۰)

"علوم ومعارف میں سب سے عظیم اور اہم علم، جس کے بغیر نہ توحید درست ہو سکتی ہے، نہ دینِ حق، اور نہ قلب اور عقل کو اطمینان ہو سکتا ہے، وہ ہے جس کی طرف ہماری راہنمائی قرآنِ مجید نے کی اور اسے توحید کے ساتھ جوڑ دیا، یعنی رب تبارک وتعالیٰ کی فرمانروائی اور اس کے عدل کی معرفت! اس بات کا علم کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں حاکم ہے، کوئی شے اس کی بادشاہت سے خارج نہیں، ہر شے اُس کی مرضی اور اذن کے تحت ہوتی ہے اور

(عالم ہیں) اُس کے تصرفات رحمت، عدل اور حکمت کے ساتھ ہوتے ہیں، اس لیے آسمانوں اور زمین میں اُس کے لیے حمد ہے۔ سورۂ بروج میں ہے :۔ "اُسی کے لیے ہے فرمانروائی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہر شے پر گواہ اور نگراں ہے۔" (آیت ۹) اور سورۂ ملک میں ہے :۔ "بہت بابرکت ہے وہ ہستی، جس کے ہاتھ میں فرمانروائی ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔" (آیت ۱) اور سورۂ حدید کا آغاز اس طرح ہے :۔ "اللہ کی تسبیح کی اُن تمام چیزوں نے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست (فرماں روا) اور حکیم و دانا ہے! اُسی کے لیے ہے فرماں روائی آسمانوں اور زمین کی! وہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن! اور وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے! وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش (تختِ اقتدار) پر متمکن ہوگیا، وہ جانتا ہے اُن تمام چیزوں کو جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور جو اُس سے نکلتی ہیں، اور جو آسمان سے نازل ہوتی اور اُس میں چڑھتی ہیں۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں کہیں بھی تم ہو! اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اُسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اور (سب) معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں! وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کے بھیدوں اور نیتوں سے باخبر ہے۔" (۱ تا ۶) اور سورۂ زخرف میں ہے :۔ "وہی ہے آسمان میں "إلٰہ"، اور وہی ہے زمین میں الٰہ اور وہی حکیم و علیم ہے! اور بہت بابرکت ہے وہ ہستی۔ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اس سب کی فرماں روائی ہے، اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم (سب) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔" (آیت ۸۴، ۸۵)

— اور اس طرح کی آیات بہت سی ہیں!"

اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں :۔

ثمّ ماصرح فیہ من تصرفہ فی العالم من انزالہ المطر وانباتہ الشجر و تقدیرہ الاقوات وتسخیرہ قوی الارض والسّماوات وکن لك ماصرح من

تصرفہ فی البواطن من الھدایۃ واعطاء السکینۃ والنور والوحی والتوفیق فکثیر جداً (فی ملکوت اللہ صـ)

"پھر قرآن میں اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ کائنات میں اس کا تصرف ہے، وہ پانی برساتا ہے، درخت اگاتا ہے، (مخلوق کے لیے) روزی کا سامان کرتا اور اس کی منصوبہ سازی کرتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی (تمام) قوتوں کو مسخر کیے ہوئے ہے۔ اسی طرح باطن میں اس کے تصرف کے سلسلے میں بھی صراحت ہے کہ وہ ہدایت بخشتا (قلب میں) سکینت نازل کرتا ہے اور نور، وحی اور توفیق دیتا ہے۔" — اس طرح کا ذکر اور صراحت بہت زیادہ ہے۔"

گویا کائنات میں تصرف کے سلسلے میں قرآن میں جو بے شمار آیات ہیں، وہ سب اِس بات کا اعلان ہیں کہ کائنات کا منتظم و فرماں روا اللہ ہے اور حاکمیت اُسی کے لیے ہے، اس کے سوا کسی کے لیے نہیں!

عقل اور وحی کا اِس عقیدے پر اتفاق ہے

مولانا فراہیؒ اِس عنوان کے تحت حاکمیت کی بحث کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

فھذہ عقیدۃ اتفق فیھا العقل والوحی وانما لم نذکر دلائل العقل لوضوحھا فان الایمان بصفاتہ تعالیٰ من کمال قدرتہ واحاطۃ علمہ وحبہ العدل والحق لایدع محلاً للشک فی ان کل شیئٍ یجری حسب حکمہ وحکمتہ ولا تصرف فی الارض ولا فی السماء لاحدٍ علیٰ ضد حکومۃ اللہ (صـ)

"یہ ایک ایسا عقیدہ ہے، جس پر عقل اور وحی دونوں کا اتفاق ہے، ہم نے عقلی دلائل اس لیے ذکر نہیں کیے کہ وہ واضح و روشن ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات — کمالِ قدرت، احاطۂ علم اور عدل اور حق سے اس کی محبت — پر ایمان کے بعد اس معاملے میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ہر شے اللہ کے حکم اور اس کی حکمت کے تحت رواں دواں ہے اور زمین اور آسمان میں اللہ تعالیٰ کی حکومت کے برخلاف کسی شخص کا کوئی تصرف نہیں۔"

عقیدۂ حاکمیتِ الٰہ کے عملی فوائد

کتاب میں ایک عنوان ہے :- "نفع ھذہ العقیدۃ فی الاعمال" — "اعمال میں اس عقیدے کے فوائد" — اِس عنوان کے تحت مولانا فراہیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

فبعد الوثوق بان امور العالم وحوادث الامم تحت تصرف خفی وحکومۃ الٰھیۃ ینبغی لنا تطلب اصولها وفروعها، لفائدتین: (۱) لکی نعمل بما یجلب الخیرلنا (۲) ولکی نؤسس قواعد السیاسۃ علیٰ اصول الحکمۃ الالٰھیۃ فنسوس الملك کما یقتضیه الامر الالٰھی ویرتضیها ربنا الرحمٰن ومن دون ذالك لاطائل تحت علم التاریخ بل لهٗ مضرتان (فی ملکوت الله ص۲)

"اِس حقیقت پر اطمینان و وثوق کے بعد کہ کائنات کے امور و معاملات اور قوموں کے واقعات و حوادث ایک مخفی تصرف اور خدا کی حکومت کے تحت ہوتے ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے اصول و فروع کی تلاش و تحقیق کریں۔ اس میں دو۲ فائدے ہیں:- (۱) جو امور ہمارے لیے موجبِ خیر ہوں، ان کو اختیار اور ان پر عمل کریں۔ (۲) سیاست کے قواعد کو خدائی حکمت کے اصولوں کی بنیاد پر قائم کریں اور اس طرح سیاست و حکمرانی کریں جس طرح خدائی امر و حکم کا تقاضا ہو اور جس سے ہمارا مہربان رب راضی ہو۔ اس کے بغیر علم تاریخ کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس کے دو۲ نقصانات ہیں۔"

گویا پوری زندگی اور خصوصاً سیاست حکمتِ خداوندی، حکمِ الٰہی اور رضائے رب کی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے۔

عقیدۂ حاکمیت کے بغیر علمِ تاریخ کے نقصانات

خدا کی حاکمیت کے علم و یقین کے بغیر علمِ تاریخ کے نقصانات کو اس طرح واضح فرماتے ہیں :

بَلْ لَهٗ مضرتان ۱ الافتخار بما خلا من الشرف فربما یوقعنا فی الغفلۃ ویقعدنا عن السعی ۲ والادکار لامور تبعث الغیظ والحنق باقوام متجاورۃ کما نری الیوم الھنود والنصاریٰ تبغضان المسلمین لما تذکران قھرهم ایاهما ولو نظروا فی التاریخ بعین البصیرۃ انتفعوا به فان الله تعالیٰ لا یسلط

قومًا علیٰ قوم الا لحکمۃ ومصلحۃ وصلاح الغالب للحکومۃ وعدم صلاح المغلوب لہا فان تفحّصوا عن احوال الغالبین وعن انفسہم علموا اسباب الفوز وترکوا ما بہم من خصال الخسران وقد بین ذلک فی سورۃ البقرۃ فی سلب النبوۃ والملکوت السمائی عن الیہود واعطائہ لاخوانہم الاسماعیلیین ونحن الآن نذکر اصول الحکومۃ الالٰہیۃ کما اخبرنا اللہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز وکما ارانا فی تاریخ العالم وجریان مقادیرہ (فی ملکوت اللہ ص۲۰،۲۱)

" بلکہ اس کے دو نقصانات ہیں ۱؎ اپنے گزرے ہوئے مجد و شرف پر فخر و مباہات کہ ہم بسا اوقات اُس سے غفلت میں پڑ سکتے ہیں اور سعی و جہد سے کنارہ کشی کر سکتے ہیں ۲؎ ایسے امور و واقعات کی یاد جو پڑوسی قوموں کے سلسلے میں غیظ و غضب اور بغض اور کینے کے موجب بنتے ہیں، جیسا کہ ہم آج ہندوؤں اور عیسائیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے بغض و عداوت رکھتے ہیں کیونکہ اپنے اوپر مسلمانوں کے غلبہ و تسلط کی انہیں یاد آتی رہتی ہے۔ لیکن اگر وہ تاریخ پر عبرت و نصیحت کی نگاہ ڈالتے تو تاریخ سے فائدہ اٹھاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کسی قوم پر کسی حکمت و مصلحت کے تحت ہی مسلّط کرتا ہے اور اس لیے کرتا ہے کہ غالب قوم میں حکومت کی صلاحیت ہوتی ہے اور مغلوب قوم میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس لیے اگر وہ غالب قوموں اور خود اپنے حالات کو بہ غور دیکھتے اور تحقیق کرتے تو فوز و کامرانی کے اسباب سے آگاہ ہو جاتے (اور انہیں اختیار کرتے) اور ناکامی و زوال کی موجب عادات و خصائل کو ترک کر دیتے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں یہود سے نبوت اور " آسمانی بادشاہت " کے چھن جانے اور ان کے بھائیوں — اسماعیلیوں — کو انہیں دینے کے سلسلے میں یہ حقیقت بیان ہوئی ہے۔

اور اب ہم " حکومتِ الٰہیہ " کے اصول بیان کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں ہمیں اُن سے آگاہ کیا ہے اور جیسا کہ اس نے دنیا کی تاریخ اور دنیا میں اپنے منصوبوں کے جاری ہونے کی شکل میں ہمیں ان کا مشاہدہ کرایا ہے۔"

اِس کے بعد انھوں نے انسانی تمدن، انسانی خلافت، مختلف اقوام و ملل کی خلافت۔ خلافت ارضی سے محرومی اور خلیفہ کے اوصاف وغیرہ مختلف امور پر، جو اللہ کی حاکمیت اور حکومتِ الٰہیہ سے متفرع ہوتے ہیں، بحث کی ہے۔ یہ نفیس بحثیں ہیں لیکن ہم طوالت کے خوف سے انہیں نقل نہیں کر رہے ہیں، "فی ملکوت اللہ" میں ص۲۰ سے ص۳۷ تک انہیں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

شخصیات

۱۔ الآلوسی (محمود بن عبداللہ)
۲۔ ابن اثیر
۳۔ ابنِ تیمیہ
۴۔ ابنِ جریر طبری
۵۔ ابن حزم اندلسی
۶۔ ابن السراج
۷۔ ابن السیدہ
۸۔ ابنِ القیم الجوزیۃ
۹۔ ابنِ کثیر
۱۰۔ ابنِ ماجہ
۱۱۔ ابنِ منظور (مصنف لسان العرب)
۱۲۔ ابنِ ہشام
۱۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی
۱۴۔ ابوالحسن علی ماوردی
۱۵۔ ابوالحسن علی ندوی
۱۶۔ ابوحیان
۱۷۔ ابوداؤد
۱۸۔ ابوالسعود
۱۹۔ ابو عیسیٰ ترمذی
۲۰۔ ابوالقاسم قشیری
۲۱۔ ابوالکلام آزاد
۲۲۔ ابو یحییٰ زکریا انصاری
۲۳۔ احمد بن حنبل
۲۴۔ احمد عروج قادری (سید)
۲۵۔ اسمٰعیل شہید دہلوی
۲۶۔ اشرف علی تھانوی
۲۷۔ امین احسن اصلاحی
۲۸۔ اویس ندوی
۲۹۔ بدرالدین عینی
۳۰۔ بغوی (حسین بن مسعود الفراء)

۳۱- تفتازانی (مسعود بن عمر سعد الدین)

۳۲- ثناء اللہ پانی پتی

۳۳- حسن ہضیبیؒ

۳۴- حمید الدین فراہی

۳۵- خازن (علی بن محمد علاء الدین)

۳۶- راغب اصفہانی (حسین محمد)

۳۷- زکریا سہارنپوری (شیخ الحدیث)

۳۸- زمخشری (محمود بن عمر جار اللہ)

۳۹- سید سلیمان ندوی

۴۰- سید قطب شہید

۴۱- شاطبی (ابراہیم بن موسیٰ)

۴۲- شبیر احمد عثمانی

۴۳- شہرستانی (محمد بن عبد الکریم)

۴۴- ضیاء الدین الریس

۴۵- عبد الحق محدث دہلوی

۴۶- عبد الدائم جلالی

۴۷- عبد القادر جیلانی

۴۸- عبد القادر (شاہ)

۴۹- عبد الماجد دریا بادی

۵۰- غزالی (ابو محمد حامد)

۵۱- فخر الدین رازی

۵۲- قرطبی (ابو محمد عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر)

۵۳- قسطلانی (احمد بن محمد)

۵۴- مالک بن انس

۵۵- مجد الدین فیروز آبادی (مصنف القاموس)

۵۶- محب الدین محمد مرتضیٰ زبیدی (مصنف تاج العروس)

۵۷- محمد بن اسمٰعیل بخاری

۵۸- مسلم بن حجاج قشیری

۵۹- نسائی (احمد بن شعیب)

۶۰- نسفی (عبد اللہ بن احمد)

۶۱- ولی اللہ دہلوی (شاہ)

۶۲- ولی الدین بن عبد اللہ الخطیب (مصنف مشکوٰۃ)

کتابیات

۱۔ اللہ کی کتاب: قرآن مجید

۲۔ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری

صحیح مسلم

جامع ترمذی

سننِ ابی داؤد

سننِ نسائی

سننِ ابن ماجہ

مؤطا امام مالک

مسند احمد

مشکوٰۃ المصابیح

ادب المفرد

شرح بخاری للعینی

شرح بخاری للقسطلانی

شرح مسلم للنووی

۳۔ تفاسیر و تراجم قرآنِ مجید

تفسیر ابن جریر طبری

تفسیر ابنِ کثیر

تفسیر ابو حیان

تفسیر ابو السعود

تفسیر بیان القرآن (اردو)

تفسیر تدبر قرآن (اردو)

تفسیر ترجمان القرآن (")

تفسیر تفہیم القرآن "

تفسیر خازن

تفسیر روح المعانی

تفسیر فتح البیان

تفسیر قرطبی

تفسیر قیم

تفسیر کبیر

تفسیر کشاف
تفسیر ماجدی (اردو)
تفسیر مدارک التنزیل
تفسیر مظہری
تفسیر موضح القرآن (اردو)
تفسیری حواشی شبیر احمد عثمانی
ترجمہ ابو الکلام آزاد
ترجمہ اشرف علی تھانوی
ترجمہ شاہ عبد القادر

۴۔ دیگر کتب

الاحکام السلطانیۃ
الاحکام فی اصول الاحکام
الاقتصاد والاعتقاد
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر
تاج العروس
ترجمہ فتوح الغیب
تقویۃ الایمان
جوامع السیرۃ لابن حزم
حجۃ اللہ البالغۃ
دعاۃ، لاقضاۃ
رسالہ قشیریۃ
سیرت ابن ہشام
سیرت النبی سید سلیمان ندوی
شرح فتوح الغیب
العبودیۃ
عہد حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح پر ایک نظر
الفصل فی الملل
فی ملکوت اللہ
القاموس
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں
کتاب اللمع
المحلّٰی لابن حزم
المخصص
مدارج السالکین
مسائل السلوک من کلام ملک الملوک
المصباح المنیر
المفردات فی غریب القرآن
مفردات القرآن للفراہی
المواقف
الموافقات
النظریات الاسلامیہ
نہایۃ الاقدام فی علم الکلام۔